

# کیا اسلام آئین اسلامی ہے؟

# کیا اسلام آئین اسلامی ہے؟

ہاشم علی شاہ راسی وحدیث کی روشنی میں تحقیقی جائزہ  
اوردہ دہائل اسلامی آئین کا نمونہ

کیا اسلام آئین اسلامی ہے؟

استاذ محترم مولانا راسی محدثی

مولانا راسی محدثی

# کیا اہمارا آئین اسلامی ہے؟

آئین پاکستان کا قرآن وحدیث کی روشنی میں تحقیقی جائزہ  
اور متبادل اسلامی آئین کا نمونہ

شیخ الحدیث  
حضرت مولانا نور الہادی صاحب دہلوی

# فہرست مضامین

نمبر شمار	موضوعات	صفحہ نمبر
۱۔	پیش لفظ	۱
۲۔	حرف آغاز	۳
۳۔	باب اول عاقبت کس کا حق ہے؟	۲۶
۴۔	باب دوم دستور پاکستان اور شریعت اسلامی کے مابین تضادات	۳۲
۵۔	پہلی فصل شریعت کی ثالثیت کا قانون کی شکل و بنا کفر ہے۔	۳۲
۶۔	دوسری فصل دستور پاکستان میں موجود مغلافہ شریعت قوانین کی مثالیں	۴۹
۷۔	پہلا تضاد نماج، جان یا رہبان کی غائب اکثریت کو ظلم حق قانون سازی حاصل ہے۔	۵۰
۸۔	دوسرا تضاد، بعض افغانی اور اوارا سے ہر قسم کے ٹاکے اور کتا ہے سے بالا نہیں۔	۵۰
۹۔	تیسرا تضاد سرحد اور استثنائی حدود کو ہر قسم کے جرائم معاف کرنے کا حق ہے۔	۱۱۱
۱۰۔	چوتھا تضاد، قاضی کے لئے عادل ہو نے کی شرط نہیں، کافی جی جیکہ مسلمان ہونے کی شرط بھی شرعی عدالت کے قاضی کے لئے عائد کی گئی ہے۔	۱۱۳
۱۱۔	پانچواں تضاد سرحد اور استثنائی حدود کے لئے ہر دوسرے کی شرط نہیں، عائد کی گئی۔	۱۱۹
۱۲۔	چھٹا تضاد، ہر قسم کے جرائم کو سزا سے تحفظ فراہم کیا گیا ہے جس نے جرم کا ارتکاب اس فعل کو کاف توئی طور پر جرم قرار دینے کا حق ہے۔	۱۲۱
۱۳۔	ساتواں تضاد، ایک جرم پر دوسرے جرم کی مطلق ممانعت	۱۲۹
۱۴۔	آٹھواں تضاد، دو دھوکے والے دستور کا موقف	۱۳۷
۱۵۔	باب سوم۔ دستور کے بیان کردہ سائل شریعت کی حاکمیت قائم کرنے سے عاجز ہیں۔	۱۳۰
۱۶۔	پہلی فصل دستور کا دینا چاہیے "قرارداد پیمائے خاصہ" اور دفعہ ۱۱۱ اور دفعہ ۱۱۲	۱۳۶
۱۷۔	دوسری فصل دستور کی دفعہ ۱۱۳ اسلامی طرز زندگی	۱۵۹
۱۸۔	تیسری فصل دستور کی دفعہ ۱۳۸، سود کا حاکم	۱۶۳
۱۹۔	چوتھی فصل، وفاقی شرعی عدالت، دستور کا حصہ، مضمون ۱۳ الف	۱۶۳

نام کتاب

کیا ہمارا آئین اسلامی ہے؟

مولف

شیخ الحدیث مولانا نور الدین صاحب دامت برکاتہم

تعداد

پانچ سو

تاریخ اشاعت

جون ۲۰۱۱ء

ناشر

مکتبہ مدینہ

- ۲۰۔ پانچ برس فصل دستور کا حصہ ہے، اسلامی احکام پر لکھ ۱۲ تا ۱۳  
 ۲۱۔ کتاب پڑھنے والے کو نہ بہات اور ان کے جواب  
 ۲۲۔ شرعی عدالت کا سونگ  
 ۲۳۔ کیا آپ اللہ کے شریک تپ کرنے کیلئے تیار ہیں؟  
 ۲۴۔ دین کی شرعی حیثیت

۱۷۹  
 ۱۸۰  
 ۲۰۸  
 ۲۰۹  
 ۲۳۰

### پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على رسولہ محمد وعلى آله وصحبه اجمعين .

یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے، حصہ اول کے آغاز سے قبل چند امور ذہن میں رکھنے ضروری ہے۔

دور جدید کی تعلیم اور ان کے نظام ہائے حکومت باعہم کوئی نہ کوئی دستور و آئین رکھتے ہیں خواہ پارلیمانی نظام ہو یا صدارتی حتیٰ کہ مارشل لا بھی کہ جس میں اظہار آئین یا اس کی بعض شقیں معطل ہوتی ہیں آئین کو بالکل ختم نہیں کرتا۔

موجودہ دور میں آئین کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے بالخصوص پاکستان میں، بات بات پر اس کے حوالے دئے جاتے ہیں حکومتیں آئین پر عملدرآمد نہ کرنے کے حوالے سے مطعون کی جاتی ہیں اسے ایک مقدس آسمانی صحیفہ سے زیادہ مقدس دیا جاتا ہے اس کی کسی ایک شق کی خلاف ورزی پر بھی کیا صحافی، کیا سیاستدان، کیا عدلیہ اور کیا پارلیمان سب ہی ہبک زبان چبھ اٹھتے ہیں۔ قرآن کریم کے کئی احکام پاؤں تلے روند دیے جائیں، پرواہ نہیں مگر ضرور آئین کی کسی شق کی بھی خلاف ورزی ہو تو قلم سے لیکر ترازو تک سب حرکت میں آجائے ہیں ایک شور مچاؤ جاتا ہے۔

دور قدیم کی سلطنتیں اور حکومتیں آئین نامی کسی چیز سے آشنا نہ تھیں سوائے مشہور زمانہ منسکر چنگیز خان کے کہ جس نے "یاق" نامی آئین تشکیل دیا تھا اس کی اور اس کی اولاد کی حکومت "آئین" ہونے کے باوجود ظلم و ستم میں ایک منسوب الخلل بن چکی ہے۔ حتیٰ کہ خلفائے راشدین بلکہ ہدایت خرد نبی

کر یہ کہ حکومت آئین نامی شی ہے؟ آتشباری۔

ان سے پہلے حضرت سیدنا یوسف، سیدنا داؤد و سیدنا سلیمان اور حضرت طاہر علیہم السلام کی حکومتیں بھی آئین نامی کسی تحفظ کے وجود سے خالی رہیں، خلافت بنو امیہ و بنو عباس میں بھی آئین کا نام و نشان نہیں ملتا۔

دراصل مسلمانوں نے قرآن کریم اور سنت نبویؐ کے بعد کسی آئین کی خلافت ہی مخصوص نہ کی۔ اور ان تمام حکومتوں میں کسی عوام کے بنیادی حقوق کو کوئی خطرہ و دشمنی نہیں ہوا مثلاً دین و دار و واقعات کے علاوہ عوام کی جان، مال عزت و آبرو محفوظ رہے اور ان شاذ و نادر واقعات کا بھی فوری نوٹس لیا جاتا انصاف سنا بنا امتیاز، برداشت اور ہر جگہ میسر تھا مگر جب سے دنیا میں آئین نظام حکومت کا جز بنا ہے اگرچہ اسے مملکت اور عوام کے درمیان کیا ہوا عوام کے حقوق کا ایک محافظ معاہدہ سمجھا جاتا ہے مگر ہمیشہ سے اس کی ایک بے جان لاش سے زیادہ کی حیثیت نہیں رہی۔

تاہم دیکھیں طور ان پر کسی ملک کی حیثیت جاتا ہے کہ ملک جمہوری ہے، پارلیمانی یا صدارتی وغیرہ وغیرہ۔ مسلم ممالک میں بھی کئی ایسے ہیں جہاں آئین تشکیل دے گئے مگر وہ آئین ان کے قری مزاج سے ہم آہنگ نہ تھے عوام مسلمان مگر ان کے آئین تشکیل کرنے والے اسلام سے لاعلم ہونے کی وجہ سے آئین کے دفعات اسلام سے متضاد ہوئے۔

مثلاً ہمارے ملک پاکستان کی تشکیل کے بعد کسی مرتبہ آئین سازی کا عمل دہرایا گیا مگر کوئی بھی آئین مولفہ اسلامی احکام کا آئینہ دار نہ بن سکا۔

۱۹۷۳ء کا آئین جس کے بارے میں بہت شور و غوغا رہا کہ یہ واحد حلقہ اسلامی آئین ہے قرآن و سنت سے متضاد تمام آئین کے خاتمہ کا ضامن ہے۔

مگر جب اس کا بار یک جہتی سے جائزہ لیا گیا جیسا کہ آپ کے ہاتھوں میں موجود کتاب میں لیا گیا ہے تو اس کی اصل حقیقت واضح ہوئی کہ یہ محض ایک فریب نظریہ کے سوا کچھ نہیں۔

تجربہ تو یہ ہے کہ یہ نظریہ آئین کوئی کے کاربنامہ کی تصدیق و تصویب سے کیسے بنا؟

یہ آئین جنوں اور دکلاؤ کے علاوہ سب کی سمجھ سے بالاتر ہے، اگر حضرت اہل بیت علیہم السلام کی خدائی صاحب دامت برکاتہم اس آئین میں غور و فکر کر لیتے تو اس کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کو پشت از باہم کہہ سکتے تھے مگر شاید یا تو ان کو سطلانہ کی فرصت نہیں ملی یا پھر ان کا اس طرف خیال نہیں گیا حالانکہ اس آئین سے انکا تعلق بلا واسطہ نہ کسی بلا واسطہ مگر تعلق نہ کیا کہ اسلامی عسکری عدالت میں ایک غرض ملک رنج رہے اس آئین میں جتنی وزارت اسلام کے نواہ سے ہیں وہ سب کی سب، دُریب اور حوکہ چھٹی ہیں قلم آئین میری اس بات پر ہرگز حیران نہ ہوں ان شاء اللہ انکس اس کتاب کے نفاذ سے چند جمل جائے گا۔

حیرت بالائے حیرت یہ ہے کہ ۱۹۷۳ء کے آئین کا بڑے بڑے اکابر و علماء اور ان کی پیروی میں عوام آج تک اسلامی دستور دیکھتے رہے حالانکہ اس کی دفعات اور شقیں درواقع اسلام کے مطابق ہیں نہ احکام و مزاج کے۔ آپ کے ہاتھ میں موجود یہ کتاب امت مسلمہ کے لئے ایک الہامی تحفہ سے کم نہیں۔

کتاب کی ترتیب میں انتہائی احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔

اگر کسی چیز کا رد ہے تو اہل قیام اور راجح بہرہ سے جن سے موجودہ آئین کا اصلی چہرہ اور حقیقی ماہیت دنیا کے سامنے نمایاں ہو جاتی ہے اور ہمارے حکمرانوں و قانون سازوں سیاستدانوں اور پیشوا اعلیٰ ممبران کا قوم کو اس آئین کے اسلامی دستور باور کرنے کی حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے۔

درب ذوالجلال سے دعا ہے کہ اس کتاب کو ہر پوری امت کے لئے نافع اور باعث شعور و اور ہم سب کے لئے ذریعہ اور وسیلہ مضامین الٰہی بنائے۔

شرف الہدی جہارا خلی

۱۷ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ

2011.3.3ء

کیا حار آئین اسلامی ہے؟

(۳) انٹرویو دینا (۳) مظاہرہ کرنا (۵) احتیاجی مجلس نکالنا (۶) احتیاجی جلسے کرنا (۷) رہبر دینا (۸) لاگت مارچ (۹) ہزائیں کرنا (۱۰) سوشل بائیکاٹ کرنا (۱۱) استقبال، دعوتیں، اظہار پادشایاں، میدان پادشایاں، رعشائے وزیرانہ وغیرہ، یہ سب طریقہ اعلیٰ سے لئے گئے ہیں۔

اس کام طریقہ کار کے ذریعہ یہ ہماریس تو آئین پاکستان کو اسلامی آئین بنانے میں کامیاب نہیں ہو سکتی تو اس ملک کو اسلامی ملک بنانا اور اس میں اسلامی نظام قائم و دائم کرنا تو ممکن ہی نہیں ہے۔ (ایں خیال است محال است جنوں)۔

ان قائدین کی خدمت میں اگر کوئی یہ گزارش کرے کہ یہ طریقہ کام سے کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہئے اس آئین کو اسلامی آئین بنانے کے لئے اور اس ملک کو اسلامی ملک بنانے کے لئے اور اس میں اسلامی نظام قائم و دائم کرنے کے لئے تو ان ہمتوں کے قائدین جواب فرماتے ہیں کہ ہماری جدوجہد پر اس ہے اور اس کا بھی طریقہ یہ ہے ہمارے قائدین کو پختہ سالہ ناکہ کا تجربہ نظر انداز فرما دیجئے ہیں، مندرجہ ذیل چند طور میں ہم یہ عرض کریں گے کہ اسلام اور اسلامیات کا نظام کبھی بھی پر اس طریقہ سے قائم ہو اور نہ نافذ، بلکہ تجربہ شاید یہ کہ کفر اور کفریات کا نظام پر اس طریقہ سے قائم و نافذ ہو سکتا ہے اس کی دلیل کے طور پر ہم صاحب تکلف ہیں کہ حافظ محمد صاحب کا ایک مضمون کچھ اختصار کے ساتھ تاظرین کے سامنے پیش کیا جائے اور یہ ہے۔

حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ مغربی تہذیب سب سے پہلے نگاہ پر عیسائیت اور ہوتی ہے نگاہ دارہ ہو جائے تو انسان عیسائی اور کی میں جتا ہو کر شرف انسانیت سے گر جاتا ہے اور حیوانوں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے مغربی تہذیب جو کہ آزادی کے نام پر ہائی اور کفری جتنی آزادی پر بیخ بونی ہے مغرب جس رنگ میں خود رنگا ہوا ہے عالم اسلام کو اسی رنگ میں رنگنا اس نے اپنا طریقہ طرہ لیا ہے وہ ہاتھ سے کراچی سازخوں کو پائے پچھیل تک پہنچانے کے لئے مسلمانوں کو سب سے پہلے ایمان سے محروم کرنا ضروری ہے، ایمان سے محرومی کی سب سے پہلی سیریز نگاہ کی ناپاکی ہے، نگاہ ناپاک ہو جائے تو اگلے مرحلے آسان ہو جاتے ہیں۔

## حرف آغاز

پاکستان اور پاکستان کے آئین کے متعلق کروڑوں اہل وطن کی خوش چینی اور اس کے اسلامی ہونے کے یقین ہونے کی وجوہات۔

(۱) ہماری دینی و مذہبی، سیاسی جماعتوں کے قائدین کا اس کو اسلامی آئین کہنا، اسی لئے اس کو اسلامی بنانے کے لئے کوئی جماعت تحریک نہیں چلائی۔  
(۲) یہی جماعتیں اس آئین کا تحفظ بھی کرتی ہیں، مثلاً ہمارے مذہبی قائدین فرمایا کرتے ہیں کہ حکومت یا کسی اور کا یہ اقدام آئین کے خلاف ہے، ہم اپنا نہیں کرنے دینگے، مگر آئین کی حفاظت ہمارا فرض ہے۔

(۳) عوام کا یہ خیال، کہ کئی نظام اس آئین کے مطابق چل رہا ہے اور صحیح چل رہا ہے، اور اس میں خوفزایاں ہیں، وہ ان کو نظر نہیں آتی جہالت یا پھر معاشی اور دیگر کوتاہیوں، الجھنوں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے۔

(۴) اہل وطن کی حفاظت دلا پرانی کی وجہ سے یہ حضرات نہ اس آئین کا مطالعہ کرتے ہیں اور نہ ہی اس میں غور و خوض۔

(۵) اس ملک اور اس کے آئین کے اسلامی بنانے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہر دینی کفریہ قوتیں ہیں، اور ہمارے فکروں اور سیاست دان سب کے سب ان کفریہ ہر دینی طاقتوں کے سامنے جھکنے اور کئے کو مذہب سمجھتے ہیں اور نہ ہی یہ فہمی، ہماری دینی و مذہبی سیاسی جماعتوں کا چارہ سالہ سے ایک ہی تحریک کا مظاہرہ کیا ہے جس کی چند صورتیں ہیں:-

(۱) اپنے اپنے اجلاسوں میں قرارداد پاس کرنا (۲) پریس کانفرنس کرنا

یہ ہے مغرب کی اخلاقی سحران اور نظائر سے کہ مسلم معاشروں کو بھی اسی رنگ میں دیکھنا چاہتا ہے، ہم جس چیز کو فاشی، امریائی، نازی، تاتاری، سمیر کر کے ہیں اسے جدید دور کی زبان میں لطافت اور کچھ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

مغرب کے ماور پڑاؤ اکثر کچھ کو فروغ دینے اور معاشرے کو گھسی دہانے میں مستعد ہیں ذرائع قابل ذکر ہیں۔

(۱) ریڈیو، (۲) ٹیلی ویژن، (۳) اخبار، رسائل، (۴) انجمن (۵) سیکس سے بھر پور کتابیں، ٹول، اسٹائلس (۶) ٹیلی ویژن پر پیشہ اشتہارات، سائنس بورڈز (۷) سوشل فون، مختلف سوشل کمپنیوں کے سینے بیک (۸) ٹی وی ڈرامے، اور اسٹیج ڈرامے (۹) ٹیلی ویژن گائے (۱۰) فلم (۱۱) سیکورٹو تعلیم، تعلیم، تعلیم، تعلیم اور (۱۲) انٹرنیٹ، کمپیوٹر۔

یہ تمام ایسے ذرائع ہیں جن سے ہمارے معاشرے کے ہر فرد کو کسی نہ کسی طور سے واسطہ پڑتا ہے، آپ راہ محل سے ہیں، آپ کچھ ایک بے ہودہ سائنس بورڈ آپ کی نگاہوں کے سامنے آ جاتا ہے، آپ گلیاں پھیر لیتے ہیں، گھر تو آگے چلتے ہیں تو ایک اور سائن بورڈ پہلے سے زیادہ جوش تصویر کے ساتھ آسمان پر ہوتا ہے، ڈار آگے چلتے ہیں تو دیباہی، منظر ہوتا ہے اس طرح دن میں دیکھیں سرجہ ایسے سنا کر سامنے آتے ہیں اور کہیں نہ کہیں آپ نظر بھر کر ان تصویروں کو ضرور دیکھ لیتے ہیں۔ یہی مودتہ ہوتا ہے جب شیطان کو اپنا کام کھانے کا موقع ملتا ہے۔

فی زمانہ کمپیوٹر اور انٹرنیٹ سب سے بدترین آلات ہیں۔ جو انسان کو اپنے جال میں پھنسانے بغیر نہیں رہے۔ بڑے بڑے پارسیاں کو اس مقام میں نگاہ دیکھا گیا ہے اس لئے کہ یہ بظاہر سب سے محفوظ آلہ ہے، جو انسان کی دوسری میں رہتا ہے اور اکثر اوقات کوئی دوسرا دیکھنے والا نہیں ہوتا، ایسے میں شیطان آکھاتا ہے اور انٹرنیٹ کے سمندر میں موجود جوش سائینس کھولنے پر مجبور کرتا ہے یہی سہاٹی کا آغاز ہوتا ہے اس لئے کہ ان سائینس پر انسان دو سب کچھ سمجھتا آسانی سے دیکھ لیتا ہے جس کا وہ ایک پاکیزہ معاشرے میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا، اور نہ ہی اس کا دین و اخلاق اس کی مہارت

دیتے ہیں۔ مغرب کی طرف سے مدارس دینے میں کمپیوٹر کی تعلیم عام کرنے کا دباؤ اور دوا اس لئے بہت زیادہ رہتا ہے کہ وہ جانتا ہے۔ اس ذریعہ سے امت کے صالح طبقے کو بھلا دینا ہے آسانی ہے، آپ جانتے ہیں کہ دل اور گھٹا پاک ہو جائیں تو علوم نبوت کی توسیل قلوب تک رسائی ہو جاتی ہے۔

انسان الفاظ کو بڑھ لیتا ہے لیکن علوم نبوت کی حقیقت دل میں نہیں اترتی۔ کاش کہ افکار اعداد اس امر سے کہ اگر باب اختیار اس حقیقت کو جان لیں اور مدارس کو کمپیوٹر زدہ کرنے کے بجائے کمپیوٹروں سے پاک کرنے کی کوشش کریں۔

مسلم معاشرے کو فاشی و امریائی میں جکڑا کرنے کے مختلف ذرائع ان کے غاورد اور بھی ہیں مثلاً:-

(۱) بیوی یا راز۔

ذرائع و ہمارے ہر عورت کے ذہن میں بٹھا دیا ہے کہ وہ بھڑی بھڑی ہے جب تک بیوی پار کا رخ نہیں کرے گی وہ قبول صورت نہیں ہو سکتی خوبصورتی کا اتنا چرچہ پکینڈو کیا گیا کہ آج بڑے بڑے ذہنی گھرانوں کی عورتیں بھی بیوی پار کا رخ کرتی نظر آتی ہیں۔ بظاہر بیوی پار زخمیہورنی آرائش و زیبائش کے مرکز ہیں، مگر دور پردہ و ناکے آؤ ہے ہیں۔ اکثر بڑے نامور بیوی پار زخمیہورنی ہوتے ہیں جن کے مضبوط ہاتھوں کے ذریعے عورتیں فیصل، فیض، مساج، ہاؤس مساج کے محل سے گزرتی ہیں۔ ان پار زخمیہورنی ایسی کامیاب سٹیکس استعمال کی جاتی ہیں جو تمام اہلحد کے درجے میں ہوتی ہیں۔ بیوی پار زخمیہورنی عورتوں کو غیر معمولی طور پر متاثر کر رہے ہیں اور انہیں اسلام سے بچا نہ کر رہے ہیں۔

(۲) ملبوسات کچھ۔

معاشرے کو گھسی دہانے کا ایک نہایت مؤثر اور اہم ذریعہ ملبوسات ہیں۔ لباس انسان کی شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ دنیا و قیام سے وابستہ ہے لیکن مسلمان عورتوں کو ان لباس سے محروم کرنے اور مردوں کا مرکز نگاہ بنانے کے لئے اس ذریعہ سے زوردار کوششوں کا آغاز پچھن سے ہی کر دیا جاتا ہے۔ چھوٹی محصوم بچیوں سے لے کر سیدہ سیدہ سال کی بچیوں کے پڑنے کی ملبوسات ایسے ہوتے ہیں

جو شرب انسان کی نگاہ میں بھلا دیکھنے کے لئے کافی ہوتے ہیں، اس سلسلے میں مختلف تقریبات منعقد کی جاتی ہیں۔ فشن شوز منعقد کئے جاتے ہیں، جہاں نیم عریاں نوجوان عورتیں بے تنگ لباس پہن کر مردوں کے سامنے کیٹ، واک (پلی کی چال) کرتی ہیں۔ بعد میں ان کی تصاویر اخبارات اور رسالوں و ہر نامہ میں شائع کی جاتی ہیں۔

### (۳) کچل بول شوز کا انعقاد:-

مردوں کو آپس کے سکے اٹھا کر کا موقع فراہم کرنے کے لئے کچل بول شوز بھی منعقد کئے جاتے ہیں جہاں ڈرامے، گانے، فشن طائفہ پر مبنی پیش کئے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ کچل بول شوز میں نوآموز لڑکوں کو بھی دعوت دی جاتی ہے، تاکہ وہ اپنی بے باکی کا مظاہرہ کر سکیں۔ اس طرح کے پروگراموں میں بڑے لڑکے کو جہازت ہوتی ہے کہ وہ حصہ لے سکے۔ اس طرح کے پروگراموں کے انعقاد کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ نوجوان طبقہ گناہ کا احساس سے عاری ہو جائے اور حرام امور کو اپنی زندگی کا لازمی حصہ سمجھ کر قبول کر لے۔

### (۴) جنسی تعلیم:-

مسلم معاشرے کو بے راہ رو کرنے اور اسے دین و اخلاق اور دنیا و دھرم سے بے گناہ کرنے کا ایک طریقہ جنسی تعلیم کا بھی ہے۔ پاکستان کے بڑے شہروں کے بعض فنی تعلیمی اداروں میں اس کا آغاز کیا گیا ہے، اس تعلیم کا مقصد خیر کی راہ سے نہیں بلکہ غلط تعلیمی نظام میں لڑکے کی کا تعلق قائم ہو جاتا ہے، اور بسا اوقات اپنی نا تجربہ کاری کے باعث والدین کی بدنامی کا سبب بنتے ہیں، اس کے سدباب کے لئے انہیں غلط جنسی تعلقات کے طریقے بتائے جاتے ہیں۔

### (۵) شراب خانے:-

شراب ام المیائے عیسیٰ مسلمانوں کا اور اپنی عقیقہ جس کا شکر انوں اور سرہانہ داروں سے تعلق ہوتا ہے، تقریباً اس کا رسیا ہے لیکن عوامی سطح پر، پیپلے اس سلسلے میں سرگرمی نہیں لیتی، عیسائی، ہندوؤں میں

اکا کا شراب خانے ہوتے تھے۔ لیکن اب بذل کا اس محلوں میں بھی شراب خانے کھل رہے ہیں۔  
(۶) موبائل فون کا کچل بول:-

جب سے موبائل فون آیا ہے شیطان تو فوں کو مسلم معاشرے میں نقب لگانے کا آسان موقع فراہم ہوا ہے، اس موبائل فون نے کتنے ہی گھرانوں کو اجاڑ دیا ہے اور یہ کتنی ہی پاک دامن بھولی بھالی بچیوں کی عصمت کو تار تار کر چکا ہے، موبائل کمپنیوں کے لیٹ نائٹ ٹیکس اس سلسلے میں نہایت مہلک ثابت ہوئے ہیں۔ اس کے سوا ایک نتائج کا اندازہ اس سے لگائے کہ ایک مرتبہ جناب اسماعیل کی ایک خاتون رکن اسمبلی نے موبائل کمپنیوں کے سسٹم ٹیکس کے نتائج پر گفتگو کرتے ہوئے سرکاری سطح پر پابندی لگانے کا مطالبہ کیا، موبائل فون نے بد معاشر اور شیطان صفت لوگوں کو نہایت شریف گھرانوں کی بچیوں تک رسائی کا آسان موقع فراہم کیا ہے، موبائل فون پر جب کوئی ورنہ بھولی بھالی بچی کو سہانے خواب دکھا کر درغلطا ہے تو اسے اپنے ہدف تک پہنچنے میں دیر نہیں لگتی۔

### (۷) ٹی وی کیا پیش کرتا ہے؟

پچھلی سطحوں میں جتنے بھی امور ذکر کئے گئے، ان سب کا استاذ اگر ٹی وی کو کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا بلکہ جس طرح شراب ام المیائے عیسیٰ کی طرح ٹی وی اور ابوالعاصی ہے، ٹی وی انسان کے اخلاق و کردار کو بگاڑنے اور راضی ہے، اور راضی میں جتنا کہ میں نے ہم کردار ادا کر رہا ہے، ٹی وی پر فشن ڈرامے، گانے بجانے کے پروگرام، ٹی وی پر آنے والے اکیلا شوز، مباحثے، ریسے، ڈیل تعلق کا فائدہ پیش کرتے ہیں، ٹی وی کی اسکرین پر آنے والی مختصر لباس میں عریاں عورتیں، ڈراموں میں ذمہ داری، فشن طائفہ، گانے اور گھٹیا کرداروں جو ان سب کو تیار کر رہے ہیں، مختلف ٹاک شوز میں ہونے والے بحث و مباحثے نے تہذیب و اخلاق کا جنازہ نکال دیا ہے، بعض ایسکرپٹ وین و ڈب کے بارے میں ایسے سوالات اٹھائے ہیں جن کا مقصد سوائے ناظرین کے نلوں میں فحش و شہوات بھیلانے اور انہیں ارتداد کی طرف راہنہ کرنے کے اور کچھ نہیں ہوتا۔

ریلی پورے معاشرے کو کیا دیا؟



جس کی وہی نہیں تھا یا تو دی عام نہیں ہوا تھا تو یہ جو نہایت قیمتی آلہ شمار کیا جاتا تھا،  
یہ لوگوں کا بل قوتوں سے اپنے پر و پیکڑ سے کے لئے خوب استعمال کیا، یہ یوں کے ذریعے خبریں منظم  
کرنے ایک جڑی ناکہ ہے لیکن جو نہیں سمجھنے کے دوران: کیا جائزہ لیا جائے۔

تو یہ جو فنی شیخیلے ہائے ایک زبردست آلہ ہے، پچھلے کئی سالوں سے اعلیٰ اہم رہیہ جو جتنو  
نے معاشرے کو گارتے میں جو کردار ادا کیا ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں، بعض رہیہ جو جتنو اسلامی  
پر و گروں کا حق کار کا کہنے آپ کو اسلام پسند بنانے کی کام کوشش کرتے ہیں گردن ہمر کے شیلہ دل  
میں گائیوں کا حساب زیادہ ہوتا ہے خون کار زخمین میں زیادہ تر لڑکیاں ہوتی ہیں اور رہیہ جو بیزبان سے  
جس قسم کی کپ شپ کرتی ہیں اسے شخص سنے کے لئے حوصلہ پائے، مخصوصا لیت نامہ گفتگو میں تو  
اطلاق و قسم کی تمام حدیں پار کر دی جاتی ہیں، اور محمدیوں سے کہ شیطان نکاح باج رہا ہے۔

مذکورہ بالا کفر و کفریات اور گمراہیاں نہایت ہی اس وسوسوں کے ساتھ بلا کسی مزاحمت و تضادم  
کے نیا کے ہر شخص کے دل کو ذرا تک پہنچانے گئے اور ان کفریات اور گمراہیوں کے ذرائع دوسراں کے  
ابجا و اشاعت میں کسی قسم کی رکاوٹ پیش نہیں آئی لیکن کسی ملک میں اسلامی نظام کا قیام و نفاذ مذکورہ  
بالا اور ہر اسن طریقہ سے ناممکن ہے جس کا چیلہ سار طویل امدت سے تجربہ شام عدل ہے البتہ اس کے  
لئے دوشراں میں ان کو ٹھوکر کھار کر کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔

(۱) یہ جماعتیں ابھی نہایت پر اسن طریقہ تبدیل کر کے اپنے اسانی اور بنیادی مقاصد کے  
لئے تحریک شروع کر رہی ہیں۔

(۲) ادنیٰ کارکن سے لیکر مرکزی قیادت تک اعلیٰ کے ساتھ اسلامی نظام کے قیام و نفاذ  
اور اس ملک کو اسلامی مملکت بنانے اور اس ملک کے آئین کو اسلامی آئین بنانے کی تحریک عبادت سمجھ کر  
شروع کر دیں، آج تک دیکھنے میں یہی آیا ہے کہ سیاسی جماعتوں کے کارکن آجیں میں گروپ بندی  
اختلافات اور بغض و حسد اور گمراہی میں جتا ہو کر ایک دوسرے کی نفیبت ایک دوسرے کے خلاف  
پر و پیکڑ سے اور گمراہانہ گفت بہ حالات میں جتا اور مصروف رہتے ہیں یہ اختلافات کبھی مہمروں کی وجہ

سے کبھی چندوں کی بنیاد پر کبھی مرکزی قیادت سے تعلقات اور کبھی بیرونی شہرت کی وجوہات پر ہوتے  
ہیں، اگر یہ کارکن ان تحریکات کو جی تحریک اور اسلامی نظام کے قیام و نفاذ کی نیت سے عبادت سمجھ کر  
چلائے تو ان میں یہ جھگڑے اور پارکاری و کارامی اور ملحد سازیاں نہ ہوتی اور نہ تھوکرشی کے خواہش  
مند ہوئے مذکورہ بالا طریقہ سے اس کام طریقہ کار کا ایک نقصان یہ ہے کہ ان کے کارکن وہ قادیان اپنی  
جیب سے بالوں کوں سے چندہ خرچ کر کے ان کے پیسہ سالوں میں ماریوں و دپے ضائع کر چکے ہیں لیکن فائدہ  
مصرف نہ کیا، ان رقعات کے متعلق اللہ شہان قیامت میں سوال نہیں فرمائینگے؟ ضرور!

۱۹۹۷ء کے آئین کے مطالعہ سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ اس کو مکمل سمجھنا صرف پنج حضرات  
اور اعلیٰ عدالتوں کے چوٹی سے دکھا، کا ہی کام ہے لیکن ان کا مطالعہ آئین کی، لغات کی روشنی میں کیسوں  
اور مقدمات کے فیصلوں تک محدود رہتا ہے قرآن و حدیث کی روشنی میں اور ان کا مشعر یہ کہ ساتھ موازنہ  
اور یہ فیصلہ کر کہ یہ آئین اسلامی ہے یا نہیں؟ یہ ان حضرات کی بس نہیں ہے اور نہ ہی ان کے فرض  
مضبئی میں شامل ہے، بلکہ یہ کام رہیہ جماعتوں کے قادیان میں اور اس ملک کے جدید علماء کا ہی کام ہے، ان کو  
چاہئے کہ قرآن و حدیث کے ساتھ اس آئین کا موازنہ اور اس کی تعلیم، انھوں کے ساتھ کر کے فیصلہ  
قرمائیں کہ یہ آئین اسلامی ہے یا غیر اسلامی!۔

اس آئین کے اسلامی ہونے نہ ہونے کی تحقیق پاکستان کے ایک عالم دین مشہور مفتی قتی  
ملانی مدظلہ العالی کا کام تھا اور اس کی خوب تحقیق کر سکتے تھے اور ان کا اسلامی اس آئین سے کچھ نہ  
سمجھ تھا، کیونکہ وہ اسلامی شریعت عدالت کے چھپ جنس کافی عرصہ تک رہ چکے ہیں، لیکن یہ نہیں انہوں  
نے اس آئین پر غور نہیں کیا، یا تو اس لئے کہ وہ عدم الطرمت تھے اور یا اس طرف انہوں نے توجہ  
نہیں فرمائی۔ واللہ اعلم، ان کے علاوہ کوئی اور راہبش حجاز سے علم نہیں ہے کہ پاکستان کے آئین کو کچھ  
سمجھ سکتے اور اس کے اسلامی اور غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کر سکتے۔

اب انگریز ہم اپنے ڈھکی چھکیوں کے قادیان و قادیان کی خدمت میں نہایت ہی  
عاجز اور گمراہانہ کرتے ہیں کہ سرزمین پاکستان جس کو قریباً پچیس سال ہو چکے ہیں لاگوں مسلمانوں کی

قربانوں کے عوض حاصل کیا گیا تھا کہ راستہ اسلام کا قلعہ بنایا جائے لیکن آج تک نہ صرف اسلام اور نظام خلافت کے قیام اور نظام شریعت سے محروم ہے بلکہ یہ اسلام اور نظام شریعت کے خلاف ہر پیکار ہے آج پوری ریاست پاکستان جو اہل بین عالم کے خلاف طاغوت اکبرامیکہ کی فرزند لائن اتحادی ہے۔ وہ چیز جس کو آج اسلامی شخص کا نام دیا جا رہا ہے وہ اسے کوئی فرقہ کے اور کچھ نہیں وہ ریاست جس کو واحد اسلامی ریاست کہا جاتا ہے، ان ہی دنیاویوں پر قائم ہے جو مغربی تصور ریاست کی فراہم کردہ ہیں، اور اس کا دستور خود اسلام سے متصادم اور نظام شریعت کی راہ میں حائل ہے، ہمارے قائدین اور اس ملک کے لیڈے والے علماء، بالخصوص اچانطریہ کا رد بدل کر کے اس آئین کو اسلامی بنانے اور اس ملک میں نظام خلافت اور اسلامی نظام قائم کرنے کے لئے مستعد ہو کر کوشش شروع کر دے تو کامیابی سو فیصد ممکن ہے واللہ آپ کا دنیا و آخرت میں حای و ناصر ہو۔

اب میں اس کتاب کے متعلق دو چار گزدارشات پیش کرنا چاہوں گا:-

(۱) یہ کتاب ڈاکٹر احسن الفتواہری حفظہ اللہ اور مسجد نبوی کے اور جامعہ اسلامیہ کے مدرس اور مشہور مفسر ابوبکر جابر الجرارہ کی کی تحقیقات پر مبنی ہیں،

(۲) ہندو نے ان ہی حضرات کی تحقیقات کی روشنی میں دستور اسلامی کے نام سے ایک آئینی کتاب مرتب کی ہے، یہ کتاب عربی میں ہے، لیکن دستور پاکستان پر تنقیدی جائزہ کے بعد اس کا اردو ترجمہ شامل کیا گیا ہے، ترجمہ میں کچھ غلطیاں اور کچھ عبارات کا ستم بیہنا نظر آئے ہیں لیکن اصل مقصد کو نظر رکھنا چاہئے نہ کہ اس کے الفاظ اور عبارات کو۔

(۳) اس آئینی کتاب کے متعلق ہندو کا دعویٰ نہیں ہے کہ یہ کچھ اسلامی آئین ہے لیکن اس کے اندر جتنی دفعات درج کئے گئے ہیں الحمد للہ وہ سب کے سب دفعات اسلامی ہیں اور اسلامی آئین موجب کرنے والوں کے لئے ایک خود ضروری ہیں۔

(۴) یہ تنقیدی کتاب ایک مقدمہ میں ابواب اور اختتام پر پیشکش ہیں اور اس کتاب کے تمام مصادر و مراجع بھی ساتھ ساتھ درج کئے گئے ہیں تاکہ اس کتاب کے مطالعہ کرنے والوں کے لئے

آسانی ہو اور کتاب مستند ہو جائے، واللہ الحمد۔

### تشیعہ

ہماری اس تحریر تحقیق کا تعلق صرف ان دفعات سے ہے جن کا تعلق احکام فقہانیہ اور قانون سے ہے، باقی دینی و دفعات جن کا تعلق انتظامی امور مملکت سے ہے، ان کی طرف نہ ہم نے کوئی تھارش کیا اور نہ اس کی ضرورت ہے، کیونکہ وہ جو بیٹھ بدلتی رہتی ہے وہ سیاست کے ذریعے متباعد اور محل اور حالات کے تقاضوں کے پیش نظر۔

اللھم اونا الحق حقا وارزنا اتباعہ وارونا الباطل باطلا وارزنا احتسابہ اللھم اونا الانبياء كما همی !

### آغاز مقصد

اب ہم مشہور محقق قائد جامعہ بین شیخ احسن الفتواہری حفظہ اللہ کی کتاب ”پہلے، بحر اور فقہانہ تا چراغ“ کی مکمل عبارت انتباہات طریق کے سامنے پیش کر رہے ہیں:-

مسئلہ محض حکمران طبقہ کا ہے..... یاد دستور اور ریاست بھی غیر اسلامی ہے؟ اس مسئلے کے نتیجے میں مجھے اپنے مذکورہ بالا سوالوں کا جواب بھی مل گیا۔ میں پوری بصیرت کے ساتھ اس نتیجے پر پہنچا کہ پاکستان ایک غیر اسلامی مملکت ہے اور اس کا دستور بھی غیر اسلامی ہے، بلکہ اسلامی شریعت کے ساتھ کی اسلامی اور خطرناک تقاضات پر مبنی ہے۔ نیز مجھ پر یہ بھی واضح ہوا کہ پاکستانی دستور بھی اسی مغربی ذہنیت کا پیداوار ہے جو جو اس کی حکمرانی اور تمام کے حق قانون سازی کے نظریے پر مبنی رہ گئی ہے، اور بلاشبہ یہ نظریہ اسلام کے عطا کردہ عقیدے سے صراحتاً متصادم ہے۔

”قومی ریاست“ کا مغربی تصور

مغرب کا سیاسی نظام ”قومی دہی ریاست“ (nation-state) کے نظریے پر قائم ہے۔

اور اس نظریے پر قائم ہونے والی ریاست کی تمام تر دوز و صوب کا گھورا ایسے وطن میں بسنے والی قوم کے مفادات کا تحفظ اور اس کے لیے زیادہ سے زیادہ دینی فوائد و منافع کا حصول ہوتا ہے۔ یہ وطنی ریاست قومی اکثریت کی رائے کے ساتھ اصول و عقیدے اور اخلاق و اقدار کی پابند نہیں ہوتی، چیزوں کو عطا و احترام قرار دینے سمیت ہر قسم کی قانون سازی کثرت رائے کی بنیاد پر کرتی ہے اور وطنیت کو ہی معیار بناتے ہوئے انسانوں میں تفریق روادار ہوتی ہے۔

### ”خلافت“ کا اسلامی تصور اور اس کی بنیادیں

مغرب کا عطا کردہ یہ سیاسی نظام اسلام کی سیاسی نظام سے یکسر مختلف اور اصولی اعتبار سے اس سے متضاد ہے۔ اسلام کا عطا کردہ نظام خلافت جس کا تصور و تصور پر کھرا ہوتا ہے ان کا ایک مختصر سا تذکرہ ذیل کی طور میں کیا جا رہا ہے:

(۱) عقیدہ توحید

اسلام کا عطا کردہ نظام سکرانی توحید کے الہامی عقیدے پر مبنی ہے اور شاہد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ عَلَّمْنَا لِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا لِّانِشُرَ الْإِسْلَامَ فِي الْأَرْضِ مُلْكًا وَلِيُخْلِفَ فِي الْأَرْضِ الْغَالِبِينَ﴾ [الحج: ۳۲]۔  
 ”اور ہم نے ہر امت میں ایک پیغمبر بھیجا (اس پیغام کے ساتھ) کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اعتقاد کر دو۔ پس ان میں سے بعض تو ایسے ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی اور بعض پر گمراہی ثابت ہوگئی۔ سو زمین پر چل پھر کر دیکھو کہ جہلائے والوں کا کیا انجام ہوا۔“

(۲) غیر اللہ کی بندگی سے آزادی

اسلام کا عطا کردہ نظام تمام اصول پر قائم ہے کہ انسان کو انسانوں کی غلامی و بندگی، بلکہ اللہ

کے سوا ہر قسم کی غلامی سے آزاد کرایا جائے قرآن نے ہر علیہ السلام کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

﴿قَالَ إِنِّي أَنشَدْتُ اللَّهَ وَالشَّهَادَةَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ مِنْ دُونِهِ فَكَيْفَ بَرِيءٌ جَمِيعًا قَالُوا لَا تَنْظُرُونَ إِنِّي نَوَيْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَبِكَ مَأْنٍ دَابَّةُ الْإِسْلَامِ هُوَ﴾ [ہود: ۵۴، ۵۵]۔

”ہر علیہ السلام نے کہا: میں اللہ کو گواہ بنا کر ہوں اور تم بھی گواہ بنو کہ میں ان سب سے بیزار ہوں جنہیں تم اللہ کے ساتھ شریک مانتے ہو۔ پس تم سب اللہ کے حیرے خلاف مذاہر کرو اور مجھے ذرا مہلت دو، میں تو اس اللہ پر توکل کرتا ہوں جو میرا اور تمہارا رب ہے۔ زمین پر چلنے پھرنے والی تمام مخلوق کو اس نے پیدائشی سے پکار رکھا ہے، یقیناً میرا رب میرے راستے پر ہے۔“

اور ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے کہ:

﴿وَلَقَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءُكُمْ وَمِمَّنْ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحَدُّهُ﴾ [المنحج: ۴۳]۔

یقیناً تمہارے لیے ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا: بے شک تم ہمارے ہیں تم سے بھی اور جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ان سے بھی، ہم تمہارے منکر ہیں، اور جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لے آؤ ہمارے تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے لگلی دشمنی اور نفرت ظاہر ہو رہی ہے۔“

(۳) تمہارا ایک اللہ کی سست سوسنی

اسلام کے عطا کردہ نظام کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ بندگی کی ہر صورت اللہ ہی کے لیے خالص کی جائے، جس کا لازمی تقاضا ہے کہ ہر قسم کا گمراہی بھی جس اللہ رب العزت کی ذات ہو اور اللہ ہی کے سامنے کھل عاجزی اور ذلت اختیار کی جائے۔ پس فرمایا:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ

أَمْوَالُهُمْ حَبَالُ لَهِيبَةٍ [البقرة: ۱۶۵] .

"اور انہوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے علاوہ دوسروں کو اس کا شریک بناتے ہیں اور ان سے اللہ کی ہی عبادت کرتے ہیں، جبکہ ایمان والے تو سب سے زیادہ شدت سے اللہ ہی سے عبادت رکھتے ہیں"

اور فرمایا:

﴿قُلِ الْبَشَرُ لِمَا بَدَأَهُ رَبِّي الْحَقُّ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ اللَّهِ الْكَافِرَ ۚ سَوَاءٌ لَّيْسَ لَكَ مِنَ الْمَشْرُكِينَ فَلِإِنْ صَلَاتِي وَنَسْكَي وَمَحَابَّتِي وَمَعَابِي لِّلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۚ لَا شَرِيكَ لَهُ ۚ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُ مَنْ هُوَ لَأَقْبِرَ اللَّهُ إِلَيْهِ رَبِّهَا وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَسْزُورُ وَازِدْ وَزَرَ آخِرَىٰ هُمْ إِلَىٰ رَبِّكَ مِمَّا جَعَلْتُمْ مِثْلَهُ نَفْتِلُوكُمْ فِيهِ تَحْتَلِفُونَ﴾ [الأنعام: ۱۶۴، ۱۶۵] .

"تو کہہ دیجئے کہ بے شک میرے رب نے مجھے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دی ہے یعنی اس مستحکم دین کی طرف جو برابر ہم علیہ السلام کا طریقہ ہے، جو اللہ کے لیے یکسو تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔ آپ کہہ دیجئے کہ میری نمازیں، میری ساری عبادات، میرا چاہنا اور میرا سب اللہ رب العالمین کے لیے ہے، جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ مجھے ایسی بات کا قسم ہے اور میں سب سے پہلا فرمانبردار ہوں۔ کہہ دیجئے کہ کیا میں اللہ کے سوا کوئی دوسرا پروردگار تلاش کروں علاؤ اللہ وہی تو ہر چیز کا مالک ہے، اور جو کوئی عباد کا مگر ہے تو اس کا نقصان اسی کو ہوتا ہے، اور کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، پھر تم سب کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کرنا ہے، پھر جن باتوں میں تم اختلاف کرتے تھے وہ تمہیں ان کی خبر دے گا۔"

(۳) خلافت و نبیانت: مذکورہ حکایت

اسلام کے عطا کردہ نظام کی اساس اس بات پر قائم ہے کہ اللہ مالک الملک ہے آدم علیہ السلام

اور ان کی اولاد کو زمین پر خلیفہ اور نائب کی حیثیت دی ہے (یعنی حاکم مطلق) کی۔ پس ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَأَذَانًا لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً﴾ [البقرة: ۳۰] .

"اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا: بے شک میں زمین میں خلیفہ بنائے والا

ہوں۔"

اور فرمایا:

﴿بِذِئَابِ اللَّهِ جَعَلَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ

الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ﴾ [ص: ۲۶] .

"اے دلدادے! بے شک تم نے تمہیں زمین پر خلیفہ بنایا ہے، تو تم لوگوں کے درمیان انصاف

کے ساتھ فیصلے کرنا اور خواہشات کی پیروی مت کرنا کہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے ہٹا دیں گی"

(۵) مقصد زندگی:۔۔۔ عبادت رب کے ذریعے آخری کامیابی کا حصول

اسلام کا عطا کردہ نظام اس عقیدے پر کھڑا ہے کہ انسان دنیاوی طور پر اپنے رب کی عبادت

اور بندگی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِعِبَادَةٍ﴾ [الغالبات: ۵۶] .

"اور میں نے جنوں اور انسانوں کو ایسے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں"

اس نظام کی توجہ دہی یہ ہے کہ اس حیات مستعار میں انسان کا اصل مقصد رب کی رضا اور

آخری کامیابی کا حصول ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿كُلُّ نَفْسٍ رَّآئِنَا لَافِتَةٌ وَلَئِنَّا لَمُخَوِّفُونَ أَجُورَ الْفَاسِقِينَ﴾ [الزمر: ۱۸۵] .

النار رآه كل الجنة فقد فاز وما الخلوقة الدنيا الا مناج الغرور﴾ [آل عمران: ۱۸۵] .

"ہر ہی روح کو موت کا سزا چھٹتا ہے، اور قیامت کے دن تمہیں اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ

دیا جائے گا جس جو شخص جہنم کی آگ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو وہ کامیاب ٹھہرا اور دنیا

کی زندگی تو بس دھوکے کا سامان ہے۔"

۹۰) "ناہ کرنے والی اصل ذات۔۔۔ اللہ رب العالمین

اسلام کا عطا کردہ نظام اس احساس پر قائم ہوتا ہے کہ اللہ رب العالمین انسان کی تمام حرکات و سکنات اور ارادہ و خیالات کا جائزہ لے رہے ہیں۔ نہیں فرمایا۔

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَعَلَّمْنَا مَا نُسَوِّسُ بِهِ نَفْسَهُ وَنَحْنُ اقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ - إِذْ يَنْفَعِي الْمُنْتَظَرِ الْعَجْمِينَ وَعَنِ الشَّمَالِ قَعِيدٍ - مَا بَلْفُظٌ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ﴾ [۱۸۰: ۱۶۰]۔

"اور ہم ہی نے انسان کو پیدا کیا اور جو خیالات اس کے دل پر گزرتے ہیں ہم ان سے بھی آگاہ ہیں اور ہم اس کی رگ جان سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔ جب بھی وہ کوئی کام کرتا ہے تو وہ لکھنے والے جو دائیں بائیں بیٹھے ہیں لکھ لیتے ہیں۔ جو بات بھی اس کی زبان پر آتی ہے (اسے درج کرنے کے لیے) ایک کتابچہ ان کے پاس تیار رہتا ہے۔"

یہی اگر انسان و دنیا میں انسانوں کی قائم کردہ عداوتوں کی گرفت اور سراسے بچ بھی نکلے تو آخرت میں اللہ کی عدالت کے فیصلے اور اس کی سزا سے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقُلْ أَعْمَلُوا الصَّالِحَاتِ لِلَّهِ عَمَلِكُمْ وَوَسْوَلةُ الْمُؤْمِنِينَ وَسَبْطُونَ إِلَىٰ عِلْمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَبِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ [التوبة: ۱۰۵]۔

"اور ان سے کہہ دو میں کیسے چاہتا ہوں اللہ اور اس کا رسول اور مومنین تمہارے اعمال کو دیکھ لیں گے۔ اور تم غائب و حاضر کے جاننے والے نہ بنو گے۔ دامنِ حق کی طرف لوٹاؤ گے، پھر جو کچھ تم کرتے رہے وہ سب تم کو تادے گا۔"

۹۱) امت مسلمہ کی اساسی ذمہ داری، حکومت دین کا اہتمام

اسی طرح اسلام کا عطا کردہ نظام اس فہم پر قائم ہوتا ہے کہ اللہ کے دین کی ہمت لوگوں تک پہنچانا اور ان پر جمہوریت قائم کرنا اس امت کی ذمہ داری ہے۔

﴿وَكَذَلِكْ جَعَلْنَكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لَّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ

الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾ [البقرة: ۱۴۳]۔

"اور اسی طرح ہم نے تمہیں امت وسط بنالیا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور تمہیں (آخرا میں) تم پر گواہ بنیں۔"

۹۸) دعوت و پھیلائے اور قیام نہانے کے لیے جہاد و قاتل

اسلام کے عطا کردہ نظام کے پیچھے یہ تصور بھی کارفرما ہے کہ امت مسلمہ کا فرض ہے کہ وہ سب کا پیغام انسانوں تک پہنچائے اور اللہ کے ناطق کی سر بلندی کے لیے جہاد و قاتل کرے، یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو جائے اور دین پورے کا پورا اللہ کے لیے خالص ہو جائے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلَّهُ لِلَّهِ﴾ [الاحزاب: ۲۶]۔

"اور ان سے قاتل کرو یہاں تک کہ فتنہ جاتی نہ رہے اور دین سارے کا سارا اللہ ہی کے لیے خالص ہو جائے۔"

۹۹) حاکمیت شریعت، عدل، بشواری اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے اسلامی اصول

امت مسلمہ شریعت الہیہ کی حاکمیت کے سنبھالنے کے لیے اصول پر مبنی نظام حکومت قائم کرتی ہے اور عدل و انصاف کے قیام، بشواری کے اسلامی تصور پر عمل درآمد اور فیصلہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی بجا آوری کے ذریعے اپنے رب کی عبادت کرتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّخَذُوا الْأَرْضَ طَبَقًا وَاللَّسْلَةَ وَاتُّوا الزُّكُوفَ وَالْأَمْوَالَ بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَاللَّهُ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ﴾ [الحج: ۴۱]۔

"یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں حکومت دیں تو یہ ناز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، چھتلی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔"

اور جب شریعت پر عمل کیا جائے گئے تو اللہ تعالیٰ اس کے سبب دنیا میں بھی برکتیں نازل فرماتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْبَيْتِ آمَنُوا وَاتَّقَوْا الْفِتْنَةَ لَكُنَّا لَهُمْ بَرَكَاتٌ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ﴾ [الاعراف: ۱۶۰]

”اور اگر ان بیٹوں کے لوگ ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان و زمین سے برکتوں (کے دروازے) کھول دیتے“

ہاں بامرزہ بن سے اوجھل نہ ہونے پائے کہ امت مسلمہ جب بھی حکومت و سلطنت قائم کرتی ہے تو وہ اسے بنیادی طور پر ایک عبادت سمجھتے ہوئے صرف اللہ کی خوشنودی و رضا کے لیے قائم کرتی ہے۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفْنَا فِيهِمْ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْلَمُونَ لَا يُجْرِيكَ مِنْ يَدَيْهِمْ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ [البور: ۵۵]

”تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ انہیں زمین پر خلافت عطا کرے گا جیسے کہ ان سے پہلے کے لوگوں کو خلافت عطا فرمائی اور ان کے دین کو، جسے اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے، مستحکم و پائدار کر دے گا اور خوف کے بعد انہیں امن بخشنے کا ایسا وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کریں گے اور جو اس کے بعد بھی کفر کرے تو ایسے ہی لوگ نافرمان ہیں“

اور فرمایا:

﴿إِنَّ الْحَكْمَ لِلَّهِ أَمْرًا لَا نَعْبُدُ إِلَّا إِيَّاهُ ذَلِكَ الدِّينُ الْقِيمُ وَلَكِنْ أَكْثَرُ

الناس لَا يَعْلَمُونَ﴾ [یوسف: ۳۰]

”حاکمیت تو صرف اللہ ہی کے لیے خاص ہے اس لیے اس بات کا حکم دیا ہے کہ تم صرف اسی کی عبادت بنالاء، یعنی مستحکم دین سے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“

(۱) دینی وقوی تقاضات سے آزادی

اسلام کا عطا کردہ سیاسی نظام یعنی ”نظام خلافت“ انسانیت کے سامنے ایک ایسی اعلیٰ مثال پیش کرتا ہے جہاں ہر قسم کی دینی بنیادیں اور حضرات کی حدود سے بالاتر ہو کر تمام اعلیٰ ایمان کے درمیان ایمانی اخوت کی بنیاد پر مساوات کے کوشش قائم ہوتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنْ هَدَىٰ اللَّهُ أُمَّةَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّبِعُونِ﴾ [المؤمنون: ۱۵۴]

”اور جب ملک یہ تمہاری امت، ایک امت ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں پس تم مجھی سے (ارز)“

(۱۱) عزت کا معیار۔۔۔۔۔ ایمان تقویٰ اور عمل صالح

یہ نظام خلافت اگر لوگوں کے درمیان کوئی تفریق و تارکعات ہے تو شخص ان کے ایمان و تقویٰ اور عمل صالح کی بنیاد پر۔۔۔۔۔ نہ کسی ملک کی شہریت یا راستہ کی کسی حد سے، نفاذ داری کی بنیاد پر! اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنِ اتَّخَذَ الْمُكْرِمُونَ مِنْكُمْ وَلَدًا فَلَهُمْ فِيهِمْ حَقُّ الْوَارِثَاتِ﴾ [۱۳]

”بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ عزیز وہ ہے“ (زاد: جتنی ہے“

(۱۲) فیصلوں کا ماخذ، شریعت الہیہ۔۔۔۔۔ نہ کہ اکثر رائے

خلافت کے اس نظام میں فیصلوں کے لیے اللہ کی نازل کردہ شریعت کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، نہ کہ غالب اکثریت کی رائے کی طرف۔ جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَإِنْ أَحْكَمَ بَيْنَهُمْ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا فَإِنَّهُ لَا تَنْفَعُ أَمْوَالُهُمْ﴾ [المائدة: ۴۹]

”اور ان کے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کیجئے اور ان کی خواہشات کی جو ویست کیجئے“

مغرب کے سیاسی تصورات کا تاریخی پس منظر

اسی طرح مغرب کے مذہب و سیاسی تصورات نے ان کے تاریخی ورثے سے جنم لیا ہے، جیسا ایک طرف ظالم و جاہل حکمران اور ان کے دشمن شیعہ امراء و جاگیردار تھے تو دوسری طرف مظلوم و متہور عہدۃ الناس۔ نیز اس کے ساتھ ساتھ ان کے معاشرے میں ایک دوسری کشش بھی جاری تھی، جس میں ایک جانب کلیسا خاص نے انسانی عقل سے متصادم فرمودہ تہذیبی تصورات اور بے اصل روایات گھڑ رکھی تھیں اور دوسری جانب یہ گھڑنے کو رادار کا مظہر کیا تھا جس کی تفصیلات سن کر انسانی ضمیر ان سے نفرت کرنے لگتا ہے۔۔۔ تو دوسری جانب مغربی اقوام اور ان کے وہ رئیس و ان اور باہرین آسمان تھے جو زمین و آسمان کے سنے و فتن اور بیدار تلاش کرنے کے لیے کوشاں تھے۔ لیکن اس جہاں اور اس کے تحقیق سے متعلق کلیسا کی وہ مقدس روایات جو کبھی تاریخی سند اور آسانی دہل سے محروم تھیں تہذیب پر ان کی تحقیقات سے نکل کر تھیں۔

اس طواری کشش کے بعد جہاں میں یہ مغربی فکر نے کلیسا اور دین سے رادفرار اختیار کی۔۔۔ وہیں اسلام، امت مسلمہ اور اسلامی سلطنتوں کے ساتھ دشمنی کے جلیبی و رش کو بھی پوری طرح پہنے سے لگائے رکھا۔ دراصل جدید مغربی گہرائقت کا ایک عجیب مجموعہ ہے۔ ایک طرف تو یہ اپنی عقل کی بنیاد پر کلیسا، بلکہ خود دین سے بھی بیزار ہے دوسری طرف یہ جذباتی طور پر اپنی جلیبی تاریخ سے پوری طرح وابستہ ہے اور اسے خود بھی ان جذبات کے اظہار میں یوں کاکی نہیں۔

اسی ناقص کی بنا پر جدید مغربی فکر میں جہاں کلیسا کے استبداد سے نفرت اور اس کے نتیجے میں ہر قسم کے دین اور دین سے متعلقہ اقوال سے دشمنی نمایاں ہے وہیں اسلام اور امت اسلام سے بے حد نفرت بھی اس لگ کر ایک اہم وصف ہے۔ پس ایک جانب تو مغرب کلیسا کے غلبے کے دور کو ”قرون وسطی کا مہد“

راہ قرار دے کر اپنے ماضی سے رادفرار اختیار کرتا ہے۔ اور دوسری جانب جلیبی روح کے حامل ”مہد“ی۔ مسلمانوں کے ساتھ اپنا تعلق بھی پوری طرح چھوڑتا ہے اور انہی کے تسلط میں آج بھی امت مسلمہ دشمنی جاری رکھے ہوئے ہے۔

امت مسلمہ میں اٹھنے والی بیداری کی اہم تاریخی پس منظر

اس سب کے باطن میں ہم دیکھتے ہیں کہ امت مسلمہ ایک روشن و اعلیٰ تاریخ کی حامل ہے جس میں توحید خالص کی دولت بھی ہے، جاہد و شکر سلطنتوں کے خاتمے کے لیے جہاد قتال میں از سریت اکی کی شہر و اشاعت کے لیے انتہاء جدوجہد بھی۔ یہ وہ شریعت ہے جسے عقل سلیم قبول کرتی ہے اور قلب سلیم اس پر مطمئن ہوتا ہے۔ وہ پاکیزہ شریعت جو علم کی جستجو میں گن ملاء کی حوصلہ افزائی کرتی ہے اور انہیں اعلیٰ دانش و تجربہ عطا کرتی ہے۔ پس یہی دور روشن تاریخ ہے جس پر امت مسلمہ بطور پر فخر کرتی ہے، اور یہی دور از دہائی ماضی ہے جسے حال کے قالب میں ڈھالنے کے لیے امت آج بھر سے کوشاں ہے۔ جب کہ اس کے برعکس موجودہ دور کے بیشتر مفکرین اپنے ماضی کو ”مہد تاریک“ سے تعبیر کر کے اس سے کوروں اور بھاگتے ہیں۔

”لکم دینکم ولی دین“

مغرب کی ایک ایک تاریخ اور ان خاص تاریخی حالات کے زیر اثر جنم لینے والے کچھ مخصوص تصورات ہیں جنہیں ہم سے ایسا روئے سے کوئی اونٹنی بھی نہیں متاثریت نہیں لے سکتا۔ اسلئے اسلئے اسلئے میں پائے جانے والے مغربی تصورات کے حامل افراد اور گروہ تفکراس کے اہل نہیں کہ وہ امت مسلمہ کے لیے کسی بھی قسم کا دستور یا قانونی نظام وضع کریں۔ ایسی ہر کوشش کے نتیجے میں کچھ عجیب و غریب مرکب اور مفکر اسلام کے مقلوبہ معرض وجود میں آتے ہیں جس سے فساد و افراتفری کے ساتھ ساتھ حاصل نہیں ہوتا۔ یہی دور کہانی ہے جو پاکستان بننے کے بعد سے ساتھ ساتھ سال تک دوہرائی جاتی رہی ہے۔ پاکستان کی سر زمین میں پیش ہونے والے مہموں کے ساتھ رنگ بدلتی رہی ہے اور بالآخر آج اسلام کے خلاف لڑی جانے والی عالمی جلیبی

صوبہ بنی جنگ میں جنوبی ایشیا اور مشرق وسطیٰ کے سب سے بڑے امریکی اڈے میں تبدیل ہو چکی ہے۔

دستور پاکستان کا اصل مقصد: بین الاقوامی نظام کے تابع مغربی طرز کی ریاست کا قیام

دستور پاکستان کے بنیادی مطالبے سے مجھ پر یہ بات بھی ہوئی کہ اس دستور کو لکھنے والوں کے پیش نظر کسی اسلامی حکومت یا شرعی نظام کا قیام نہ تھا، بلکہ یہ دستور تو لکھا ہی اس لیے کیا تھا کہ اس کے ذریعے مغربی طرز حکمرانی پر عمل کرنا ایک ایسا رستہ قائم ہو جو اسلام دشمن "بین الاقوامی نظام" ختم ہو سکے۔۔۔ وہ بین الاقوامی نظام جسے عیسائی طاقتوں نے دوسری جنگ عظیم کے بعد اس فرض سے قائم کیا تھا کہ وہ پوری دنیا کے انسانوں کو ان کا تابع فرمان بنائے اور ان کے مفادات کا پوری طرح تحفظ کرے۔ یہی وہ باطل بین الاقوامی نظام ہے جس نے امت مسلمہ سے غلطیوں پھینکا اور یہی نظام آج تک آزادی کشمیر کی راہ میں رکاوٹ بنا ہوا ہے

دستور کے "اسلامی" ہونے کا فریب!

دستور پاکستان کے مطالبے سے مجھ پر یہ حقیقت بھی منکشف ہوئی کہ یہ دستور کچھ ایسے کفر فریب کے انداز میں لکھا گیا ہے کہ مسلم عوام سے شریعت کے خلاف کا وعدہ بھی ہو جائے لیکن وہ وعدہ کبھی وفا بھی نہ ہو سکے۔ مجھے تو یقین ہوتا ہے کہ اس وقت کے بڑے بڑے علماء اور اداری حضرات بھی اس وعدے کا افکار ہو کر دستور کی تحریف و تشویش بیان کرتے رہے (ہاں اس میں کچھ شک نہیں کہ ان حضرات کا اس دستور سے تائید واسطہ پڑا تھا اور اب بھی تک اس کے عملی اثرات بھی پوری طرح واضح نہیں ہو پائے تھے لہذا اس غلط فہمی میں جلا ہوئے گا شاید کوئی امریکائی موجد وہ تھا)۔۔۔ البتہ اصل قیاس کے لائق تو ہمارے وہ قاضی دوست ہیں جو خلاف شریعت کے جھوٹے وعدوں کا ساتھ (۱۰) سال گزر جانے کے بعد بھی وہی جھگھے رہے اور اہم اصلاحات دہرائے جلتے رہے ہیں اور آج تک دستور پاکستان کی اسلامییت کے فریب سے دکن نہیں چھڑ پائے۔

۱۰۱ پاکستان نہیں!

آج یہ بات سب پر عیاں ہو چکی ہے کہ یہ وہ پاکستان نہیں جس کی تئہا بند کے مسلمانوں کی حکومت نے کی تھی۔۔۔ یہ سرزمین نہیں جس کے بارے میں خواب دیکھا گیا تھا کہ وہ دنیا بھر کے مسلمانوں کا مرکز اور جاے پناہ بنے گی۔۔۔ بلکہ اس کے برعکس یہ سرزمین تو بڑے مشہور جنوبی ایشیا اور مشرق وسطیٰ میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف لڑی جانے والی عیسائی جنگ میں سب سے اہم امریکی اڈے کا کام دے رہی ہے۔ آج یہ امر برصاحب صبر پر عیاں ہو گیا ہے کہ پاکستان پر آقا سے اب نہ ناسد و منفذ طبقات ہی حکمرانی کرتے آئے ہیں اور یہ سلسلہ مسلمانوں کے کامل مشرف کے باوجود ہرگز رتا ہوا "مشرقین پرست" کے لقب سے مشہور اسوالمسلمین کوٹنے والے امریکی غلام زرداری نے ہمیشہ میں داخل ہو گیا ہے۔ (دو در زرداری جسے نہ صرف "عسکری قوتوں کی حمایت حاصل ہے بلکہ انجمنی" اس سے کہنا ہے تاہم متعدد دینی جماعتوں نے بھی انتقادات کے موقع پر اسی طرح اس کی تائید کی جیسا کہ ان جماعتوں نے اس سے پہلے پرویز کی کئی ترامیم اور صدارتی انتخاب کے موقع پر اس کا ساتھ دیا تھا) ان سب حالات کو دیکھتے ہوئے میں نے فیصلہ کیا میں پاکستان کے سیاسی نظام اور دستور کے دہرائے سے جس نتائج تک پہنچ چکا ہوں وہ ضبط تحریر میں لائوں۔ میری کوشش رہی ہے کہ اس بحث کے دوران غیر ضروری تفصیل اور وجہ ہاتھی جھٹوں سے احتراز کرتے ہوئے صرف اسلامی مقصد کو پیش نظر رکھوں تاکہ کتاب کا حجم زیادہ نہ بڑھے۔



نماز کی تحدید کرنی ہے اور ان پر عہد ہاں ہے، جس آپ ان کے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کیجئے اور جو حق آپ کے پاس آچکا ہے اس سے روگردانی کر دے۔ وہ ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجئے۔ اور ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے، اور اگر اللہ چاہتا تو ہم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا، لیکن جو قسم اس نے تمہیں دی ہے، وہ ان میں تمہاری آزمائش کرنا چاہتا ہے۔ سو ایک کاموں میں جلدی کر دو تم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جائے پھر جن باتوں میں تم اختلاف کیا کرتے تھے وہ نہیں رہتا۔ اے نگاہدار، پھر تم تاکید کرتے ہیں کہ اسے نبی ﷺ (آپ) ان کے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کیجئے اور ان کو خواہشات کی پیروی مت کیجئے اور اس سے خبردار رہے کہ یہ اللہ کی جانب سے آپ کی طرف نازل کردہ کسی حکم سے آپ کو ہٹا نہ دیں۔ پھر اگر یہ نہ مانیں تو جان لیجئے کہ اللہ چاہتا ہے کہ ان کے بعض گناہوں کے سبب ان پر مصیبت نازل کرے، اور یقیناً تو لوگوں کی اکثریت تو فاسقوں پر مشتمل ہے (اگر یہ اللہ کے نازل کردہ قانون سے منسوب نہ ہوں تو) کیا پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں، اور یقیناً رکھنے والوں کے لیے اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا اور کون ہے؟“

پس اگر کوئی قوم، جماعت، معاشرہ، حکومت یا نظام بد ہوئی کرتے ہیں کہ وہ مسلمان ہیں اور احکام اسلام پر کاربند ہیں تو ضروری ہے کہ وہ قانون سازی اور فیصلہ کرنے کا حق بھی اللہ ہی کے لیے خالص کریں۔ اور اگر ان میں سے کوئی کردہ یا مذہبی رکھتا ہے کہ وہ مسلم ہے لیکن اللہ رب العزت کا یہ حق تسلیم کرنے سے انکار ہی دیتا ہے اور اپنے معاملات میں شریعت کی طرف رجوع نہیں کرتا۔۔۔۔۔ تو اللہ نے ایسے لوگوں کے بارے میں واضح فیصلہ فرمادیا ہے کہ وہ فاسقوں میں سے ہیں۔ جن تعالیٰ شایذ فرماتے ہیں:

﴿فَلَا رِبْكَ لَا يُمْنُونَ حَتَّىٰ يَحْكُمَوكَ فَخَرُجْ يَتَّبِعُكَ يَبْغُتْكَ لَا يَجِدُوا لِي أَنْفُسَهُمْ جَرًّا مَّا فَضِبْتَ وَيَسْأَلُوا نَسْلِكَ﴾ [النساء: ۶۵]۔

”تمہارے پروردگار کی قسم ایسے لوگ اس دہشت گرد ہرزاسوں میں سے ہیں کہ جب تک (اسے نبی

## یاب ادل

### حاکمیت کس کا حق ہے؟

اسلام میں حاکمیت اور قانون سازی محض اللہ تعالیٰ کا حق ہے

قانون سازی کو محض اللہ ایک الملک ہی کا حق سمجھنا اسلامی عقائد کے بنیادی اصولوں میں شامل ہے اور قرآن کریم کی ہمت سے آیت اس پر دلالت کرتی ہے جن تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَأَنَّ الْحَكَمَ إِلَّا لِلَّهِ أَمَّا أُولَٰئِكَ فَلَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ذَلِكُمُ الْعَنِ الْعَنِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ [یوسف: ۳۰]۔

”حاکمیت تو صرف اللہ ہی کے لیے خاص ہے، اس نے حکم دیا ہے کہ صرف اسی کی عبادت بنالاء، یہی ستیجی دیں لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا فِيهِ مِنْ الْكِتَابِ وَمُهِمًّا عَلَيْهِ فَأَحْكُمْ بِهِمْ إِمَّا أُنْزِلَ إِلَيْهِ وَلَا تَنفَعُ أَهْوَاءُ هُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ لَكُلِّ جَعَلْنَا مَسْكُمْ شُرْعَةً وَمِثَالًا وَهُوَ اللَّهُ يَجْعَلُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَكِنَّ أَصْوَاعًا فِي مَا أَنْكُمُ فَاذْكُرُوا الْخَيْرَاتِ إِلَى اللَّهِ مَرَحْمَةً جَمِيعًا فَهَنِيكُم بِمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخَفُونَ . وَأَنَّ أَحْكُمَ بِهِمْ إِمَّا أُنْزِلَ إِلَيْهِ وَلَا تَنفَعُ أَهْوَاءُ هُمْ وَأَحْزَنُهُمْ أَن يَفْضُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوا أَنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَن يُصِيبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ وَإِن كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ . أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمِنْ أَحْسَنِ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُؤْتُونَ﴾ [المائدة: ۴۸، ۵۰]۔

”اور (اے خیر علیہ السلام) ہم نے آپ پر بھی کتاب نازل فرمائی ہے جس سے یہی

(تمہیں اپنے باہمی تنازعات میں منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کرو اس پر اپے دل میں شک ہی محسوس نہ کریں اور اس کے سر تسلیم خم نہ کریں۔“

پاکستان میں قانون سازی کا مطلق حق پارلیمانی اکثریت کو حاصل ہے

روحِ بالا اسلامی عقیدے کی روشنی میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پاکستان میں قانون سازی اور فیصلے کا حق کس کے پاس ہے؟ کیا حق صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے؟ یا یہ اس پارلیمانی کی غالب اکثریت کا حق ہے جسے ”بیمس شرعی“ کا نام دیا گیا ہے؟

اس نہایت اہم سوال کا حتمی جواب ہمیں ریاست پاکستان کی اساسی قانونی دستاویزات میں ملتا ہے۔ چنانچہ جب ہم دستور پاکستان پر نگاہ ڈالتے ہیں، جو بقول ان کے ”ابوالقوائین“ ہے، تو اس میں یہ بات پوری وضاحت اور قطعیت کے ساتھ روح ہے کہ دستور میں ترمیم کرنے اور نئے قوانین صادر کرنے کا حق فراترندگان پارلیمان کی غالب اکثریت کے ساتھ کسی کو حاصل نہیں۔

لہذا دستور کے عطا کردہ حق کے مطابق اگر یہ لوگ چاہیں تو پاکستان کا نام ”اسلامی جمہوریہ پاکستان“ رکھ دیں، اور اگر یہی لوگ چاہیں تو دہائی اکثریت کے ساتھ اس کا نام تبدیل کر کے ”امریکی جمہوریہ پاکستان“ یا ”بستی جمہوریہ پاکستان“ رکھ دیں۔۔۔ ان کے اکرنتی فیصلے کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ اسی طرح اگر غائبندگان پارلیمان چاہیں تو ”ذاتی شرعی عدالت“ قائم کر دیں اور اگر چاہیں تو ”ذاتی غیر شرعی عدالت“ قائم کر دیں، ان کو مطلق حق حاصل ہے۔ اسی طرح اگر یہ چاہیں تو دستور کو مکمل تبدیل کر کے اس میں سے دوسرا بھی حذف کر دیں جس کی بناء پر دستور پاکستان یا ریاست پاکستان کے اسلامی صفت کا شہ پیدا ہوتا ہے۔۔۔ یہ ان کا حق ہے جس کی ضمانت خود دستور اسلام خیر الہم کرتا ہے۔

دستور کی دفعہ ۱۳۸ واضح طور پر بیان کرتی ہے کہ پارلیمان کو دستور میں ترمیم کا حق حاصل ہے۔

اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:

"Subject to this part, the constitution may be {Parliament}" amended by Act fo [Majlis-e-Shoora

[CONDTITION OF PAKISTAN, PART XI: Amendment of Constitution, Article 238]

جبکہ دفعہ ۱۳۹ میں آئینی ترمیم کے لیے دو تہائی اکثریت کی شرط لگائی گئی ہے۔ اسی دفعہ کے تحت پانچویں اور چھٹے بند میں دو تہائی اہم باتیں شامل کر دی ہیں:

پہلی بات یہ کہ کسی بھی آئینی ترمیم کے خلاف کسی سطح کی عدالت میں کسی بنیاد پر اعتراض کرنا ممکن نہیں۔

دوسری بات یہ کہ ہر قسم کے شک کو رفع کرنے کے لیے یہ بات بھی واضح کر دی گئی ہے کہ مجلس شوریٰ (یعنی پارلیمان) کو دستور کی دفعات میں ترمیم کا لامحدود اختیار حاصل ہے۔

اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:

"(5) No amendment of the Constitution shall be called in question in any court on any ground whatsoever.

(6) For the removal of doubt, it is hereby declared that there is no limitation whatever on the power of the Majlis-e-Shoora (Parliament) to amend any of the provisions of the Constitution" [CONSTITUTION OF PAKISTAN PART XI Amendment of Constitution, Article 239].

ممکنہ شبہات اور ان کا رد

یہاں دو شبہات وارد ہو سکتے ہیں:

پہلا شبہ: اراکین پارلیمان مسلم معاشرے کی مصلحت ہی کے لیے دستور سازی کرتے ہیں

مکمل ہے کہ کوئی اعتراض کرنے والا یہ کہے گا کہ خراسیات میں حرج ہی کیا ہے کہ "مسلم جو اس کے لئے جہاد کا" یا بھی منہور ہے۔ "مسلم معاشرے کی مصلحت" کی خاطر دستور سازی کریں یا نہیں اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ دستور کی مذکورہ خصوصیات میں ایسی کوئی قیود نہیں لگائی گئی جو اس اعتراض میں ذکر کی گئی ہیں۔ یعنی نہ تو اس میں مسلم معاشرے کا ذکر ہے اور نہ اس کی مصلحت کا یہ خصوصیتوں میں ترسیم کے لیے دو تہائی اکثریت کے اتفاق کے علاوہ کوئی شرط نہیں لگائی ہیں اور پھر نہایت تاکید کے ساتھ دو تہائی اور کان پارلیمان کے تین تہائی کے حق کا پھر پورا تحفظ بھی کرتی ہیں۔

یہیں یہ بات بالکل واضح ہے کہ دستور پاکستان کے تحت تمام امور میں قبول و رد کا حق فیصلہ ختمہدگان پارلیمان کی دو تہائی اکثریت کو حاصل ہے۔ دستور کا یہ اصول شریعت کے بالکل منافی ہے۔ اسلام تو ہمیں یہ سکھلا رہا ہے کہ یہ مقام تو صرف اللہ کی نازل کردہ شریعت کو حاصل ہے کہ اس کے ہر حکم کو بلا نزاع قبول کیا جائے، ہر اس قانون، ضابطے یا حکم کو رد کر دیا جائے جو شریعت کے موافق نہ ہو اور کسی کا بھی یہ حق تسلیم نہ کیا جائے کہ وہ خلاف شریعت فیصلہ کرے۔۔۔ خواہ اس فیصلے کو دو تہائی اکثریت بلکہ پورے پارلیمان کی اجتماعی تائید بھی حاصل ہو۔

دوسری بات یہ کہ اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ مسلم معاشرے کے نمائندے اپنے قوانین یا دستور کی خصوصیتوں میں ترسیم و اصلاح کریں بشرطیکہ یہ سارا عمل اللہ کے دین اور اس کی شریعت کے دائرے میں رہے ہوئے و تمام پائے، لیکن دستور میں تو کوئی ایسی شرط مذکور نہیں پاکستان کا دستور تو ایسا اس بات پر زور دیتا نظر آتا ہے کہ دو تہائی اکثریت کو دستور میں ہر قسم کی ترسیم کا حق حاصل ہے، اور غالب اکثریت کے فیصلے پر کسی قسم کی حد نہیں۔

دوسرا شبہہ: شریعت سے متصادم قوانین کو رد کرنے کے لیے وفاقی شرعی عدالت تشکیل پا چکی ہے

مکمل ہے کہ کوئی دوسرا اعتراض یہ کہے کہ دستور نے وفاقی شرعی عدالت کو یہ حق دیا ہے کہ وہ قرآن و سنت سے متصادم ہر قانون کو رد کرے۔ اس اعتراض کا تفصیلی جواب تو آگے مل کر وفاقی شرعی

عدالت پر بحث کے تحت آئے گا، لیکن سرسوت اٹھا کہنے پر اسکا کردار کا اس عدالت کو بھی، مگر عدالتوں کی طرح دستور کی دفعات پر نگاہ ڈالنے کا حق حاصل نہیں کیونکہ اس کے دائرہ اختیار سے بی باہر ہے اور یہ بات دستور میں پوری صراحت کے ساتھ مذکور ہے۔

## باب دوم

دستور پاکستان اور شریعت اسلامی کے مابین تضادات

اس باب میں ہمارا کام، تفصیلات پر مشتمل ہوگا۔

پہلی تفصیل: شریعت کی مخالفت کو قانون کی شکل دینا کفر ہے، اگرچہ وہ مخالفت بذات خود صرف

فحش ہو۔

دوسری تفصیل: دستور پاکستان میں موجود خلاف شریعت قوانین کی مثالیں

## پہلی تفصیل

شریعت کی مخالفت کو قانون کی شکل دینا کفر ہے،

اگرچہ وہ مخالفت بذات خود صرف فحش ہی ہو۔

تمام ہمارے اسلام کے نزدیک یہ بات ایک ثابت شدہ حکم شریعت ہے کہ کسی ایسے کام کو حلال قرار دینا جس کی حرمت پر اجماع ہو یا کسی ایسے کام کو حرام قرار دینا جس کی حلیت پر اجماع ہو، یا کسی ایسا ہی حکم شرعی کو تبدیل کر دینا کفر ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص ہی کہے کہ شراب یا زنا یا چوری یا لوگوں کے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت سے ہٹ کر فیصلے کرنا حلال ہے تو اس نے کفر کیا۔۔۔ چاہے وہ خود نہ تو شراب پیتا ہو نہ زنا کرتا ہو نہ چوری کرتا ہو اور نہ اللہ کی نازل کردہ شریعت کے خلاف فیصلہ دیتا ہو۔ اسی طرح اگر کوئی شخص یہ کہے کہ نماز پڑھنا یا زکوٰۃ دینا حرام ہے یا یہ کہے کہ نماز اور زکوٰۃ فرض اسلام

میں نہیں ہیں تو وہ بھی کافر ہے اگرچہ وہ خود پانچ وقت نماز پڑھتا ہو اور پابندی سے زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہو۔ اسی طرح جو شخص یہ کہے کہ قانون سازی کا حق صرف اللہ و مدہ الشریع کے لیے خاص نہیں بلکہ یہ حق ہر ایمان کی دو چٹائی آنکھ سے کوئی آدمی کو بھی حاصل ہے تو اس نے بھی کفر کیا اگرچہ اس نے عملاً کبھی بھی شریعت کے مخالف قانون سازی نہ کی ہو۔ اسی طرح جو شخص ایسے قوانین بنائے جو شریعت سے تضاد میں ہوں یا جو شریعت سے بالائے طاق کے ان اضیادوں یا شرعی احکام رد کرنے یا ان پر نظر ثانی کرنے کا حق تفویض کریں، تو یہ شخص بھی کافر ہے۔

دلائل شریعہ کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ کی توفیق و نصرت سے میں اس عظیم شرعی اصول کی وضاحت کے لیے بعض دلائل

مختصر ذکر کر چاہوں گا:

(الف) شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”و معلوم . لا اضطرار من دین المسلمین . باتفاق جمیع المسلمین ان من سوغ اتباع غیر دین الاسلام او اتباع شریعہ غیر شریعہ محمد ﷺ فہو کافر . وهو ککفر من آمن بعض الكتاب و کفر بعض الكتاب . كما قال تعالى : ﴿ان الذين يكتفون بالله ورسوله ويدعون ان يفرقوا بين الله ورسوله ويقولون نؤمن ببعض ونكفر ببعض ويدعون ان نبخدوا بين ذلك سبيلا . اولئك هم الكافرون حقا واعتدنا للكافرين عذابا مهينا﴾ (النساء : ۱۵۰ ، ۱۵۱)

”ایسے بارگاہ اتفاق تمام مسلمانوں کے نزدیک ضرر بات دین (دین کے وہ مسائل جن کا علم ہر مسلمان کو ہونا لازم ہے) میں شامل ہے کہ جو شخص دین اسلام کے سوا کسی اور دین یا شریعت محمدی ﷺ کے علاوہ کسی اور شریعت کی پیروی کو جائز قرار دے دو کافر ہے۔ اس شخص کا کفر بالکل اسی طرح ہے جیسے کوئی شخص کتاب اللہ کے بعض حصے پر ایمان لائے اور بعض کا انکار کرنے پر کافر ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿یہ شک و گمان دو گواہوں اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم

بعض باتوں پر ایمان لائے اور بعض کا ہم نے انکار کیا، اور وہ ایمان اور کفر کے بیچ کی راہ نکالنا چاہتے ہیں۔ یہی لوگ کہنے کا فریاد کریں، اور کافروں کے لیے ہم نے سوا کچھ عذاب تیار کر رکھا ہے۔“ (مجموع الفتاویٰ ۵۳۴: ۲۸)۔

(ب) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَفَحُكْمَ الْحَاۤمِلَةِ يَجْعَلُونَ وَهُمْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوفُونَ﴾  
[المائدہ: ۵۰]۔

”اگر اللہ کے نازل کردہ قانون سے منہ مڑتے ہیں تو کیا پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں، اور یقین رکھنے والوں کے لیے اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی ہے؟“

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر فرماتے ہیں:

”بُنکر تعالیٰ علی من خرج عن حکم اللہ المحکم المشتمل علی کل غیر، السامی عن کل شر، وعدل الی ما سواہ من الآراء والأهواء والاصطلاحات، الی، وضعمہا الرجال بلا مستند من شریعہ اللہ، کما کان اهل الجاہلیۃ یحکمون بہ من المصللات والجهالات، مما یضعونہا بآرائہم وأهوائہم، وکما یحکم بہ الناس السیاسات الملکیۃ المأخوذة عن ملکہم جبکر خان، الذی یراعی لہم البساق، وهو عبارة عن کتاب مجموع من احکام فہد افسوسہا عن شرائع شنی، من البہودیۃ والنصرانیۃ والعلۃ الاسلامیۃ، وفہما کثیر من الأحکام اخلدنا من مجرد نظره وحوارہ فصاوت فی سبہ شرعا متبعہا، بقدمہا علی الحکم بکتاب اللہ ومنعہ رسولہ ﷺ ومن فعل ذلک منهم فہو کافر بدب فائدہ، حتی یروج الی حکم اللہ ورسولہ، فلا یحکم سواہ فی قلیل ولا کثیر“

”یہاں اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر گرفت کی ہے جو اللہ کے ان حکم احکامات سے روگردانی کرتا ہے، جو ہر شرع و مشتمل ہیں اور ہر شرع سے روکنے والے ہیں، پھر ان احکامات الہیہ کیچھ ذکر ان آراء

ادراشات اور اصطلاحات کی پیروی کرتے ہیں جنہیں انسانوں نے وضع کیا ہو اور جن کی پشت پر کوئی شرعی دلیل نہ ہو۔ یہ شخص بالکل دور جاہلیت کے ان لوگوں کی مانند ہے جو اپنی آراء و خواہشات پر اپنی گمراہیوں اور چھاپوں کی روشنی میں فیصلہ کیا کرتے تھے، یا ان تاریخوں کی مانند جو اپنے بادشاہ چنگیز خان کی وضع کردہ کتاب ”یاسق“ کو فیصلہ کن مانتے ہیں۔ ”یاسق“ مختلف شریعتوں سے اخذ کردہ احکامات کا مجموعہ ہے، کچھ احکام یہودیہ سے، اخذ ہیں اور کچھ ایرانیہ اور اسلام سے اور بہت سے احکامات محض اس کے ذاتی نظریات اور خواہشات کے نمائندہ ہیں۔ یہ مجموعہ اس کی اوّل، کے نزدیک ایک ایسی لائق تقلید شریعت کی حیثیت اختیار کر چکا ہے جسے یہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر بھی ترجیح دیتے ہیں۔ جس ان میں سے جو شخص بھی ایسا کر دے وہ کافر ہے اور اس سے قتال کرنا واجب ہے یہاں تک کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کی طرف لوٹ آئے اور ہر چھوٹے بڑے معاملے میں انہی کو حاکم جانے۔“ (تفسیر ابن کثیر، تفسیر سورۃ المائدہ: آیت ۵۰: ۶۸)۔

علامہ احمد رضا رحمہ اللہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی مذکورہ بالا عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اقول: أفجوز فی شرع اللہ تعالیٰ ان یحکم المسلمون فی بلادہم بشریع مفتیس عن شریعات اوردوا الوضیۃ الملاحذہ؟ بل بنشریع بدخلہ الأهواء والآراء الباطلۃ، بغیورہ وبیدلونہ کما یبنواؤں، لا بابائی واضعہ أو افن شرعہ الاسلام أم خالفہا؟ ان المسلمین لم یبلوا بهذا قط۔ فیما نعلم من فایہم، الا فی ذلک العهد عہد التبار، وکان من اسواء عہود الظلم والغلام ومع هذا فانہم لم یخصعوا الی بل غلب الاسلام التبار، لم مزجہم فادخلہم فی شرعہ، وزال اثر ما صنعوا اہنات المسلمین علی ذنبہم وشریعتہم، ویمان ان الحکم المتبع الجائر کان مصدورہ الفریق الحاکم اذ ذاک، لم یندمج فیہ احد من افراد الاسم الاسلامیۃ المحکومۃ، ولم یعلموہ ولم یعلموہ اہلہم، فما اسرع ما زال اثرہ، افرایم هذا

الوصف الضروی من الحفاظ لئن کثیر۔ فی القرن الثامن۔ لداکب الغنائون  
الرضعی، الذی صنع عدو الاسلام حنکیز خان؟ ائسمن ترونه یصف حال المسلمین  
فی هذا العصر، فی القرن الرابع عشر الهجری؟ الا فی فرق واحد اشرنا الیه آتفا:  
ان ذلک کان فی طیفه خاصه من الحکام اتی علیها الزمن سربعا فاند محنت فی الامه  
الاسلامیه ورائ انما صنعت، ثم کان المسلمون الآن اسوا حالا، واند ظلمنا  
وظلامنا منهم، لان اکثر الاسم الاسلامیه الآن تنعدم فی هذه القوائین المختلفه  
للعربیه، والسی هی اشیء شیء بذاک "الباسق" الذی اصطفاه رجل کافر ظاهر  
الکفر، هذه القوائین السی یصطنعها ناس یمینون للاسلام، ثم یعلمها ابناء  
المسلمین و یغفرون بذلک آباء و ابناء، ثم یعملون مرد امرهم الی معنی هذا  
"الباسق العصری" و یحفرن من یخالفهم فی ذلک، و یسمون من بدعهم الی  
الانتمساک بدينهم و شرعهم "رجعیا" و "جامعا" الی مثل ذلک من القاطن  
البذیه بل انهم ادخلوا ایدیمهم فیما یفی فی الحکم من الشرع الاسلامی، و یریدون  
تحویلہ الی "یمافهم" الحدید بالهوینا و البین ناره و العالمکر و الخدیعة ناره، و یمنا  
سلکت ایدیمهم من السلطات نارات، و یصرحون ولا یستحیون بانهم یعملون علی  
فصل الدوله من الدین! افجوز اذن، مع هذا، لاحد من المسلمین ان یعتق هذا  
الدین الجدید، اعنی الشرع الجدید؟ او یجوز لرجل مسلم ان ینی الفضاء فی ظل  
هذا "الباسق العصری" و ان یرسل و یرعرض عن شرعیه البینه؟ ما اظن ان رجلا  
مسلمنا یرف دینہ و یعمل به جمله و تفصیلا و یؤمن بان هذا القرآن انزلہ اللہ تعالی  
علی و سوله ﷺ کتابا محکما لا یاتیہ الباطل من بین یدیه، ولا من خلفه، و بان  
طاعه و طاعة الرسول ﷺ الذی جاء به واجبه قطعیة الوجوب لی کل حال، ما اظنه  
یستطیع الا ان یجزم غیر متردد ولا متاول بان ولا یة الفضاء فی هذه الحال ماطلة

مطلانا اصلیا، لا یلحفه الصحیح ولا الاجازة، ان الامر فی هذه القوائین الموضعه  
واضح و وضوح الشمس، هی کفر بواجب، لا خفاء فیہ ولا مداوله، ولا غبر لاحد من  
بنسب للاسلام۔ کتابنا من کان، فی العمل بماء او الخوض لہا او افرادہا، للیحدل  
امر و لفسدہ، و کل امریء حسب نفسه۔"

"میں کہتا ہوں: کیا اللہ تعالیٰ کی شریعت میں یہ بات جائز ہو سکتی ہے کہ مسلمانوں کے ممالک  
میں شریک و کھانا پیر لپی تو اس سے باخود قانون کی نگرانی ہو؟ یا ایسے قانون کی جس میں انسانی  
فرواہیات اور باطل آراء کا پھل ہو، قانون بنانے والے جیسے چاہیں انہیں بدل دیں اور انہیں اس کی ذرا  
پر واز نہ ہو کر ان کے وضع کردہ قوانین شریعت کے موافق ہیں یا مخالف؟ ہمارے علم کے مطابق مسلمانوں  
کو تاجریوں کے دور کے علاوہ کبھی اپنی پوری تاریخ میں اس طرح کی آزمائش کا سامنا نہیں رہا: اور یہ دور  
تاجری ہماری تاریخ میں ظلم اور ظلمات کا بدترین دور تھا، لیکن اس کے باوجود مسلمان اس نئے کئے  
سرگرم نہیں ہوئے تھے بلکہ آثار اسلام کی تاریخوں پر غالب آ گیا تھا، اور اسلام نے انہیں اپنے رنگ  
میں رنگ کر شریعت کے دائرے میں داخل کیا تھا۔ نیز مسلمانوں کے اپنے دین اور شریعت پر ستر رہنے  
کے سبب تاجری عہد کے اثرات جلد ہی زائل ہو گئے تھے، یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اس وقت  
کے ان تمام خالمانہ اور باطل نکال کلمات کا مصدر صرف کفرانِ حق تھا جب کہ امت مسلمہ کے کلمہ افراد اس  
عمل میں قطعاً شریک نہ تھے، نہ تو انہوں نے اس قانون کو یکساں اور نہ ہی اپنے بچوں کو اس کی تعلیم دی بلکہ ا  
بہت جلد ہی اس قانون کی کثرات زائل ہو گئے۔

کیا آپ نے ملاحظہ کیا کہ حافظ ابن کثیر نے انھوں ہی صدی ہجری میں دشمن اسلام و تکبیر خان  
کے وضع کردہ، اس قانون کے حوالے سے کس قدر واضح اور حکم مؤقف اختیار کیا ہے؟ کیا بالکل یوں نہیں  
محسوس ہوتا گیا ہو چودھویں صدی ہجری کے مسلمانوں کا حال بیان کر رہے ہوں؟ البتہ دونوں زمانوں  
میں ایک فرق ضرور ہے جس کی طرف پہلے اشارہ کر آئے ہیں۔ دو فرق یہ ہے کہ اس وقت یہ مرض  
صرف ایک کفرانِ طبقہ کے ساتھ مخصوص تھا جو خود سے ہی مرض سے امت کے رنگ میں رنگا گیا اور اس



یعنی یہ اس وقت تک کی جیروی چھوڑ کر جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے مقرر فرمایا ہے، ان قوانین کی جیروی کرتے ہیں جو ان کے شیاطین جن و انس نے ان کے لیے مقرر نہیں کیے۔ ان باتوں میں بخیرہ، سائبہ، وحیدہ اور حاتم وغیرہ کا حرام قرار دیا جانا اور مردار، خون اور جو سنے کا حلال نہ پایا جاتا بھی شامل ہے۔ یہ قوانین دورِ جاہلیت میں گھڑے گئے ایسے ہی دیگر گمراہ کن، باطل اور جاہلانہ امور پر مشتمل ہیں، جن میں بعض چیزوں کو حلال اور بعض کو حرام قرار دیا گیا ہے، نیز بعض فاسد اقوال اور بعض فاسد عبادات کو شامل کیا گیا ہے۔ ”تفسیر ابن کثیر تفسیر سورۃ الشوریٰ: آیت ۱۱۵: ۱۱۶۔“

(د) امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

”أثبت النبي ﷺ، وهي عنفي صليب من ذهب، فقال ”يا عدی، اطرح عنك هذا اللون“ وسمعه یقرأ فی سورة البراءة ﴿اتخذوا أحبارهم ودرہانہم اویاما من دون اللہ﴾ قال: أما انہم لم یکنوا بعبیدوہم، ولکنہم کانوا اذیاءا حلوا لہم شینا استحلوا، واذأ حرموا علیہم شینا حرموا۔“

”میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میری گردن میں سونے کی صلیب لٹک رہی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”اے عدی! اس بت کو اتار بیٹھو“

میں نے آپ ﷺ کو سو دھرا، بت (موروثہ) کی یہ آیت تلاوت فرماتے ہوئے سنا

”انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنالیا تھا“

اس کی تفسیر کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

”یہ (اہل کتاب) ان (علاء اور درویشوں) کی (ہا کا بحدہ) عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ

جب وہ ان کے لیے کوئی چیز حلال قرار دیتے تو یہ لوگ اسے حلال مان لیتے اور جب وہ ان پر کوئی چیز حرام مقرر دیتے تو یہ اسے حرام بھی لیتے (نہیں یہ حرمِ تحریم اور حلالِ حلقہ نہیں سونب و بنای کو ان کی عبادت

ارت ہے)“ (سنن الترمذی ۲۷۸۵، تاریخ حوالوں کے لیے رجوع کیجئے۔ سنن مسعد بن منصور ۳۲۵، سنن ابی نعیم الکبریٰ ۱۱۶۱۱، معتب ابن ابی حنیفہ ۱۵۶۷، المعجم للشمس الرانی ۹۳۱۷، شعب الایمان ۳۵۷، تاریخ القدر ۳۵۵۲)۔

اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے حضرت عدی بن حاتم کے سامنے یہ حقیقت واضح کی کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے نصاریٰ کو شرکین میں اس لیے شمار نہیں فرمایا ہے کہ وہ اللہ کے نبیائے اپنے علماء و مشائخ کے لیے مراسمِ عبودیت نہ بنالائے تھے، بلکہ انہیں اس لیے مشرک قرار دیا ہے کہ جب یہ علماء اللہ کی کتاب میں بیان کردہ حلال کو حرام یا اس میں بیان کردہ حرام کو حلال قرار دیتے تو نصاریٰ یہاں بھی ان کی جیروی کرتے تھے۔ حضرت عدی بن حاتم کا گمان یہ تھا کہ عبادت کا مطلب صرف نماز اور روزے جیسے مراسمِ عبودیت تک محدود ہے۔ لیکن نصاریٰ چونکہ نماز اور روزے جیسی عبادات اپنے علماء اور درویشوں کے لیے نہیں (بلکہ اللہ کے لیے) ادا کرتے تھے اس لیے حضرت عدی نے یہ سمجھا کہ اللہ کے سوا کسی کو رب نہیں مانتے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کے اس شبہ کو دھکیل کرتے ہوئے ان پر واضح کیا کہ جب عیسائیوں کے علماء نے حرام یا حلال قرار دینے کے معاملے میں شریعت کی مخالفت کی اور اس کے باوجود بھی عیسائیوں نے ان کی اطاعت کی تو گویا انہوں نے اپنے علماء اور مشائخ کو اللہ کے مقابلے میں رب بنالیا۔

حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی اس آیت کی یہی تفسیر مروی ہے چنانچہ امام ابن جریر طبری رحمہما فرماتے ہیں:

”عن أبی البختری قال: قبل لحدیفة أن أبت قول اللہ اتخذوا أحبارہم؟ قال: أما انہم لم یکنوا بعبیدوہم لہم ولا یصلون لہم، ولکنہم کانوا اذیاءا حلوا لہم شینا استحلوا، واذأ حرموا علیہم شینا أحلہ اللہ لہم حرموا، فلیک کانت ربوبیتہم۔“

”ابو بختری سے روایت ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمان سے پوچھا گیا کہ اللہ رب العزت





اور نصاریٰ کو یہی حکم تھا کہ معبود واحد کی عبادت کریں مختلف اور بامعوضہ کر صرف ایک رب کی اطاعت کریں، اس اللہ کی اطاعت کریں جس کی عبادت کرے جس کی ہے اور جس کی اطاعت کی ہر مخلوق پابند ہے، جو اس بات کا متقن ہے کہ تمام مخلوق اسی کا دین اختیار کرے اور اسی کی وحدانیت اور ربوبیت کے سامنے سر تسلیم کرے۔

اس کے سوا کوئی اور الٰہ نہیں ہے یعنی الوہیت کے لائق صرف وہی ذات واحد ہے جس نے مخلوق کو اپنی عبادت کا حکم دیا اور تمام بندوں پر جس کی اطاعت لازم ہے۔

پھر فرمایا ﴿یاک ہے وہ اس شرک سے جو یہ اس کی جناب میں کرتے ہیں﴾ یعنی اللہ تعالیٰ پاک اور منزہ ہے اس بات سے کہ اطاعت کے معاملے میں اس کے ساتھ دوسروں کو شریک کیا جائے (تفسیر الطبری ۱/۱۳۷: ۱۵۵)۔

اس آیت میں رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"قوله تعالى: ﴿وَلَا يَتَّخِذُ بَعْضُهُمْ آيَاتُ اللَّهِ هُزُوًا﴾ اي لا ينهه في تحليل الا فيما حله الله تعالى، وهو نظير قوله تعالى: ﴿اتَّخِذُوا حِجَابَهُمْ وَرَحِمَتَهُمْ﴾ اي بآيات من دون الله، معناه أنهم انزلوه منزلة ربهم في قبول نحو ربهم وتحليلهم لما لم يحرمه الله ولم يحلله الله".

"ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: ﴿اور ہم میں سے بعض بعض کو اللہ کے سوا رب نہ بنائیں﴾ یعنی کسی چیز کو حلال قرار دینے میں ان کی پیروی نہ کریں سوائے ان چیزوں میں جنہیں خود اللہ نے حلال قرار دے یا یہ فرمان مبرا کہ اللہ تعالیٰ کے ایک اور فرمان کی مانند ہے، وہاں ارشاد ہوتا ہے کہ ﴿آیتوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنارکھا تھا﴾ یعنی وہ چیزیں جنہیں اللہ نے حرام یا حلال قرار نہیں دیا تھا، اہل کتاب نے انہیں حلال و حرام قرار دینے کے معاملے میں اپنے علماء اور درویشوں کو رب کا مقام سے رکھا تھا" (تفسیر القرطبی ۲/۶۰۶)۔

اس منہزم رحمہ اللہ اللہ تعالیٰ کے اسی فرمان ﴿اتَّخِذُوا حِجَابَهُمْ وَرَحِمَتَهُمْ﴾ اور بآیات من

دون الله﴾ "آیتوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنارکھا تھا" کے بارے میں فرماتے ہیں۔

"لما كان اليهود والنصارى بحرهم ما حرم احياءهم ورعايتهم، وبحلون ما احلوا كانت هذه وبوبية صحيحة وعبادة صحيحة قد دالوا بها، وسمى الله تعالى هذا العمل اتخذا آيات من دون الله وعبادة، وهذا هو الشرك من دون الله بلا خلاف".

"جب یہود و نصاریٰ نے اپنے علماء اور درویشوں کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کر دیا اور حلال کر دیا تو یہی بات ٹھیک ہو، پر ربوبیت اور عبادت کو بائی، اور اللہ تعالیٰ نے اسی عمل کو "اللہ کے سوا رب بنانا" اور غیر اللہ کی عبادت کرنے" سے تعبیر کیا۔ اور باوجود اس عمل کے شرک ہونے میں کوئی اختلاف نہیں" (المصل ۲۶۳)۔

شیخ الاسلام تیمور رحمہ اللہ حضرت عدی بن حاتم کی حدیث کا تذکرہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"فقد بين النبي ﷺ أن عبادتهم اياهم كانت في تحليل الحرام ونحرهم الحلال، لا أنهم صلوا اليهم وصاموا لهم، ودعواهم من دون الله، فهذه عبادة الرجال، وهذا ذكركم ان ذلك شرك بقوله: ﴿لا اله الا هو سبحانه عما يشركون﴾".

"نبی اکرم ﷺ نے یہاں یہ بات واضح کر دی کہ تمام کو حلال قرار دینے اور حلال کو حرام قرار دینے میں ان کی بات ماننا ہی ان کی عبادت کرنا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ ان کے لیے نماز پڑھتے تھے یا ان کی خاطر روزے رکھتے تھے یا اللہ کے سوا انہیں پکارا کرتے تھے۔ (حلال و حرام قرار دینے کے مسئلے میں اللہ کے بجائے انسانوں کی اطاعت کرنا)۔ رسول انسانوں کی عبادت کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے وضاحت کے ساتھ اسے شرک قرار دیا ہے، چنانچہ فرمایا: اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، پاک ہے وہ اس شرک سے جو یہ اس کے ساتھ کرتے ہیں" (بخاری التاوی ۶۷۷)۔

اسی طرح امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وقوله تعالى: ﴿وَأَيُّ أَلْعَمَوهُمُ الْكُفْرَ الْمُنْكَرَ﴾ أي حُبِّ عَدْلِهِمْ عَنْ أَمْرِ اللَّهِ وَلِكُمْ وَشِرْعَةِ الْإِثْلِ غَيْرِهِ، فَقَدْ مَنَعَهُمْ ذَلِكَ، فَبُذِلَ هُوَ شِرْكٌ، كَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿تَصَدَّقُوا أَحِبَّارَهُمْ وَوُهَيْبَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ وَقَدْ رَوَى التِّرْمِذِيُّ فِي تَفْسِيرِهِ عَنْ عَبْدِ بْنِ حَتَّامٍ أَنَّهُ قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا عَدُوهُمْ، فَقَالَ: بَلَنِي، إِنَّهُمْ أَحَلُّوا لَهُمُ الْحَرَامَ، وَحَرَمُوا عَلَيْهِمُ الْحَلَالَ، فَاتَّبَعُوهُمْ، لِذَلِكَ عِبَادَتُهُمْ أَبَاهُمْ.“

”اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اور اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو یقیناً تم شرک ہو جاؤ گے﴾ یعنی جب بھی تم نے اللہ کے احکامات اور اس کی شریعت کو چھوڑ کر کسی دوسرے کا قول اختیار کیا اور اسے اللہ کی شریعت پر مقدم ٹھہرا تو یہی من شرک ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿انہوں نے اپنے علماء اور ربوہ یوں کو اللہ کے سوا رب بنا رکھا تھا﴾۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت عدی بن حاتم کی روایت نقل کی ہے انہوں نے عرض کیا کہ:

”اے اللہ کے رسول: اہل کتاب نے ان کی عبادت تو نہیں کی“

تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”کیوں نہیں؟ ان کے علماء و مشائخ نے حرام چیزوں کو حلال اور حلال چیزوں کو حرام قرار دیا اور انہوں نے پھر بھی ان کی پیروی کی، اسی کو تو عبادت کہتے ہیں“ (تفسیر ابن کثیر ۲: ۳۵۰)۔

اسی طرح ذیل آیت مبارکہ کی تفسیر فرماتے ہیں:

﴿وَاتَّخَذُوا أَحِبَّارَهُمْ وَوُهَيْبَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾

”انہوں نے اپنے علماء اور ربوہ یوں کو اللہ کے سوا رب بنا لیا تھا“

”وقال السدي: استنصبوا الرجال، ونبذوا كتاب الله وروا ظهروهم، ولهذا قال تعالى: ﴿وَمَا أَرْبَاؤُهُمْ إِلَّا لِبَعْدِهَا وَالْهَادِئَةِ﴾ أَيِ الَّذِي إِذَا حَرَّمَ الشَّيْءَ فَهُوَ الْحَرَامُ، وَمَا حَلَّلَهُ فَهُوَ الْحَلَالُ، وَمَا شَرَعَ اتَّبَعُوا، وَمَا حَكَمَ بِهِ نَفَذُوا ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ

سبحانه عما يشركون﴾ يَهْدِي إِلَى تَعَالَى، وَتَفْهَمُ عَنْ الشِّرْكَاءِ وَالْطُّغَاةِ وَالْأَعْوَانِ وَالْأَعْدَادِ وَالْأَوْلَادِ، لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ، وَلَا رَبَّ سِوَاهُ“.

”نام سہتی فرماتے ہیں: (آیت مبارکہ کا مقصود یہ ہے کہ) انہوں نے انسانوں کو اپنا خیر خواہ جانتے ہوئے ان کی طرف رجوع کیا اور اللہ کی کتاب کو پیچھے چھینک دیا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اور انہیں قراؤں کی بات کا حکم دیا گیا تھا کہ وہ ایک الگ الگ عبادت کریں﴾ یعنی وہ الہ واحد جو کسی چیز کو حرام قرار دے تو وہ حرام ہوگی اور وہ جسے حلال کر دے تو وہ حلال ہوگی، وہ ذات جس کی شریعت اسباب الطاعہ سے اور جس پر حکم نافذ العمل ہے (جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں) وہ پاک ہے اس شرک سے جو اس کے ساتھ کرنے کے لیے یعنی اللہ تعالیٰ ان کے معرکہ کردہ شرکوں و ظہیروں سے، انصار و اعوان سے اور اعداء و اولاد سے پاک اور بلند تر ہے، اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، یعنی اس کے سوا کوئی پروردگار ہے“ (تفسیر ابن کثیر ۲: ۳۵۰)۔

امام شاکانی رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں:

”وَمَعْنَى الْآيَةِ إِنَّهُمْ لَمَّا أَطَاعُوهُمْ فِيمَا بَاغَوْهُمْ بِهِ وَبَنَوْهُمْ عَنْهُمْ، كَأَنَّهُمْ لَعَنُوا لَعْنَةَ الْمُتَكَبِّرِينَ لَهُمْ أَرْبَابًا، لِأَنَّهُمْ أَطَاعُوهُمْ كَمَا نَطَاعَ الْأَرْبَابَ“.

”آیت مبارکہ کا معنی یہی ہے کہ جب انہوں نے اپنے علماء و ربوہ یوں کے اوامر و نواہی کی (غیر مشروط) اطاعت کی تو گویا انہیں رب بنا لیا، کیونکہ جس طرح رب کی (غیر مشروط) اطاعت کی جاتی ہے اسی طرح انہوں نے اپنے علماء و ربوہ یوں کی اطاعت بھی (غیر مشروط) ادا کر لی“ (فتح القدیر ۲: ۳۵۳)۔

علامہ ائمہ شافعیہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں:

”الغرضاء في الأموال والأعراض والدماء بقانون مخالف لشريعة أهل الإسلام، وأما قانون ملزم لأهل الإسلام بالاحتكام إلى حكم غير حكم الله، هذا الفعل اعراض عن حكم الله، ورغبة عن دينه، وهذا كفر لا يشك أحد من أهل

القبلة علی اختلافہم فی تکفیر القائل بہ والداعی الیہ"

"لوگوں کے جان، مال، آبرو کے معاملات میں کسی ایسے قانون کی بنیاد پر فیصلے صادر کرنا جو شریعت کے خلاف ہو اور ایسے قانون بنانا جو مسلمانوں کو احکامات الہی چھوڑ کر کسی دوسرے قانون کی طرف رجوع کرنے کا باعث بنے ہوں۔۔۔ رہا کہ اللہ کے حکم سے اعراض اور اس کے دین سے عداوت کرنے کے مترادف ہے، اور اہل قبلہ کے تمام مختلف طبقات اس کے کفر ہونے میں ذرا شک نہیں کرتے، نہ ہی اس کی طرف ہالے والے اور دعوت دینے والے کو کافر کہنے میں کوئی تردد کرتے ہیں" (حاشیہ فقیر ابن جریر، ص ۳۲۸/۳۲۹)۔

علامہ محمد امین <sup>رحمۃ اللہ علیہ</sup> فرماتے ہیں:

"تحکیم النظام المتخالف لتسویع خالق السماوات والأرض فی انفس المصنوع وأموالہم وأعراضہم وأنسابہم کفر، مخالف السماوات والأرض، وضمود علی نظام السماء، الذی وضعہ من خلق المخلوق کلیہا، وهو أعلم بمصالحہا سبغہ ونعالیٰ ان یکون معہ منسوخ آخر علوا کسرا ﴿لعمریہم شرکاء﴾ شرعوا لہم من الدین ما لم یأذن بہ اللہ، ﴿فلأرأینہم ما أنزل اللہ لکم من رزق فجعلنہم منہ حراما وحلالا﴾ فلألہ أذن لکم أم علی اللہ تنفرون کہ۔"

"لوگوں کے جان، مال، عزت و نسب کے معاملات میں فیصلے کے لیے خالق ارض و سما کی نازل کردہ شریعت کے خلاف کسی نظام کی طرف رجوع کرنا خالق ارض و سما کے ساتھ کفر اور اس کے نظام اور کائنات کے خلاف سرکشی ہے، جسے اس عالمی ذات نے وضع کیا ہے۔۔۔ جو تمام کائنات کا خالق ہے اور اس کی مصلحت و بھلائی سے خوب واقف ہے۔ وہ بہت پاک اور بلند ہے اس بات سے کہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا بھی شریعت ساز ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿کیا یہ لوگ ایسے شرکیان خدا کہتے ہیں جنہوں نے ان کے لیے دین کی نوعیت رکھنے والا کوئی ایسا طریقہ مقرر کر دیا ہے جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا﴾

اور ارشاد ہے: ﴿وآپ کہہ دیجیے کہ بھلا دیکھو! اللہ نے تمہارے لیے جو رزق نازل فرمایا تم

۔۔۔

اس میں سے بعض کو ہم تمہارا اور بعض کو حلال (ان سے) پوچھنے کے کیا اللہ نے تمہیں اس کا حکم دیا یا اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو کہ؟" (نضو، الجہان ۸۳/۴)۔

## دوسری فصل

دستور پاکستان میں موجود خلاف شریعت قوانین کی مثالیں

اللہ تعالیٰ کی توہین و لعنت سے ہم اس فصل میں دستور پاکستان کی بعض ایسی دفعات کا ذکر کریں گے جو شریعت کے متعلق علیہ اجماعی احکام سے متصادم ہیں۔ البتہ یہاں دستور اور شریعت اسلامی کے بائیں پاسے جانے والے تمام تضادات کا احاطہ کرنا مقصود نہیں، بلکہ اختصار کے پیش نظر صرف نمایاں ترین تضادات کے ذکر سے پر اکتفا کیا گیا ہے۔

میں نے اس بحث کو درج ذیل مضامین میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) پہلا تضاد: نمازنگاہ پارلیمان کی غالب اکثریت کو غیر شرعاً، غیر متعین اور مطلق حق قانون سازی حاصل ہے۔

(۲) دوسرا تضاد: بعض اشخاص اور ادارے جرم کے سزا کے اور بجائے سے بالاتر ہیں

(۳) تیسرا تضاد: سربراہ ریاست (نائب صدر) کو جرم کے جرائم معاف کرنے کا حق ہے۔

(۴) چوتھا تضاد: قاضی کے لیے عادل ہونے کی شرط نہیں لگائی گئی، جبکہ مسلمان ہونے کی

شرط بھی محض شری

عدالت کے قاضی کے لئے عائد کی گئی ہے

(۵) پانچواں تضاد: سربراہ ریاست کے لئے مرد ہونے کی شرط نہیں عائد کی گئی

(۶) چھٹا تضاد: ہر اس شخص کو جماعت کی خلاف ورزی کا کیا گیا ہے جس نے جرم کا ارتکاب اس فعل کو

قانونی طور پر

جرم قرار دیے جانے سے قبل کیا ہو

(۷) سا تو ان تضاد: ایک جرم پر دو دفعہ سزا دینے کی قصویٰ ضمانت

(۸) آجھواں تضاد: سزا کے حوالے سے دستور کا خلاف

پہلا تضاد

نمائندگان پارلیمان کی غالب اکثریت کو غیر مشروط، غیر متعذر اور

مطلق حق قانون سازی حاصل ہے

آئین کی دفعات ۱۲۳ اور ۲۳۹ واضح طور پر مجلس شری (یعنی پارلیمان) کے نمائندوں کی غالب اکثریت کا یہ حق تسلیم کرتی ہیں کہ وہ دستور میں جیسے چاہیں تبسیم کریں اور اس حق کے استعمال پر کسی بھی طرح پر کوئی پابندی اور کھمبہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔

دوسرا تضاد

بعض اشخاص اور ادارے ہر قسم کے محاکمے اور محاسبے سے بالاتر ہیں

دستور پاکستان نے واضح طور پر کئی شخصیات اور اداروں کو ہر قسم کے محاکمے اور محاسبے سے بالاتر قرار دیا ہے۔ مثلاً شرعی عدالت میں اور نہ ہی کسی اور عدالت میں ان کے افعال پر گرفت کرنا ممکن ہے۔ لیکن اس سے قبل کے میں مثالوں کے ذریعے اس مسئلے کو واضح کر دوں، پہلے ہم اس کا جائزہ لیں گے کہ شریعت ایسے قانونی تحفظ کو کس لگاؤ سے دیکھتی ہے چنانچہ میں نے اللہ کی توفیق سے اس بحث کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے:

(الف) پہلا بحث: کیا کسی شخصیت اور ادارے کو ایسا قانونی تحفظ حاصل ہو سکتا ہے کہ وہ

شرعی احکامات کی پابندی اور اطاعت سے مستثنیٰ ہو جائے؟

(ب) دوسرا بحث: دستور پاکستان کی وہ دفعات جو بعض شخصیات کو محاکمے اور محاسبے سے

بالاتر قرار دی گئی ہیں۔

(الف) پہلا بحث

کیا کسی شخصیت یا ادارے کو ایسا قانونی تحفظ حاصل ہو سکتا ہے کہ وہ شرعی

احکامات کی پابندی اور اطاعت سے مستثنیٰ ہو جائے؟

یہ ایک ثابت شدہ شرعی حکم ہے کہ کسی شخص یا ادارے کو یہ دعویٰ کرنے یا یہ زعم رکھنے کا حق حاصل نہیں کہ اس کے قہر نامہ شرعی محاسبے سے بالاتر ہیں۔ پس جب ایسا زعم رکھنا بھی شرعاً جائز نہیں تو باقاعدہ قانون سازی کے ذریعے کسی فرد یا ادارے کو شریعت کی پابندی سے مستثنیٰ قرار دینا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟

میں اس مختصر چند مثالیں ذکر کر رہا ہوں جن سے واضح ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تمام مسلمان کس طرح شرعی احکامات اور عدالتی فیصلوں پر سر تسلیم خم کرتے تھے۔ نیز ان مثالوں سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ دستور پاکستان میں موجود اس شیطانی اصول کی نظیر پوری اسلامی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی، حتیٰ کہ اسلامی نظام حکومت کے تحت گزرنے والے ظلم اور انحراف کے بدترین ادوار بھی اس شیطانی اصول سے پاک رہے ہیں۔ لیکن بالآخر فکری استبداد کی لگت کے فرزند اور غاصب کفار کے آل کا راستہ پر غالب آئے اور انہوں نے اس شیطانی اصول کو باقاعدہ قانون کا درجہ دیا۔

چنانچہ ایک نام نہاد اسلامی ریاست پاکستان کے نام نہاد اسلامی دستور میں درج اس اصول کی حقیقت کو کھلنے کے لیے میں اپنی بحث کو درج ذیل نکات میں تقسیم کر دوں گا:

پہلا نکتہ: نبی کریم ﷺ کی سنت مطہرہ اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پاکیزہ

سیرتوں سے اس کا قیاس اصول کار

دوسرا نکتہ: اقوال علماء سے اس کا قیاس اصول کار

تیسرا نکتہ: اسلامی تاریخ سے ایسی مثالیں جہاں سلاطین نے شرعی فیصلوں کے سامنے اختیار

والے۔

پہلا نکتہ:

نبی اکرم ﷺ کی سنت مطہرہ اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین

کی پاکیزہ سیرتوں سے اس فاسد اصول کا رد

اولا: سنت رسول ﷺ سے: اہل

(۱) عن عائشة رضي الله عنها: ان رؤبنا اهنهم المرأة المنخر ومبة، التي سرفت، فقالوا: من يكلم رسول الله ﷺ؟ ومن يجنوى، عليه؟ الا اسامة بن زيد حب رسول الله ﷺ، فكلم رسول الله ﷺ، فقال: اتشفق في حد من حدود الله؟ ثم قام فخطب قال: يا ايها الناس اتصل من فيكم لهم كانوا اذا سرف الشربف نركوه، واذا سرف الضعيف فيهم اقاموا عليه الحد، واهم الله لو ان فاطمة بنت محمد ﷺ، سرفت لقطع محمد بدنها،

امام بخاری رحمہ اللہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک عذری خاتون نے چوری کی جس پر قریش کے لوگ بہت پریشان ہوئے۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے محبوب اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو انوکھی بھی آپ ﷺ سے اس خاتون کی سفارش (کرنے کی جرات) نہیں کر سکتا۔ چنانچہ (لوگوں کے کہنے پر) اسامہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے اس عذری خاتون کی سفارش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”کیا تم اللہ کی حدود میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کرتے ہو؟“

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا اور فرمایا:

”اے لوگو! تم سے پہلی امتوں کے گمراہ ہوئے کہ سب یہ تھا کہ جب کسی حد ضرر پوری کرنا تو وہ اسے چھوڑ دیتے اور جب ان میں کوئی کڑی شخص چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے۔ اللہ کی قسم اگر فاطمہ بنت جحش (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی چوری کرتی تو خود جحش (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کا ہاتھ کاٹتے۔“ (صحیح البخاری، کتاب الحدود، باب کراہیۃ الشفاعة فی الحد اذا راعی فی السلطان، حدیث (۲۳۰۶) ۱۷/۲۳۱)۔

امام ابن جریر رحمہ اللہ اس حدیث میں جو روایات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”وفیه ما بدل علی ان فاطمة علیہا السلام عند ابیہا، ﷺ، فی اعظم المظلول۔“

....وفیه نکرہ المحابة فی اقامة الحد علی من وحب علیہ ولو کان ولدا فیربوا او کبیر الفدر والنشدید فی ذلک والاکثار علی من وخص فیہ او نعرض للشفاعة فیمن وحب علیہ۔

....وفیه الاعنار باحوال من مضی من الایم ولا سبما من مخالف امر الشرع۔“

”یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے والد محترم ﷺ کے نزدیک عظیم ترین مقام کی حامل تھیں۔“

--- نیز اسی حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کے خلاف حد قائم کرنا واجب ہو جائے تو اسے سزا سے بچانے کی کوشش کرنا درست نہیں، چاہے وہ شخص اپنا بیٹا یا قریبی رشتہ دار یا کوئی بہت محترم آدمی ہی کیوں نہ ہو۔ یہ حدیث اس معاملے میں بہت تلخ کا روٹی ہے اور اس شخص پر گرفت کرتی ہے جو کسی مستحق سزا فرد کے لئے رخصت تلاش کرے یا اس کے حق میں سفارش کرے۔

--- اسی طرح یہ حدیث گزشتہ قیموں، بالخصوص شریعت کی مخالفت کرنے والوں کے لئے امام سے عبرت حاصل کرنا بھی سکھاتی ہے۔ ”لا یج البابی الا من جر کتاب اللہ، باب کراہیۃ الشفاعة فی



آپ ﷺ نے ان لوگوں کو بلا اور پوچھا کہ:

"کیا تمہاری کتاب میں زانی کی سزا (حد) بیان کی گئی ہے؟"

تو انہوں نے کہا: جی ہاں

پھر آپ ﷺ نے ان کے ایک عالم کو بلا اور پوچھا:

"میں تجھے اس اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی

کیا تم اپنی کتاب میں زانی کی سزا دیتے ہو؟"

تو اس نے کہا:

نہیں، اور اگر مجھے یہ قسم نہ دی ہوتی تو میں تمہیں کبھی بھی سزا نہ دیتا۔ تو رات میں تو رحم

(سکساری) کی سزا ہی دے گا ہے، لیکن کیا کہیں کہ ہمارے معزز لوگوں میں زنا کا جرم کثرت سے پیش

آگیا۔ پس جب ہم کسی معزز شخص کو اس جرم میں پکڑتے تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی ضعیف ہمارے

ہاتھ چڑھتا تو اس پر حد قائم کر دیتے۔ بالآخر ہم نے کہا کہ کسی ایسی سزا پر متفق ہو جائیں جو معزز اور سب سے

دلوں قسم کے افراد کو دی جاسکے پھر ہم نے رجم کی جگہ زندان کر کے مار کوڑے مارنے کی سزا مقرر کر دی۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اے اللہ! میں میرے حکم کو زندہ کرنے والا پہلا شخص ہوں میرے لوگ ترک کر چکے ہیں۔"

پھر آپ ﷺ نے تمام دبا اور اس پر ہونی کو رجم (سکسار) کر دیا کیا۔ اس موقع پر اللہ عز و جل

نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ لَا يَجْرِزُكَ الدِّينُ بَسْ وَأَعِزُّ لِيَ الْكُفْرَ﴾ سے لے کر ﴿وَإِنْ

أُوتِيتُمْ هَذَا فَخَلُّوهٖ﴾ تک۔

(صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب وجہ اليهود أهل الذمۃ فی الزانی،

حدیث (۱۷۰۰) ۱۳۶/۳۔

(۳) امام بیہقی رحمہ اللہ اپنی کتابی رحمہ اللہ سے روایت نقل کرتے ہیں، آپ فرماتے ہیں:

"فقال ان كان اسيد من حنظل وجلا صاحبك مليحا قال: فبينما عند رسول

الله ﷺ. حدثت القوم وبعثهم قطع رسول الله ﷺ. باصبعه في حاصرته،

لفعال: او جعنى قال: "انقص" قال: يا رسول الله ان عليك فمحصا، ولم يكن علي

لمبص، قال: فرفع رسول الله ﷺ. فمحصه، فاحتضنه، ثم جعل يقبل كتفحه، فقال.

ماي أمت وأمي يا رسول الله! اودت هذا".

"حضرت اسید بن خضر رضی اللہ عنہ ایک خوش مزاج اور نیک آدمی تھے، ایک مرتبہ وہ رسول

اللہ ﷺ کی مجلس میں کچھ لوگوں کے ساتھ بات چیت کر کے انہیں بشارتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ

نے ان کے پیلوں میں اپنی اچھی چھودی تو انہوں نے کہا:

آپ نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تو پھر بدلہ لے لو!

انہوں نے کہا:

آپ نے تو تمہیں بہن رکھی ہے جبکہ میں نے تو تمہیں نہیں بہن ہوئی تھی۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنی قمیص اوپر اٹھادی تو وہ آپ ﷺ سے چپٹ گئے اور

آپ کے پیلوں کو بوسہ دینے لگے، پھر فرمایا:

اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان، میں تو بس یہی چاہتا تھا۔"

(مسند البیہقی الکبیر، باب ما جاء فی فضل الامام ۳۹۸، ویاب ما جاء

فی قبلة الجسد، حدیث (۱۳۶۳) ۱۰۲/۷، سنن ابی داؤد، کتاب الطاء

المهمله، طلب الاستفادة من السنن، حدیث (۱۶۶۱) ۵۳۲/۴۔

شیخ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اور یہاں کہ امام ڈھمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، یہ روایت امام بیہقی نے ابولسلیٰ سے قوی سند



کے ساتھ روایت کی ہے۔۔۔۔۔

(کشف الحفاء، حروف الطاء المہملہ، طلب الاستفادة من النبی ﷺ، حدیث (۱۶۶۱) ۵۳۲)۔

نیز شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

(مسند کذا المصباح بتحقیق الألبانی حدیث (۳۶۸۵) ۱۳/۳، صحیح

وضعیف من نبی داؤد، حدیث (۵۲۲۳) ۲۳/۱۱)۔

(۳) شیخ اسماعیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وحدثنی حبان بن واسع بن حبان عن أنس بن قومه أن رسول الله ﷺ،

عبد صفوف أصحابه يوم بدر، وفي بده فدهح بعدل به القوم، فمر سواد بن غربة

حليف بني عدي بن النجار وهو مسئول من الصف، فطعن في بطنه بالدهح، وقال:

"استو بسواد" فقال: يا رسول الله اوجعتني، وقد بعثك الله بالحق والعدل، قال:

: فأنفدني. فكشف رسول الله ﷺ عن بطنه وقال: "استغ" قال: فاعتقه، فقبل

بطنه، فقال: "ما حملك على هذا يا سواد؟" قال: يا رسول الله، حضرت ما ترضى،

فأردت أن يبيكون آخر العهد بك أن يبس جلدك جلدك. فدهاله رسول الله

ﷺ بحجر.

"مجھے ہے حبان بن واسع بن حبان نے اپنی قوم کے بزرگوں سے نقل کرتے ہوئے بیان کیا

کہ بدر کے دن رسول اللہ ﷺ آپ سے صحابی کی صفیں درست فرما رہے تھے اور آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک

اٹلی تھی جس کے ذریعے آپ لوگوں کو سیدھا کر رہے تھے کہ اسی دوران آپ کا گذری بنی عدی بن النجار

کے حلیف سواد بن غزیہ (رضی اللہ عنہ) پر ہوا جو صف سے گھرے آگے لنگھتے ہوئے تھے تو آپ نے

ان کے پیٹ پر اٹلی چھو کر فرمایا:

اے سواد! سیدھے ہو جاؤ!

اور نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا:

اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے، اور اللہ نے آپ کو حق و عدل کے ساتھ

جوڑ فرمایا ہے لہذا مجھے بدلہ دیا ہے۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے اپنے اسٹن سہارک سے کپڑا پٹایا اور ان سے فرمایا:

دلہ لے لو۔

تو وہ آپ ﷺ کے ساتھ چمٹ گئے اور آپ کے اسٹن سہارک کا برسرہ لینے لگے۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا:

اے سواد! کس بات سے تمہیں یہ حرکت کرنے پر ابھارا؟

انہوں نے عرض کیا:

اے اللہ کے رسول آپ جانتے ہیں کہ دشمن سے نکراؤ کا مسرت آگیا ہے، پس میں چاہتا تھا کہ

میرے پاس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق کا اختتام یہ ہو کہ میری جلد آپ کی جلد کو چھو لے۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے دعائے خیر فرمائی۔

(مسند ابن ہشام، غزوة بدر الكبرى ۲۲۶)۔

شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس روایت کی سند حسن ہے۔

(السلسلة الصحيحة حدیث (۲۸۳۵) ۳۳/۶)۔

ثانیاً:

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کی پاکیزہ سیرتوں سے دلائل

(۱) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اسوہ

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وقال محمد بن اسحاق: حدثني الزهري، حدثني انس بن مالك، قال

: لما يوع ابو بكر في السفينة وكان الحد جلس ابو بكر في المنبر ، وقام عمر فنكبه  
فيل ابى بكر ، ثم نكتم ابو بكر فحمد الله والى عليه بما هم اهلہ .

ثم قال : اما بعد ايها الناس فاني قد وليت عليكم ولست بهخير كم ، فان  
احسنت فاعينوني ، وان اسأت فلعنوني . الصدق امانة ، والكذب حيانہ ،  
والضعيف منكم قوي عندى حتى اوبح علنه ان شاء الله ، والقوي فيكم ضعيف حتى  
اخذ من الحق ان شاء الله ، لا بد ع قوم جهاد في سبيل الله الا ضربه الله بالذل ،  
ولا ينسج قوم فقد الفاحشة الا عظمهم الله بالبلاء .

اطيعوني ما اطعت الله ورسوله ، فاذا عصيت الله ورسوله ، فلا طاعة لي  
عليكم ، فهو ااني صلاتكم بروحكم الله“ .

وهذا السناد صحيح . فنقله وحسن الله عنه . "ولكنكم ولست بخيركم" من

باب الهضم والنواضع ، فانهم مجمعون على انه الفضلهم وخبرهم وحسن الله عنهم“  
”تحریر اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے دہری اور ہرئی کو اس بن مالک رضی اللہ عنہ

نے بتایا کہ جب سقیہ بنی ساعدہ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ پر بیت خلافت ہوئی تو اسگے  
دن سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ بہر خلافت پر بیٹھے اور آپ سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گفتگو کی ۔ اس  
کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے ساتھ اپنی گفتگو کا آغاز کیا ، پھر فرمایا :

”اے لوگو ! مجھے تمہارا امام مقرر کیا گیا ہے حالانکہ میں تم میں بہترین آدمی نہیں ہوں لہذا

اگر میں اچھا کام کروں تو میری مدد کرو اور اگر میں غلط کام کروں تو مجھے سیدھا کر دینا ۔ سچ بولنا امانت داری  
ہے اور جھوٹ بولنا خیانت ہے ۔ تم میں سے کزور آدمی میرے نزدیک طاقت ور ہے یہاں تک کہ میں  
اللہ کی مشیت سے اس کی مشکل دور نہ کروں ، اور تم میں سے طاقت ور آدمی میرے نزدیک کزور ہے  
یہاں تک کہ میں اللہ کی مشیت سے کزور کا حق اس سے وصول نہ کروں ۔ اور (یاد رکھو کہ) جب کوئی قوم  
جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ دیتے تو اللہ تعالیٰ اس پر ذلت مسلط کر دیتے ہیں اور جب کسی قوم میں فاشی پھیل

جائے تو اللہ تعالیٰ اس پر کڑی قوم پر خطاب نازل فرمادیتے ہیں ۔ میری اطاعت کرو جب تک میں اللہ اور  
اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اور جب میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر سے  
میری اطاعت بھی ساقط ہو جائے گی ۔ اب نماز کے لیے کھڑے ہو : اللہ تم پر نازل فرمائے ۔“

اس روایت کی سند صحیح ہے ۔ رہا آپ کا یہ فرمانا کہ : ”مجھے تمہارا امام مقرر کیا گیا ہے“ یہ بات اگر اس  
تم میں سے بہترین آدمی نہیں ہوں“ تو یہ آپ کی قاضیہ اور انصاف ہے ، اگر نہ اس پر تو ناجائز باتوں  
اللہ تعالیٰ تمہیں ناکام بنا کر دکھائے گا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ اس سب سے افضل اور سب سے بہتر ہے ۔

(البدایہ والنہایہ ، فصل فی ذکر امور ولعت بعد وفاتہ رضی اللہ عنہ و قبل دفعہ  
ومن اعظمها واجلها وأبعثها برکۃ علی الاسلام وأهلہ بیعة انبی نکر الصديق وحسن  
اللہ ۲۳۸/۵ . مزید دیکھئے : تاریخ الطبری ، ثم دخلت سنة احدى عشرة  
۲۳۸/۲ . المعجم الأوسط للطبرانی ، باب القين ، من اسمه منصور ، حديث  
(۸۵۹/۸) ۲۶۷ . مجمع الزوائد ، كتاب الخلافة ، باب الخلفاء الأربعة  
۱۸۳/۵ . كنز العمال ، حرف الخاء ، كتاب الخلافة مع الاسادة حديث  
(۱۵۰۵۰) ، (۱۳۰۶۳) ، (۱۳۰۷۳) ، (۱۳۰۷۴) ، (۱۳۱۱۲) ، ۸۵۹/۵ الی ۶۲۴ تاریخ  
الخلفاء ، ابو بکر الصديق ، تفصل فی مباحثہ وحسن الله عنه ۶۷۱ ، ۶۷۲) .

صدق ابو بکر رضی اللہ عنہ نے منصب خلافت سنبھالنے کے بعد اپنے اس پہلے اور عظیم الشان  
خليفة میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ اسلامی حکومت کے بنیادی اصول بیان فرمائے ہیں ۔  
انہی اصولوں میں سے چند ایک یہ ہیں :

(الف) صدیق ابو بکر رضی اللہ عنہ امت سے اس بات کا مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ نیکی کے  
کاموں میں آپ کی مدد کرے اور غلط کاموں میں آپ کے آڑے آ کر آپ کو سیدھا کرے ۔ آپ نے یہ  
نہیں فرمایا کہ اگر میں غلط کام کروں تو تم میرے غلام نہ کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے اور تمہیں میرا محاسب کرنے  
میرے خلاف مقدمہ کرنے کا مجھے سزا دینے کا کوئی اختیار نہیں ۔ جب کہ دستور پاکستان میں کسی فاسد

اصول دروغ ہے۔

(ب) پھر آپؐ نے نہایت تاکید کے ساتھ یہ بیان فرمایا کہ امت کا کزور فرد آپؐ کی نظر میں قوی ہے یہاں تک کہ آپؐ اسے اس کا حق نہ دلا دیں اور امت کا قوی فرد آپؐ کی نگاہ میں کمزور ہے یہاں تک کہ آپؐ اس سے کزور کا حق وصول نہ کر لیں۔ پس آپؐ نے دستور پاکستان کی طرح لوگوں کو درگاہوں میں تقسیم نہیں کیا کہ ایک طرف تو وہ عائد الیاس ہیں جو خدا تعالیٰ میں نہیں سمجھتے جانے اور محتاجے اور سزا کے مستحق ہیں، بلکہ دوسری طرف اعلیٰ مناصب پر برادران و وطنہ ہے، دوسرے قسم کے حکماء کے اور سزا سے بالاتر ہے۔

(ج) پھر آپؐ نے اپنی اطاعت کے قسم کو اللہ کی اطاعت کے ساتھ مشروط کیا ہے کہ اگر آپؐ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کریں تو خالق ہی مصیبت میں امت آپؐ کی اطاعت نہ کرے۔ آپؐ کے اس حذف سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام کے سیاسی نظام میں اللہ اعلیٰ صرف شریعت کو حاصل ہے نہ کہ کثرت کو۔ تمام احکام و قوانین تب ہی واجب الاتباع قرار پاتے ہیں جب وہ شریعت کے تابع اور اس سے موافق ہوں۔ حاکم کا حق امر یا معروف، نہی نہی انکسر بھی اس شرط کے ساتھ مستند اور اسی اصول پر مبنی ہے اور امت پر حکمران کی اطاعت بھی مبنی واجب ہوتی ہے جب وہ شریعت کی تابع داری پر قائم ہو۔ یہاں بھی دستور پاکستان اور شریعت اسلامی کے درمیان خطر کا قضا نظر آتا ہے، کیونکہ دستور پاکستان ارکان پارلیمنٹ کی غالب اکثریت کے بغیر کوئی شرط یا قید عائد کیا گیا اور اعلیٰ کا کلمہ قرار دیتا ہے جیسا کہ پچھلے بحث میں قدرے تفصیل سے بات کر چکی ہے۔

(۲) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اسوہ

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی سند میں ابوہریرہؓ سے روایت نقل فرمائی ہے، وہ کہتے ہیں کہ عمر بن خطابؓ نے فرمایا:

"إنا أنسى والله ما أرسل عثمانى إليكم ليعتصروا أبنائكم، ولا يأتواكم أموالكم، ولكن أرسلهم إليكم ليعلموكم دينكم وسننكم، فمن فعل به شيء سوى

أحد، فليست فيه الهى، فم الذي نفسي بيده أذن لأفصحه منه، فوئب عمر بن العاص لعالم يا أعبير العلف منيس، أو رأيت أن كان رجل من المسلمين على رعية فأذنب بعض هذه أفتشك لمقصده منه؟ قال: إي والذي نفسي بيده، أذن لأفصحه منه، وفد رب رسول الله ﷺ بلغص من نفسه".

"اگر کوئی شخص اللہ کی قسم، میرا اپنے عامل تمہارے پاس اس لئے نہیں بھیجتا کہ وہ تمہارے جسم کو مارے یا تمہارے اموال پر پڑ کر چرائیں۔ میں تو انہیں تمہارے پاس اس لئے بھیجتا ہوں کہ تمہیں تمہارے دین اور سنت کی تعلیم دیں، لہذا جس کے ساتھ بھی اس کے برعکس معاملہ ہو، دور اپنی امت، چھٹک پہنچا ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! میں ظلم کا نشانہ بننے والے کو ضرور بدلہ دوں گا۔"

یہ بات شیعہ ہی محمد بن العاص رضی اللہ عنہ کا کلمہ ہے جو بڑے اور فرمایا:  
اے امیر المؤمنین! اگر مسلمانوں پر مقرر کردہ کوئی ذمہ دار اپنی رعایا کو ادب سکھانے کے لیے ایسا کرے تب بھی آپ اس سے انتقام لیں گے؟  
تو عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

جی ہاں، اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں عمر کی جان ہے! میں تب بھی اس سے ضرور بدلہ دوں گا، کیونکہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو بھی اپنے آپ کو بدلے کے لیے پیش کرتے دیکھا ہے۔"

(مسند احمد، مسند عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، حدیث (۲۸۶)  
۱/۱، مسند ابی داؤد، کتاب الدیارات، باب الفود من الضرورة وفرض الأمر من نفسه، حدیث (۲۵۴) ۱۸۴۳۳۔ الأحادیث المختارة للضياء المقدسي حدیث (۱۱۶) ۲۱۹/۱، المستدرک علی الصحیحین للحاکم النیسابوری، کتاب الفتن والملاحم، حدیث (۸۳۵۶) ۳۸۵۳۳۔ مصنف ابی نسیب، ما یوصی به الأئمة والوفاء بما ینھم، حدیث (۳۹۲۱) ۳۶۱/۲، السنن الکبریٰ للبیہقی، باب

ما جاء في فصل الإمام ۳۸۸ باب الإمام لا يحرم بالقرى ۲۹۹ و باب ما علي  
الوالي من أمر الجيوش ۳۴۹ . مسند أبي يعلى ، مسند عمر بن الخطاب رضي الله  
عنه ، حديث ( ۱۹۶ ) ۱۷۵۱ . تاريخ الطبري ، لم دحل متب ثلاثة وعشرين ،  
ذكر الحر عن رفاذ عمر ، ذكر بعض غيره ۵۶۷۲ .

شہداء شہداء کہہ رہے ہیں اس روایت کی سند کو حسن قرار دیا ہے ۔

(الحرید أو الطوفان للذکوة و حاکم المطیری ص : ۸۳) .

### دوسرا نکتہ :

اقوال علماء سے اس کا مسند اصول کا رد

(الف) امام شافعی رحمہ اللہ کا قول

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

”ذكر الله ما فرض على أهل التوراة فقال عز وجل : ﴿وَكُنْتُمْ عَلَيْهِمْ فِيهَا  
أَنْفُسًا فَبِالْغَيْبِ كَيْفَ عَلِمْتُمْ﴾ ، وروى في حديث عن عمر أنه قال  
”أثبت رسول الله ﷺ - يعطي الفود من نفسه ، وأبا بكر يعطي الفود من نفسه ،  
وأنا أعطى الفود من نفسي“ .

”اہل تورات پر فرض کردہ قصاص کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : ﴿اور ہم نے  
ان پر فرض کیا تھا کہ جان کے بدلے جان ، آنکھ کے بدلے آنکھ ، ناک کے بدلے ناک ، کان کے بدلے کان ،  
دانت کے بدلے دانت اور تمام رگوں کے لئے برابر کا بدلہ ہے ، پھر جو قصاص کا صمد کر دے تو وہ اس کے  
لئے گناہ ہے﴾ ۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کردہ حدیث میں مروی ہے کہ آپ نے فرمایا :

”اس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ اپنی ذات کو بھی بدلے کے لئے پیش کیا  
کرتے تھے ، اسی طرح ابوبکر رضی اللہ عنہ ، بلکہ اس کو بھی آپ کو بدلے کے لئے پیش کرتے تھے اور  
اسی اپنے آپ کو بدلے کے لئے پیش کرتا ہوں“ ۔

(معرفۃ السنن والآثار للبیہقی ، کتاب الجراح ، الفصص فیما دون النفس  
۱۲ / ۱۹۳ ، مصنف عبد الرزاق ، باب فرد النبی ﷺ من نفسه ۲۶۸ / ۹ .  
الطفاط الکبریٰ لابن سعد ، ذکر اعطائه الفود من نفسه ﷺ ۳۷۳ / ۳) .

پھر امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

”ولم أعلم مخالفاً في أن الفصص في هذه الأمة كما حکم الله عز وجل  
أنه حکم به بين أهل التوراة . ولم أعلم مخالفاً في أن الفصص بين الحرين  
المسلمين في النفس وما دونها من الجراح ، التي يستطاع فيها الفصص بلا تلف  
بخلاف على المصنفاد منه من موضع الفود“ .

”مجھے نہیں معلوم کہ کسی اہل علم نے اس بات سے اختلاف کیا ہو کہ اس امر میں بھی قصاص  
کا حکم ویسا ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے اہل تورات پر نازل فرمایا تھا ۔ اور میرے علم کے مطابق اس بارے  
میں بھی کوئی اختلاف نہیں کردہ اور مسلمانوں کے درمیان جان کا قصاص بھی ہوتا ہے اور جان سے کمز  
ہونے والوں کا قصاص بھی جن کا قصاص لینے سے اس شخص کی جان تلف ہونے کا اندیشہ نہ ہو جس سے  
نظامی لایا جا رہا ہے“ ۔

(الامم و جماع الفصص فیما دون النفس ۵۰ / ۲) .

(ب) امام قرطبی رحمہ اللہ کا قول

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

”واجمع العلماء على أن على السلطان أن يفصص من نفسه إن نعدى على  
أحد من رعيته . واذ هو واحد منهم . وإنما له مزية النظر لهم كالوصى والموكيل .

وذلك لا يجمع الفصاح . وليس بينهم وبين العامة فرق في احكام الله عز وجل ،  
لنقله جل ذكره : ﴿ كتب عليكم الفصاح في القتل ﴾ . ثبت عن ابي بكر الصديق  
رضي الله عنه انه قال لرجل شك اليه ان عاملاً قطع يده لى كنت صادفاً لا فديتك  
منه وروى النسائي عن ابي سعيد الخدري قال بينا رسول الله ﷺ يقسم شيناً اذا  
اكتب عليه رجل ، فقطعه رسول الله ﷺ يهرجون كان معه ، فصاح الرجل ، فقال له  
رسول الله ﷺ : " تعال فاستفد " . قال بل عفوت يا رسول الله . وروى ابر داؤد  
عن ابي فراس قال خطب عمر بن الخطاب رضي الله عنه فقال ألا من ظلمه اميره  
فليرفع ذلك الي ابي ابيده منه . فقام عمرو بن العاص فقال يا امير المؤمنين لئن اُديب  
رجل منا رجلاً من أهل رغبته لقصته منه ؟ قال كيف لا أقصه منه ؟ وقد رأت رسول  
الله ﷺ بغص من نفسه . ولفظ ابي داؤد السحستاني عنه قال خطبنا عمر من  
الخطاب فقال الي لم ابعث عمالي ليهربوا أبنائكم ، ولا لياخذوا أموالكم ، فمس  
فعل ذلك به ، فليرفعه الي اقصه منه " .

اس بات پر عام کا اجماع ہے کہ اگر حاکم اپنی رعایا میں سے کسی پر " اتنی کرے تا اسے بھی  
قصاص دینا ہوگا ، کیونکہ وہ بھی انہی کی طرح کا ایک فرد ہے ۔ البتہ حاکم کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اسے  
وہی اور رکسل کی طرح لوگوں کے امور کا دیکھ سکتے اور ان کی نگرانی کرنے کا حق حاصل ہے ، لیکن یہ حق حاکم  
سے قصاص لینے میں رکاوٹ نہیں بنتا ۔ اللہ کے احکامات کے سامنے حکام اور عوام سب یکساں ہیں ،  
کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان سب مسلمانوں کو غالب کر کے پڑتا ہے کہ ﴿ اے ایمان والو! تم پر مقتولین کے  
بارے میں قصاص فرض کیا گیا ہے ﴾

اور یہ بات بھی ثابت ہے کہ ایک شخص نے اگر کوئی رضی اللہ عنہ کے پاس آکر شکایت کی کہ ان  
کے مقرر کردہ عامل نے اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا ہے تو آپ نے فرمایا:

" اگر تم جتے ہو تو میں تمہیں ضرور بدلہ دلاؤں گا " ۔

اسی طرح امام نسائی نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ایک  
مرد رسول اللہ ﷺ کے قتل سے ہزارے تھے کہ ایک شخص آپ ﷺ پر اڑھنھا آجرا ، تو رسول اللہ ﷺ نے  
اپنے پاس موجود دلاؤں کی بات بھڑائی اس پر وہ شخص جی اٹھا تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا:  
" آجے آؤ اور بدلے لے لو " ۔

اس نے کہا " اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا میں نے عتاب کیا " ۔

نیز ابوداؤد و ترمذی نے ابو فراس سے روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطاب  
رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

" سنو! جس شخص پر بھی اس کا سیر ظلم کرے تو وہ اپنی شکایت میرے پاس لا کے ، میں اسے  
بدلہ دلاؤں گا " ۔

یہ سن کر حضرت عمرو بن عامر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور فرمایا:

" اے امیر المؤمنین! اگر تم (اسرا) میں سے کوئی شخص اپنی رعایا میں سے کسی کو ادب سکھانے  
کے لئے مارے تب جب بھی آپ اس سے بدلہ لیں گے؟ " ۔

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

" میں بدلہ کیوں دلاؤں جب کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو اپنے آپ کو بدلے کے لئے  
جیش کرتے دیکھا ہے؟ " ۔

ابوداؤد و ترمذی اس روایت کو ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہمیں  
خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

" بے شک میں اپنے مال تمہارے پاس لئے نہیں بھیجتا کہ وہ تمہاری جلد پر گورے  
برسا گیں ! تمہارے اموال ہر پکار میں لے لیا ، اس کے ساتھ بھی ایسا جاملہ کیا جائے وہ اپنی شکایت  
مجھ تک پہنچائے ، میں اسے ضرور بدلہ دلاؤں گا " ۔

(تفسیر الطبرطی ، تفسیر قولہ تعالیٰ : ﴿ ولکم فی الفصاح حیاة یا اولی

الألباب للملك نفون في البقرة: ۱۵۹، ۲۵۶، ۲۵۷.

(ج) امام ابو بکر انجمن اہل حق رضی اللہ عنہ کا قول:

امام ابو بکر جصاع بنی مرثد فرماتے ہیں:

"فاجرى النسي رضی اللہ عنہ فرض الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر محرو

سائر الفروض في لزوم القيام به مع التخصيص في بعض الواجبات.

ولم يبدع أحد من علماء الأمة وفقائها وسلفهم وخلفهم وجوب ذلك الا قوم من الحشو وجهال اصحاب الحديث، فانهم أنكروا قتال الفتنه الباغيه والأمر بالمعروف والنهي عن المنكر بالصلاح، وسوا الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، فتنه اذا احتج فيه الى حمل السلاح وقتال الفتنه الباغيه، مع ما قد سمعوا فيه من قول الله تعالى ﴿قاتلوا التي نبي حتى نفيء الى امر الله﴾ وما يقتضيه اللفظ من وجوب قتالها بالسبب وغيره

وزعموا مع ذلك ان السلطان لا ينكر عليه الظلم والجور وقتل النفس التي حرم الله، وانما ينكر على غير السلطان لها، لانهم ائتمروا الناس عن قتال الفتنه الباغيه وعن الانكار على السلطان الظلم الجور.

حتى ادعى ذلك الى تغلب بل المجوس، واعاده الاسلام حتى ذهبت الثغور، وشاع الظلم، وخربت البلاد، وذهب الدين والدنيا، وظهرت الزندقة والغلو ومذاهب التنويه والخرميه والمزدكيه، والذي جلب ذلك كله عليهم ترك الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر والانكار على السلطان الجائر، والله المستعان."

"یٰ اے کریم رضی اللہ عنہ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرض کو بھی باقی فرائض کی مانند قرار دیا ہے، لیکن (جس طرح کسی دوسرے فرض کو یہ کہہ کر چھوڑنا جائز نہیں کہ چونکہ مجھ سے فلاں فلاں

واجبات کی ادائیگی میں کوتاہی ہوتی ہے، اس لئے میں یہ فرض بھی نہیں ادا کروں گا، بالکل اسی طرح) بچہ واجبات کی ادائیگی میں کمزوری کے سبب امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو چھوڑنا بھی جائز نہیں۔

خلف و سلف کے علماء اور فقہاء میں سے کسی ایک نے بھی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی فرضیت میں اختلاف نہیں کیا۔ البتہ گروہ جوشہ کے بعض لوگوں نے اور بعض جاہل اصحاب حدیث نے بانہوں سے قتال اور مسلح قتل کے ذریعے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے کو غلط کہا ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک اگر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی خاطر ضرورت پڑے تو بھی ہتھیار اٹھائے جائیں تو یہ فتنہ ہوگا۔ اسی طرح یہ لوگ باقی گروہ کے خلاف قتال کو بھی جتنے سے تعبیر کرتے ہیں حالانکہ اس کی بابت یہ اگ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سہاگ بھی سن چکے ہیں: ﴿یٰ اے نبی! نبی تعادلت کرنے والے گروہ سے قتال کرو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے﴾ یہ آیت صراحت کے ساتھ تلوار اور بگڑ داغ سے قتال کرنے کو واجب قرار دے رہی ہے۔

اسی طرح ان کا موقف ہے کہ حاکم اگر ظلم و جبر کرے اور لوگوں کو ناقص قتل کرے، تب بھی اسے قتل کرنا درست نہیں۔ البتہ حاکم کے سوا دیگر لوگوں کو زبان اور ہاتھ سے روکا جائے گا، لیکن ان کے خلاف بھی تلوار اٹھانے کے قائل نہیں۔

بہنیں یہ لوگ اس امت کے حق میں اس کے کلمہ دشمنوں سے بھی زیادہ مہلک ثابت ہوئے ہیں، کیونکہ انہوں نے امت کو باغی گروہ کے خلاف قتال اور بادشاہوں کے ظلم و جبر پر ناکارے روک دیا ہے۔ ان کے اس باطل موقف کے نتیجے میں فساد و فتنہ غالب آئے، بھوس اور دیگر دشمنان اسلام کے تسلط کی راہ ہموار ہوئی، اسلامی سرحدات پامال ہوئیں، ظلم پھیل گیا، مسلمانیں برباد ہوئیں، دین و دنیا برباد ہوئی، اور زندہ، غلام و ملامہب محو یہ فرمیں اور حرکتیں پوراں پڑ گئے۔ مسلمانوں پر یہ تمام مصائب مسلط ہونے کا سبب یہی تھا کہ وہ امر بالمعروف، نہی عن المنکر، اور علم بادشاہ کو حکم سے روکنا چھوڑ بیٹھے تھے، واللہ المستعان۔"

(احکام القرآن للحمصی، سورة آل عمران، باب فرض الامر

بالمعروف والنہی عن المنکر ۳۶: ۳۶۸)۔

یہاں امام خاص رحمہ اللہ نے نہایت زور دے کر یہ بات بیان فرمائی ہے کہ کئی کئی حکم دینا اور برائی سے روکنا واجب ہے خود اس کا مطلب امت کا حکم کو یا کوئی عام مسلمان۔ پھر اس کے بعد پاکستانی دستور کو کیسے اسلامی دستور کہا جا سکتا ہے جبکہ یہ دستور اور بعض دیگر ایسی سطحی عمدہ داران کو ہر قسم کی چوڑی گھوڑی اور رک ٹوک سے بالاتر قرار دیتا ہے۔

اسم المعروف اور شیخ الحکر تو قدرے چھوٹی بات ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تو ظالم حکمرانوں کے خلاف مسلح خروغ کے معاملے میں بھی اپنے حق و موقف کے سب سے معروف ہیں۔ اگر ان کا مسئلہ یہاں حاکم اور بحث نہ ہوتا تو میں ضرور اللہ کی توفیق سے اس بارے میں تفصیلی بات کرتا۔

(د) ان خرم رحمہ اللہ کا قول

ابن خرم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”الامام الواجب طاعته ما قادنا بكتاب الله تعالى وبسنة رسول الله ﷺ، الذي أصر الكتاب باتباعها، فان ذاع عن شيء منها منع من ذلك، أو أھم عليه الحد والحق“۔

”امام کی اطاعت اس وقت تک واجب ہے جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت..... جس کی اجازت کا حکم خود کتاب اللہ نے دیا ہے..... کے مطابق ہماری قیادت کرے۔ اگر وہ ان دونوں کے کسی بھی حکم سے روگردانی کرتا ہے تو اسے روکا جائے گا، یا اس پر عداوت کی جائے گی اور اس حق رسول کیا جائے گا۔“

(الفصل فی الملل والأہواء والنحل، الکلام فی الإمامة والمفاضلة

۳۶: ۳۶۸)۔

ایک اور مقام پر آپ فرماتے ہیں:

”والواجب ان وقع شيء من الجور وان قل ان يكلم الامام في ذلك وبمعص

منه، فان امتنع وراجع الحق وأذعن للفساد من البشرة أو من الأعضاء ولا خاصة حد الميزان والنفذ والخمر عليه فلا ميسل الى خلعه، وهو امام كما كان، لا يحل خلعه، فان امتنع من امتداد شيء من امتداد الواحداً عليه ولم يراجع وجب خلعه، وإقامة غيره ممن بغض بالحق لغو له تعالى: ﴿وَتَوَاعَا نُوا عَلَى السُّرِّ وَالنَّهْوِ وَلَا تَعَاوَا نُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدَاوَانِ﴾، ولا يجوز لطبيع شيء من واجبات الشريعة“۔

”اگر حاکم سے کچھ ظلم واقع ہو جائے، اگرچہ کسی کیوں نہ ہو: تو حاکم سے اس بارے میں پوچھ پیچھ کرنا اور اسے منع کرنا واجب ہے۔ پھر اگر وہ بار بار جانتے اور حق کی طرف رجوع کر لے اور اپنی جلد با اپنے اعضاء کو بے لے کے لئے پیش کرے، اور ذاتاً، بہتان یا شراب نوشی کی صورت میں خود کو حد نافذ کئے جانے کے لئے پیش کر دے..... تو اسے خلافت کے منصب سے ہٹانا جائز نہیں اور وہ اپنی طرح بطور امام باقی رہے گا جیسا کہ پہلے تھا۔ البتہ اگر وہ اپنے آپ کو ان واجبات کے نفاذ کے لئے پیش کرنے سے انکار کر دے اور حق کی طرف رجوع نہ کرے، تو اس کے منصب سے ہٹانا اور کسی حق پرست حکمران کو اس کی جگہ لانا واجب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اور مکی بقوی کے کاموں پر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو اور انہما دوسری پر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون مت کرو﴾ اور شریعت کے واجب کردہ امور میں سے کسی ایک حکم کو بھی مٹانے کا جزم نہیں (لہذا کوئی حاکم شرعی واجبات کی ادائیگی پر تیار نہ ہو تو اس کتاب میں اس سے تعاون کرنا اور اسے بطور حاکم برقرار رکھنا درست نہیں)۔“

(الفصل فی الملل والأہواء والنحل، الامم بالمعروف والنہی عن المنکر ۱۶: ۱۶)۔

اسی طرح حدیث ”القلو اذوی الیہیات عن انہم“ (یعنی معزز لوگوں کی فطرتوں سے

درگزر کرو) پر بحث کرتے ہوئے امام ابن خرم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ولیس لہ اسقاط حد ولا فصاص۔ وقد قال رسول اللہ ﷺ:

”المنزل منون نیکو فہم“، وقال تعالیٰ: ﴿انما المؤمنون اخوة﴾، فبادا کانوا اخوة

فہم نظراء فی الحکم کله۔ وقال رسول اللہ ﷺ: ”انما ہم کذلک بنو اسرائیل“۔

کائنات اذا سرق فيهم الشريف نوكوه ، واذا سرق فيهم الضعيف افهموا عليه الحد .  
والذي نفسي بيده لو سرق فاطمة بنت محمد لقطعت يدها" او "كما قال عليه  
الصلاة والسلام مما ذكرناه باسنادہ فيما خلا"

اس حدیث سے یہ سرائے لیا درست نہیں کہ صاحبِ شفیت لوگوں پر سے حد اور قصاص بھی  
ساقط ہیں ، کیونکہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

"موتین کے خون برابر ہیں۔"

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

"موتین تو آپس میں بھائی بھائی ہیں پھر

بھی جب دو بھائی بھائی ہیں تو تمام احکامات میں بھی برابر ہیں۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ پر  
بھی فرماتے ہیں:

"بھی اسرائیل بھی اسی طرح تھے کہ جب ان میں کوئی معززا آدمی چوری کرتا تو وہ اسے چھوڑ  
دیتے اور جب کوئی ضعیف آدمی چوری کرتا تو اس پر حد قائم کر دیتے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں  
میری جان ہے اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی چوری کریں تو میں ان کا بھی ہاتھ کاٹ دوں گا"۔ (اثر کما  
قال عليه الصلاة والسلام) یہ حدیث ہم سندِ معتبر پہلے ذکر کیے ہیں۔"

(المحلی ، مسالہ رقم ۲۰۹) ، افاغ ذی الہیئۃ عشرہ ۱۰/۵۲۳) .

(۵) امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ قول:

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ یہودیوں و نصاریٰ کے متعلق بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وذلك بغضی ان مجانبہ ہدیہم مطلقاً أبعد عن الوقوع فيما به هلكوا ،  
وأن المشاركة لهم فی بعض ہدیہم بخلاف علیہ ان يكون هالکاً ، ومن ذلك أنه  
ﷺ حملونا عن مہانبہ من قبلنا فی انہم كانوا یفرون فی الحدود بین الانساب  
والضعفاء ، وأسر ان یسوی بین الناس فی ذلك ، وان کثیراً من ذوی الراہی

والسیاسة یظن أن اعفاء الرؤساء أجود فی المسایرة"

"گویا یہودی و نصاریٰ کے طر طریقوں سے مکمل اہتساب ہی ان نسلوں سے بچنے کا واحد  
راہ ہے جو ان کی ہلاکت کا باعث بنی تھیں۔ اور جس کسی نے چند امراء میں بھی یہودی و نصاریٰ کی پیروی  
کی اس کے ہلاکت میں جانچنے کا اندیشہ ہے۔ اسی نے آپ ﷺ سے ہمیں پہلے لوگوں کی اس غفلت  
سے بچنے کی تلقین کی ہے کہ وہ حدود کے معاملے میں "میز و دماڑ لوگوں اور ضعیف و اندو لوگوں کے  
درمیان تفریق نہ کیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم حدود کے معاملے میں سب  
کے درمیان مساوات کریں۔ لیکن اس کے برعکس بہت سے صاحبِ رائے اور سیاست دانوں کے  
نزدیک قوم کے بڑوں کو عاف کر دینا ہی سیاسی اعتبار سے زیادہ بہتر ہوتا ہے (جو رسول اللہ ﷺ کے حکم  
سے صریح منکسر ہے)۔"

پھر آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی بخاری و ترمذی و ابی نعیم کے روایت کے بعد  
فرماتے ہیں:

"وكان نسو محزون من أشرف بطون قوبش ، واشتد عليهم أن يقطع بد  
امر لہ مبہم ، فیس الیہی ﷺ ان هالاک بنی اسرائیل انما کان فی تخصیص رؤساء  
الناس بالحقو عن العقوبات ، وأخبر أن فاطمة ابنتہ -التي هی أشرف النساء- لو  
سرفت -وفدا عاذاہ اللہ من ذلك- لقطع یدها ، لیسن ان وجوب العدل والتعمیم  
فی الحدود لا یستثنی منه بنت الرسول فضلاً عن بنت غیرہ ، وهذا یوافق ما فی  
المصحبین عن عبد اللہ بن مرہ عن البراء بن عازب رضی اللہ عنہ قال مر علی النبی  
ﷺ یہودی یہودی محرم مجرور فذعاهم ، فقال : "هکذا یحدون حد الزانی؟" ...  
الحديث"

"ہمیز و ترمذیوں کی معزز ترین شاخ تھے۔ ان پر یہ بات انتہائی گراں گزری کہ ان میں سے  
کسی عورت کا ہاتھ کاٹا جائے ، لیکن نبی اکرم ﷺ نے ان پر واضح کر دیا کہ اسرائیلیں کی ہلاکت کا باعث



بھی کیا بات تھی کہ وہ قوم کے بھروسے نہ تھے نہ کسی رعایت کرتے ہوئے ان کی سزائیں معاف کر دیا کرتے تھے۔ نیز آپ ﷺ نے غزوہ بدر کا اگر آپ ﷺ کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا.... جو تمام عالم کی ثوابوں سے زیادہ محروم ہیں.... اگر وہ بھی چوری کی مرتکب ہوئیں، اگرچہ اللہ نے آپ کو ایسے انہال سے بری کر رکھا تھا تو آپ ﷺ ان کا ہاتھ بھی کاٹ ڈالتے۔ پس یہ فرما کر آپ ﷺ نے یہ حکم واضح کر دیا کہ حدود اللہ کے نافذ اور عدل و انصاف کے، جو جس میں سب لوگ برابر ہیں۔ کسی اور کی اولاد و درجہ و فخر و رسول اللہ ﷺ کی اسی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ یہ بات صحیحین میں نقل کر دی ان حدیث سے بھی موافق ہے کہ جس میں عبد اللہ بن مرہ حنفی نے مرثیہ عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ کے پاس ایک یہودی کو لے جایا گیا جسے مذکر لاکر کے کوزے مارے جارہے تھے تو آپ ﷺ نے ان سے استفادہ فرمایا کیا تم قورات میں زانی کی جیسا حد پاتے ہو؟.... الخ۔"

(الانضاء القراط المصنف، فصل فی ذکر الأدلة من الكتاب والسنة والاجتماع علی الامر بمخالفة الکفار والنہی عن التشبه بهم ۱۰۶۱: ۱۰۷۷)۔

اسی طرح ایک اور مقام پر امام ابن حجر فرماتے ہیں:

"ثم السلطان بؤاعده علی ما یفعله من العدوان ویفرط فیہ الحنفوف مع انہمکن۔"

"جب حاکم زیادتی کا مرتکب ہو اور قدرت دیکھے کہ باوجود ادائیگی حقوق میں کوتاہی کرے تو اس کا مواخذہ کیا جائے گا۔"

(مجموع الفتاویٰ لابن نمبر، فصل جامع فی معاوض الحسنات والمبایات ۲۳۱/۳)۔

اسی طرح آپ سے اس شخص کے متعلق پوچھا گیا جو کسی محروم آدمی کو گالی دے اور اسے مارے تو آپ نے فرمایا:

"ووجب عقوبة المعدن أيضاً وإن کان شربفاً، فقد ثبت فی الصحیحین

من النبی ﷺ أنه قال: "انما ھلک من کان فیہمک أنہم کانوا ادا سرق فیہم البسرف نرکوه واذا سرق فیہم الضعف اٹامو علیہ الحد، والذی نفس محمد سدد لو سرق فاطمة بنت محمد لقطعط بدھا"۔ وما یسرع فیہ الفصاض فی الدعاء والاموال وغیرھا لا سرق فیہ البسرف وغیرہ۔ قال النبی ﷺ "المسلمون تکانوا عمازہم وبسعی یدہم ادا نعام" الحدیث، واللہ اعلم۔"

"زیادتی کرنے والوں کو سزا دینا واجب ہے اگرچہ وہ محروم کیوں نہ ہوں۔ صحیحین میں منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"پچھلی آجوں کی ہلاکت کا باعث یہی، تھی کہ ان میں کوئی محروم آدمی چوری کرتا تو وہ اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حد قائم کر دیتے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد (ﷺ) کی جان ہے اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی چوری کرے تو میں ان کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالوں۔"

پس جان اور مال کے جن معاملات میں قصاص شروع ہے ان میں محروم وغیر محروم کا کوئی فرق نہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"تمام مسلمانوں کے خون برابر ہیں اور ان کا دینی ترین فرد بھی ان کی طرف سے کسی کو پناہ دے سکتا ہے۔.... الخ"۔ (مجموع الفتاویٰ لابن نمبر ۲۸۹)۔

تیسرا نکتہ:

اسلامی تاریخ سے ایسی مثالیں جہاں سلاطین نے شرعی فیصلوں کے سامنے ہتھیار ڈالے حتیٰ کہ ان ادوار میں بھی جو خلافت راشدہ کے سنہری دور سے بہت دور تھے

اور جب سلاطین بھی عام ہو چکے تھے

(الف) عثمان ملک شاہ بن الپ ارسلان کی مثال

سلطان ملک شاہ بن الپ ارسلان اپنے زمانے کی عظیم ترین سلطنت کے بادشاہ تھے اور

اسے نعل والی صاف کے سب معروف تھے۔ اس میں کٹر تھے آپ کی سوانح عمری میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ "واسعدہ و جلان من القلاحین علی الأفریخ عمار نکین، اہم اخذ منها ما لا جزیلًا و کسر نسیجہا، و قال: سمعنا بعد ملک فی العالم، فان أقدنا منه کما أمرک اللہ والا استعبدنا علیک اللہ بوم القیامۃ، و اخذ ابرکانه، و عزل عن فرسہ، و قال لہما خذا بکمی و اسحبانی الی دار نظام الملک، فیما ذلک، فہزم علیہما ان یسلما ما أمرہما بہ، فلما بلغ النظام مخرج السلطان الیہ خرج مصرعًا، فقال لہ الملک: اسی انما قلل ذلک الامر، لتلصق المطلوب من ظلمہ، فکتب من فورہ فہزل حصار نکین و حل اقطاعہ، و ان برد الیہما أموالہا، و ان فہلعا نسیجہ ان فاست علیہ البیۃ، و أمر لہما الملک من عندہ مائۃ دینار۔"

"ایک مجددہ کسانوں نے آپ سے شہزادین نامی امیر کے خلاف شکایت کی کہ اس نے ان کا بہت سا مال چھین لیا ہے اور ان دونوں کے سامنے دے دو وہ دولت توڑا لے ہیں۔ ان کسانوں نے سلطان سے کہا کہ تم نے پوری دنیا میں آپ کے محل کاچہ چاہتا ہے۔ پس اگر تو آپ نے میں اللہ کے حکم کے مطابق جلد لوایا تو وہ حکم و رعیت قائم کرے ان ہم اللہ کی عداوت میں آپ کے خلاف نکرے۔ اور کریں گے۔ پھر انہوں نے بادشاہ کے کھڑے کی رکاب تمام لیا۔ بادشاہ کھڑے سے نیچے اتر آیا اور ان سے کہا: میری آستین پکڑ لو اور مجھے چھینٹتے ہوئے وزیر کے گھر لے جاؤ۔ یہ بات سن کر وہ دونوں گھبرا گئے، لیکن جب بادشاہ نے انھیں قسم دے کر کہا تو انہوں نے ایسا ہی کیا۔ جب وزیر کو بادشاہ کے اس طرح آنے کی خبر ملی تو وہ فوراً باہر نکلا آیا۔ بادشاہ نے اس سے کہا: میں نے تجھیں اس لئے اس منصب پر بھیجے تھے کہ تم کو ظلم کو ظالم سے انصاف دلاؤ، لیکن کر دوزی نے پوری طور پر خراب کینکلیں کر معزولی اور اس کی جاگیری کی مضبوطی کا پروانہ جاری کیا۔ نیز یہ حکم بھی دیا کہ ان کسانوں کا مال و اہل لوٹایا جائے اور ثبوت ملنے کی صورت میں یہ دونوں کسان خراب کینکلیں کے سامنے دے دے اور نیچے کے دو دولت توڑا لیں۔ پھر بادشاہ نے بھی ان دونوں کو دیا روئے جانے کا حکم جاری کیا۔"

(الصدایۃ و السہایۃ، ثم دخلت سعة خمس و فماتت و اربع مائۃ، و وصت فیہا من الأعبان، السلطان ملک شاہ جلال الدین و الدولۃ ۱۲۷۶ھ)۔

(ب) سلطان عادل نور الدین بن زنگی شہید رحمت اللہ علیہ

سلطان عادل نور الدین بن زنگی شہید رحمت اللہ علیہ سے اس واقعہ کا تعلق ہے۔

"وکان عارفا بالفضہ علی مذهب الامام أبی حنیفۃ رضی اللہ عنہ، لبس عندہ نعصب، بل الانصاف سحبتہ فی کل شیء، و سمع الحدیث و اسمعہ طلباً لأخر، و علی الحقیقۃ فقیہ النذی جدد للملک اتباع سنۃ العدل و الانصاف، و نوک المحرمات من الماکل و المشرب و المجلس و غیر ذلک، فانہم کانوا قبلہ کالحاملیۃ، ہم أحدہم بطلہ و فرحہ، لا یعرف معروفاً و لا مکر متکراً، حتی جاء اللہ بدولتہ، فزلف مع اوامر اللہ، و نواہیہ، و ألزم بذلک اتباعہ و ذریہ، فافندی مدغیرۃ منہم، و استحبوا ان یطہر عنہم ما کانوا یفعلونہ۔"

وہن عدلہ اہ کان بعضہ الشریعۃ المطہرۃ و زحف عند احکامہا و یفعلون نحن لیس لہا نعتنی أو امرھا۔ فص اتباعہ احکامہا اہ کان یلعب بدمشق بالکوفۃ، فوافی السانہ بحدت آخر و برمی بیدہ الیہ، فارسل الیہ بسالہ عن حالہ، فقال: لی مع الملک الفلتانی، فعاد الیہ، و لم یحاصر ان یعرفہ ما فال ذلک الرجل، و عاد بکثمہ، فلم یفعل مہ غیر الحق، فذکر لہ قولہ، فانفی الجور کان من بدہ، و خرج من العبدان، و سافر الی القاضی، و هو حیثہ کما فی الدین بن الشہر زوری، و ارسل الی القاضی بغیر لہ النبی فذل جنت محاکمنا، فاسلک منی ما تسلک مع غیری، فلما حضر ساوی خصمہ، و خاصمہ و حاکمہ، فلم یثبت علیہ حق، و لبیت الملک لنور الدین فقال نور الدین حیثہ للقاضی و لعن حضر، هل ثبت لہ عدلی حق؟ فالوا

لا فضل : اشهدوا اننی قد وهبت له هذا الملك ، الذى قد حاکمى عليه ، وهو له دونى ، وقد كنت أعلم ان لا حق له عندى ، وانما حضرت معه لئلا يظن بى انى ظلمته ، فحببت ظهور ان الحق لى وهبته له . قال ابن الاثير : وهذا غاية العدل والانصاف ، بل غاية الاحسان ، وهى حجة رواء العدل ، فرحم الله هذه النفس الزكية الطاهرة ، المتفاداة للحق ، والواقفة معه

قلت : وهذا مستحسن من ملک مناخر بعد فساد الازمنة ونفوق الكلمة ، والا فلقد انتفاذ الى المضى الى مجلس الحكم جماعه من المتقدمين مثل عمر وعلى ومعاوية ورضى الله عنهم ، ثم حکى نحو ذلك عن ابى جعفر المنصور وقد نقلنا ذلك كله فى التواريخ السکبر ، و فيه عند الله بن طاهر قريب من هذا ، لكنه احصر الحاكم عنده ولم يعض اليه . وقد بلغنى ان نور الدين رحمه الله تعالى استدعى هنز آخرى بحلب الى مجلس الحكم بنفسه او نائبه ؛ فدخل حاجبه عليه متعجبا ، واعلمته ان رسول الحاكم بالباب ، فانكر عليه تعجبه وفام - رحمه الله - مسرعا ، ووجد فى انشاء طريقه ما منعه من العود من حفر جب بعض الحشوش واستخرج ما فيه ؛ فوكل من ثم وکیلا . و اشهد عليه شاهدین بالنوکل ووجع .

”آپ مذہب کا امام و حلیہ تھے آیت اللہ کا کبریا علم رکھتے تھے۔ آپ کے یہاں قصب نام کی کوئی چیز نہیں ، بلکہ ہر معاملے میں عدل و انصاف ہی آپ کا داڑھنا ٹیگہ تھا۔ آپ نے اچر و ڈاٹ کی خاطر حدیث کا علم بھی سیکھا اور سکھایا۔ درحقیقت آپ ہی نے بادشاہوں میں عدل و انصاف کی تہذیب کی اور کھلنے پھیلنے اور لباس و طہیرہ حرام اسرار ترک کرنے کا - رندہ کیا۔ آپ کے پچھلے حکمرانوں میں جاہلیت کے طور طریقے رائج ہو چکے تھے اور ان کی تمام تر جہ کا مرکز میں ان کا بیٹ اور شرم کا وحشی - وہ مذہب کو بھلائی کو بھلائی سمجھتے تھے نہ ہی برائی کو برائی ، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نور الدین دکنی رحمہ اللہ کو برسر اقتدار لائے اور انہوں نے شریعت کے اوامر و نواہی کی پابندی کی اور اپنے شیعیان اور اہل خانہ کو

بھی اس کا پابند بنایا۔ پس یہ دیکھ کر جگر ٹوٹ گئی آپ کی بیوی کرنے لگے اور اپنے سابقہ اعمال جاری رکھنے سے خرابے لگے۔

.... آپ کے عدل و انصاف نے یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ آپ شریعت مطہرہ کی تعظیم کرتے تھے۔ اس کے احکام کے سامنے تو حق اختیار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم تو شریعت کی گنجینا فرماتے ہیں ، ہمارا تو کام ہی شرعی احکامات کو جاری کرنا ہے۔

آپ کی انتہائی شریعت کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ دمشق میں گیند سے کھیل رہے تھے کہ آپ نے دیکھا : ایک دوسرے فرد سے بات چیت کر رہا ہے اور اپنے ہاتھ سے آپ کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ یہ دیکھ کر آپ نے اس شخص کا معاملہ دریافت کرنے کے لئے ایک کارندہ اس کی طرف بھیجا۔ اس شخص نے آپ کے کارندے سے کہا کہ : اس عادل بادشاہ کے خلاف میرا ایک مقدمہ ہے اور میرے ساتھ موجود یہ دوسرا شخص قاضی کا لڑکا ہے۔ اسے چاہئے کہ سلطان کو عدالت میں طلب کرے تاکہ اس کے خلاف میرا مقدمہ چلایا جاسکے . سلطان کا کارندہ جب واپس لوٹا تو اسے یہ جارت نہ ہوئی کہ اس شخص کی بات سلطان کو بتلائے اور وہ بات چیمپانے لگا لیکن جب سلطان نے زور دے کر کہا کہ مجھے سچ سچ بات بتاؤ تو اس نے پوری بات بتا دی۔ اس کی بات سن کر سلطان نے فوراً انھی اپنے ہاتھ سے پتنگ اور میدان سے نکل کر قاضی کے پاس پہنچ گئے کہ اس وقت کمال الدین شہزادہ رہی تھے۔ آپ نے اس سے کہا کہ : میں تمہارے پاس اس لئے آیا ہوں کہ میرے خلاف مقدمہ ہے لہذا میرے ساتھ بھی وہی روئے اختیار کرنا جو تم دوسروں کے ساتھ ردا رکھتے ہو۔ چنانچہ جب مقدمہ پیش ہوا تو قاضی نے انہیں مخالف فریق کے ساتھ ہی کھڑا کیا۔ بھران سے پوری ہو چھ گچھ اور معاملے کی جانچ پڑتال کی گئی ، لیکن سلطان کے خلاف کوئی بات ثابت نہ ہو سکی اور مزید بحث چڑکی ملکیت سلطان ہی کے لئے ثابت ہوئی۔ اس موقع پر نور الدین نے قاضی کو در مقام حاضرین سے مخاطب ہو کر یہ کہا : اے اس شخص کا مجھ پر کوئی حق ثابت ہوا ہے ؟ انہوں نے کہا : نہیں تو بادشاہ نے کہا : تم سب کو بارہا کہ جس چیز کی خاطر اس شخص نے میرے خلاف مقدمہ کیا تھا ، میں نے اس کی ملکیت اسے بخش دی ، یہ اب میری نہیں بلکہ اس کی ملکیت

جے۔ مجھے پہلے ہی معلوم تھا کہ میں نے اس ناقص منصب نہیں نبھائیں گا، مگر اب جو میرا منظر ہوا  
 تاکہ یہ نہ سمجھا جاتا کہ میں نے اس پر غلط کیا ہے۔ چنانچہ اب وہ بات ظاہر ہو گئی ہے کہ میں حق پر ہوں  
 میں۔ چنانچہ اس کی تائید ہو۔

ان اشخاٹ پر مانتے ہیں

”یہ تہِ حلال و نصف النہی ثابت ہے۔ جہاں انسان کی اہلیت نہ ہو کہ اس سے بھی اور کیا وہ بہت ہے  
الغرض ان کی اپنی جہاں نہیں پر غرض ہرے باوقی۔ سامنے تھکتے اور حق پر خیر جانے والا حق۔ میں کہہ رہا ہوں کہ  
سائنس دانانہ اور تحقیق وحدت سے بدوائے اولیٰ ہے اور خداوند نے یہاں نصف النہی طائرہ نہایت بڑی  
بات ہے اور نہ وہ سماعت تک پہنچ کر بنا اور اس سے تفہیم کو قبول کرتا جس سلسلے میں حضرت  
عمرؓ حضرت بنی اور حضرت معاویہؓ جیسے عظیم القدر شخصہ کی امتیاز تھا۔ اور بعد کے اور میں غلطی اور جعفر  
مفسد کے بارے میں حکم اور ایالت حق میں ہم نے ”الانوار فی التفسیر“ میں یہاں ہر اہل تہِ حلال و نصف النہی  
ان میں عبد اللہ بن طاہر سے متعلق بھی ان کی حکایت و وجہ سے متعلق فرق ہے کہ اس سے تفسیر و  
اسیے پاس ایسا ایسا تمام کیا بعضی کی عدالت میں نہیں گئے۔ ان میں سے بعض نے دینی کے متعلق یہ روایت  
بھی لی ہے کہ ایک مرتبہ انہیں حسبِ عدالت میں طلب کیا گیا کہ وہ خود وہاں یا اپنے نائب کو وہاں  
بھیجیں۔ آپ کا وہاں سے پیغام لے کر اپنی جگہ سے کھینچ کر داخل ہو اور آپ کا یہاں کیا تفسیر کا  
کام نہ دلائل پر کھڑا ہے۔ کہ ابوہریرہؓ نے عدالت میں وہاں کو ان اہل تہِ حلال و نصف النہی کے  
لئے ایک کھڑے ہوئے۔ البتہ عدالت میں یہ کھڑے کھڑے کیا کام جاری تھا جس کی بنا پر آپ آگے جا سکتے  
لیکن وہیں پر آپ نے دو گواہوں کی موجودگی میں اپنا وکیل مقرر کیا (تاکہ وہ عدالت میں آپ کی جگہ  
آہری کر دے) اور خود وہاں پہنچ گئے۔“

(البروضين في أخبار الدولتين السديرة والصلاحية ٨٠١، اسی طرح رجوع کیجئے، الکامل لابن الأثیر، ثم دخلت سنة نضع وستين وخمسين مائة، ذکر وفاة نور الدین محمود بن ذکی ١٢٥٨).

آپ ہی کے متعلق ابن اثیر فرماتے ہیں

”وَمَنْ دَارَ الْعَدْلُ فِي بِلَادِهِ، وَكَانَ يَحْلِقُ دُونَ الْقَاصِي بِهَا، يَصِفُ الْمَظْلُومَ  
وَلَوْ أَنَّهُ يَهُودِيٌّ، مِنَ الظَّالِمِ، وَلَوْ أَنَّهُ وَلَدَهُ أَحَدُكُمْ، أَصْبَحَ عَبْدًا“.

”میرا بیٹا اب اس نے اپنی غفلت میں، اور ادا ادا ہوا تھا جس میں، اور اب بھی کافی کم عمر، بیٹھے تھے۔  
 - پھر مظہر کا، ”اے پوہو، پوہو کی ہی کیوں نہ، اور انسان مہیا کرتے اور ظالم تھے اس کا قاتل ہوا ہے۔“ اے چوہا  
 ظالم! کہ کبھی کبھی کوئی بڑے سے بڑا صبر کیوں نہ ہو۔“

(ب) دور البحث

(ب) دوسرا بحث

وستوریا پاکستان کی ۱۸۹۱ء افحاش

جہ بعض شخصیات کو محاکے اور محابے سے بالاتر قرار دیتی ہیں

وإنما

دستور پاکستان کی وجہ ۱۹۷۳ء یہ کہتی ہے کہ اپنے خرافات اور مٹرا اور کی انجام، جس میں صدر پاکستان کو کامینہ یا وزیر اعظم کے مشورے سے مطالبی نسل کرنا ہوگا۔

پھر اسی دفعہ دوسری شق میں یہ تفصیل بیان کی گئی ہے کہ کبھی شش ماہ میں بیان کردہ اصول سے باوجود جن امور میں صدر کو اپنے صواب دہی اختیار ہے استعمال کرنے کا حق حاصل ہے وہ اپنی صواب دہی سے غلط کرے گا اور جو کام صدر نے اپنی صواب دہی پر کئے ہوں ان پر کسی بھی وجہ سے الزام یا تنبیہ نہیں کی جاسکتی۔

پھر اراق دفعہ کی چوتھی شق میں یہ تفصیل بھی ملتی ہے کہ کسی قسم کی عدالت، مزید چلے یا نہایت مجاز یہ (یعنی کوئی اور مجاز ادارہ) تفتیش کرنے کا حق نہیں رکھتا کہ کابینہ، وزیراعظم، کسی اور ممبر یا وزیر مسکت نے

صدر کو مشورہ دیا تھا یا نہیں، اور اگر، یا تھا تو کیا مشورہ دیا تھا۔

اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:

'President to action advice, etc.

48. (1) in the exercise of this function, the president shall act in accordance with the advice of the cabinet or the prime Minister

Provided that president may require the cabinet or, as the case may be, the prime minister to reconsider such advice, either generally or otherwise, and the president shall act in accordance with the advice tendered after such reconsideration.

(2) Notwithstanding anything contained in clause (1) the president shall act in this discretion in respect of which he is empowered by the constitution to do so and the validity of anything done by the president in this discretion shall not be called in question on any ground whatsoever.

(4) The question whether any and if what advice was tendered to the president by the cabinet the prim Minister or minister of state shall not be inquired into in, or by any court tribunal or other authority "[PART III the Federation of Pakistan. CHAPTER 4 – THE PRESIDENT, Article -48]

گویا اگر صدر پاکستان کو یہ حکم دے کہ قبائل پر حملہ کر کے انہیں رنڈا لے، یا اپنے خفیہ اہل دل کو یہ حکم دے کہ کسی تمام مملکات امریکیوں کے حوالے کر دی جائیں جو انہیں افغانستان پر حملے یا عرب و غیر عرب مجاہدین کو گرفتار کرنے کے لئے درکار ہیں یا کسی طرح انہیں حکم دے کہ گرفتار شدہ مجاہدین امریکہ کے حوالے کر دو۔۔۔ تو اسے یہ سب احکامات صادر کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ پھر اگر کوئی وزیر صدر کو یہ نصیحت کرے کہ یہ تمام افعال اسلام، اخلاق اور سوت کے منافی ہیں، اور ان کے نتیجے میں پاکستان، مصائب کا شکار ہوگا، لیکن صدر پھر بھی ان تمام جرائم کی سہیلہ پر مصر ہے، تو نہ اس سے پوچھا جھگھن ہے، نہ ہی اس کے خلاف یہ جہت قائم کرنا ممکن ہے کہ اس پر جرم بھی طرح واضح نہ کیا گیا تھا پھر بھی اس نے اس کا انکباب کیا۔

نیز یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ دفعہ ۴۸ کی عبارت میں علوم اور اخلاق پایا جاتا ہے۔ یہ دفعہ ان دو قسم کے مسائل میں تعلق نہیں کرتی، ایک وہ مسائل جن میں اجتہاد کی گنجائش موجود ہے اور مصلحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے صدر ان میں اجتہاد کر سکتا ہے، اور دوسرے وہ جن میں اپنی عقل لڑانا اور کسی پیشی کرنا حرام ہے، اور ایسا کرنا کبھی فسق تک لے جاتا ہے اور کبھی تکلیف۔ الغرض یہ دفعہ صدر کو اس کے فرض میں کبھی جھوٹ اور تھوڑا فراہم کرتی ہے، خواہ اس کا فعل شریعت سے موافق ہو یا شریعت کے مخالف۔

دفعہ ۴۸

آئین پاکستان کی دفعہ ۴۸ صدر پاکستان، وزیر اعظم، مسوئوں کے گورنر، وزرائے اعلیٰ اور وفاقی صوبائی وزراء کے ان تمام افعال، مطلق طور پر ہر قسم کی عدالتی جوابدہی سے مستثنیٰ قرار دیتی ہے جو انہوں نے اپنے فرائض کی انجام دہی کے دوران کئے ہوں۔

بالخصوص صدر اور گورنر کے خلاف نہ تو کسی قسم کی قانونی کارروائی کی جاسکتی ہے، نہ ان کی گرفتاری کے حکم کا سہ جاری ہو سکتے ہیں، نہ ہی کسی شرعی یا غیر شرعی عدالت کے تاحشی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ صدارت و گورنری کے دوران انہیں عدالت میں طلب کرے۔

اس کی عمل درآمد ہو

248 protection to president, Governor, Minister, etc  
248 (1) the president, a Governor, the prim Minister a  
federal Minister, Minister of state, the Chief Minister and a  
provincial Minister shall not be answerable to any court for  
the exercise of powers and performance of function of their  
respective offices or for any act done or purported to be  
done in the exercise of those power and performance of  
those functions.

Provided that nothing in this clause shall be construed as  
restricting the right of any person to bring appropriate  
proceedings against the federation or a province  
(2) No criminal proceedings whatsoever shall be instituted  
or continued against the president or a Governor in any  
court during this term of office

(3) No process for the arrest or Imprisonment of the  
president or a Governor shall issue from any court during  
his term of office.

(4) No civil proceeding in which relief is claimed against the  
president or a Governor shall be instituted during his term  
of office in respect of any thing done or not done by him in

his personal capacity whether before or after the enters  
upon his office unless ,at least sixty days before the  
proceeding are instituted notice in writing has been  
delivered to him or sent to him in the manner prescribed by  
law stating the nature of the proceedings ,the cause of  
action the name description and place of residence of the  
party by whom the proceeding are to be instituted an the  
relief which the party claims [PART XII Miscellaneous  
CHAPTER 4 GENERAL, Article 248]

ممبروں کا قانون دان ہونے پر مشروط ہے کہ وہ اپنے لئے ہرگز نہیں ہوں گے۔

”یہ دفعہ اصل میں تو یہ ہے کہ اس کی حیثیت رکھتی ہے کہ کوئی شخص بھی قانون سے بااثر  
نہیں“۔

THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973, with

commentary comment on article 248p:417

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں یہ اشکال پیدا ہوا ہے کہ: دفعہ ۱۴۸ قانون ممبران کو صرف ان کے فرائض کی  
انجام دہی سے متعلق تحفظ فراہم کرتی ہے وہ نہ کہ انہیں قانون و دستور کی مخالفت کا اختیار دیتی ہے۔ پس  
ہر شخص یا پاکستان سے اس اسلامی دستور و قانون کی مخالفت کا اختیار دیا جا رہا ہے پھر کیا شرعی قہر باقی  
رہ جاتی ہے؟

اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے میں عرض کروں گا کہ:

(الف) پہلی بات یہ ہے کہ پاکستان کا دستور اور قانون دونوں ہی خلاف شرع اور سے پر

جس اور کسی صاحب عقل، فہم کے لئے اس امر میں شک کرنا ممکن نہیں۔ اسی مناسبت سے ذکر کرتا چلوں کہ شعی محمد و رحمة اللہ علیہ ۱۹۸۹ء میں یہ اعلان کیا تھا کہ:

"مکتویٰ نوٹس نے قیام پاکستان کے ۴۰ سال گزر جانے کے بعد بھی شرعی نظام نافذ نہیں کیا اور پاکستانی مسلمانوں میں اشتہار کی جہتوں کے ضمنی رد و تائید کے مطابق قطع و بچی چلی آ رہی ہیں۔"

(تحقیق زاد المنتہی شرح الجامع الغرمدی، مقدمۃ الشیخ شہر علی شاہ

(۱۶)

پس اگر ۱۹۸۹ء میں آپ کا تبصرہ یہ تھا تو اب کن ۲۰۰۹ء میں کیا کہنا چاہئے جب کہ حکومت پاکستان اسلام کے خلاف لڑی جانے والی ملیشیا جنگ میں پوری طرح خلیک ہو چکی ہے؟ بلاشبہ آج بھی اس دستور قانون کی بیرونی کرتے رہنا بہت خطرناک شرعی مخالفوں میں جنکا ہونے کے مترادف ہے۔

(ب) اگر ایک لمحے کے لئے اس دستور و قانون کو اسلامی دستور و قانون مان لیا جائے تب

بھی دفعہ ۲۳۸ کی عبارت کچھ یوں ہوتی چاہئے تھی:

"مذکورہ شخص اپنے فرائض انجام دہی کے دوران دستور و قانون کے موافق جو افعال سر انجام دیے گئے وہ ان پر کسی ترمیمی سزا نہیں ہوگی۔"

لیکن دفعہ ۱۳۸ تو عدالتوں کو یہ اختیار بھی نہیں دیتی کہ وہ ان اشخاص کو اپنے پاس طلب کریں اور دیکھیں کہ ان کے کون سے افعال موافق دستور ہیں اور کون سے خلاف۔ اگر یہ ٹوک داخل ہے قصور میں اور انہوں نے ہر کام حسن نیت کے ساتھ دستور و قانون کے موافق کرنے کی کوشش کی ہے تو پھر یہ عدالتی کا دائیہ سنا کر کرنے سے کیوں ڈرتے ہیں؟ کیوں کہ یہ ایسی قانونی عبادتوں کا سہارا لینے پر مصر ہیں جو انہیں ہر قسم کی پچھ گچھ سے مکمل محفوظ فرام کر رہی ہیں؟

(ج) دستور میں یہ بات تو درج ہے کہ مذکورہ اشخاص اپنے فرائض منصبی کی انجام دہی کے

دوران میں جو افعال بھی کریں ان کے بارے میں پچھ گچھ نہیں کی جاسکتی..... لیکن ایسی کوئی شرط مذکور نہیں کہ ان افعال کا شریعت سے موافق ہونا لازم ہے، نہ ہی ایسی کوئی تصریح کی گئی ہے کہ یہ قانونی

مجلس اجتهادی امور کے ادارے تک محدود ہے۔ دفعہ ۲۳۸ اور شریعت سے متعلق کسی قیہ کا سرے سے ذکر ہی نہیں کرتی۔

(د) جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں شریعت اسلامیہ میں یہ تصور سرے سے پایا ہی نہیں جاتا کہ کسی خاص شخصیت کو عدالت میں حاضری سے بالاتر سمجھا جائے۔ شریعت تو ہر ذریعہ، طریقہ اور ان کا صدور پر واجب کرتی ہے کہ جب اس عدالت میں طلب کیا جائے تو وہ حاضری ہو اور لوگ اس بات کا ثبوت کرے کہ اس نے جس فعل کا ارتکاب کیا ہے، وہ شرعی احکامات کے موافق ہے یا وہ ان امور میں سے جن میں اجتہاد کی کی اجازت ہماری شریعت میں موجود ہے۔ پھر یہ مفاد شرعی عدالت کے چرنا کیا جائے وہ اس کے تصرفات کو صحیح یا غلط قرار دے اور اس کے نتیجے میں اسے بری کرے یا سزا کا حق پائے۔

(و) یہاں یہ نکتہ بھی ذہن نشین ہے کہ کوئی بھی مکتویٰ ذمہ دار خواہ وہ کتنے ہی بلند منصب پر کون سا قاضی ہو، اس کا شرعی عدالت میں پیش ہونے سے انکار کرنا بذات خود ایک شرعی جرم ہے، چاہے وہ اس جرم سے بالکل بری ہو جس کے افرام میں عدالت نے اسے طلب کیا ہو۔

چنانچہ یہ بات تسلیم کے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ دستور پاکستان کی دفعہ ۱۳۸ بعض مکتویٰ عہدیداران کو عدالت میں پیشی سے محفوظ فرام کرتی ہے شریعت سے سراسر متصادم ہے۔ اور یہ بات تو ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ شریعت کی مخالفت کا قانون کی شکل دینا کفر ہے، اگرچہ وہ مخالفت بذات خود صرف فتنی ہی ہو۔





In the line of fire a memoir part 5: The war on terror chapter 20. one day that changed the work

اسی طرح دستور پاکستان میں نے پورے کو یہ اعتبار دیکھا کہ وہ پاکستانی فوج کو صلیبی اتحاد کا حصہ بنائے اور اس اور اس مسلمان، پڑوسی دوست ملک افغانستان کو بٹا کر دینے کا حکم دے جس نے دوسری جنگ کا مقابلہ کرتے ہوئے انگوٹھی شہداء کی قربانی پیش کی یہاں تک کہ پاکستان میں کئی شہرے محفوظ ہو گئے۔ اسی اسلامی دستور سے دفاعی بیعت تھے جوئے پاکستانی مسلح افواج، پولیس اور فضیادار سے افغانستان کے مسلمانوں کے نقلی عام الامارت اسلامیہ کے خاتمے اس کی قیادت اور مذہب داران کی جلا وطنی اور اس کے عرب وغیر عرب انصار کے نقل، گرفتاری، تعزین اور پھر امریکہ کے حوالے کر دینے جیسے گناہ کے جرائم کے مرتکب ہونے۔ پھر اسی پولیس فیس، بلکہ اس کے بعد پرویز نے انہی اداروں کو واپس پاکستان بھی مسلمانوں کو قتل کرنے، ان کے گھر اور بستیاں برباد کرنے، اسلام آباد میں لال مسجد اور جامعہ حفصہ پر بمباری کرنے، اس کے طلبہ و طالبات کو بے دردی سے قتل کر کے ان کی قبریں تک چھپا دینے کے احکامات دیئے۔ لیکن یہ سب قیامتیں اونٹنے کے بعد بھی اسلامی جمہوریہ پاکستان کا اسلامی دستور جو بے شرف و مکمل تحفظ دیئے، آج تک اس کے حامی کی راہ میں حائل ہے۔ یہیں نہ تو کوئی شرعی عدالت، مذہبی کئی حیثیاتی عدالت پر یز کو طلب کرنے اور محض عدالت میں پیشی پر مجبور کرنے کی جرأت دیکھتی ہے۔ پھر بھی یہ کہتے ہیں کہ ہمارا دستور اسلامی ہے۔۔۔۔۔ بالحبیب!

﴿كُتِبَ كَلِمَةٌ تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ أَنْ يَقُولُوا أَلَا كُفْرًا﴾ (الكهف : ۱۵)

”بہت سخت بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے (اور بدھنگ نہیں کہ) یہ جو کہہتے ہیں وہ محض جھوٹ ہے۔“

آئیے ذرا دستور پاکستان میں موجود ان غرغرات کو امام ابو بکر جصاص کی پہلے ذکر کردہ عبادت کے ساتھ ملا کر دیکھتے ہیں، جہاں آپ نے یہ امر واضح کیا ہے کہ حکمرانوں کے جرائم پر غامضی اختیار کرنا اور انہیں نیکی کا حکم نہ دینا اور برائی سے نہ روکنا کیسے خطرناک مفاسد اور نقصانات کا باعث بنا

ہے۔ فاکہ سے کے پیش نظر ہم ان کا کلام یہاں دہرائے دیتے ہیں

”میں یہ ڈنک (۹) اس امت کے حق میں اس کے سنے دشمنوں سے بھی زیادہ مہلک ثابت دے ہیں، کیونکہ انہوں نے امت کو اپنی ٹرور کے خلاف لڑنے والے بادشاہوں کے علم و تجربہ پر انکار سے روک دیا ہے۔ ان کے اس باطل موقف کے نتیجے میں نساہ، بشارت، غائب آئے، بھوس اور دیگر دشمن اسلام کے قتل کی راہ ہموار ہوئی، اسلامی سرحدات پال ہو گئیں، ظلم پھیل گیا، ہستیاں برباد ہو گئیں، دین و دنیا ت گئے اور زندقہ، بخل اور مذہب شو، یہ خرم اور مزید بدکردار بن چکے۔ مسلمانوں پر یہ تمام مصائب مسلط ہونے کا سبب یہی تھا کہ وہ امر بالمعروف، نہی منکر اور غلام بادشاہ کو علم سے روکنا چھوڑ دیتے تھے، دانتہ امتساں۔“

(احکام الخیران للجبصاص، سورۃ آل عمران، باب ۱۱، ص ۱۱۱)  
بالمعروف والنہی عن المنکر (۳۶۷/۳ : ۳۶۸)۔

واحد ۳

دشور کی دفعہ ۲۵ کے مطابق ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء سے لے کر ۱۹ دسمبر ۱۹۷۱ء تک صادر ہونے والے تمام صدارتی فرامین، مارشل لا، ضوابط، اور دیگر قوانین پر کسی عدالت میں اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔ اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:

Temporary validation of certain laws; etc  
270 (1) Msjlis-e- shhoora (parliament) may by law made in the manner prescribed for legislation for a matter in part 1 of the Federal legislative list validate all proclamation, president's Order, Martial law Regulation, Martial law Orders and other laws made between the twenty-fifth day of march one thousand nine hundred and sixty nine and the

nineteenth day of December, one thousand nine hundred and seventy one (both days inclusive)

(2) Notwithstanding a judgment of any court a law made by Msjlis-e- shooria (parliament) under clause (1) shall not be questioned in any court on any ground whatsoever.

(3) Notwithstanding the provisions of clause (1) and a judgment of any court to the contrary for a period of two years from the commencing day the validity of all such instrument as are referred to in clause (1) shall not be called in question before any court on any ground whatsoever.

(4) All order orders made proceeding taken and acts done by any authority or person which were made, taken or done , or purported to have been made, taken or done , between the twenty- fifth day of March ,one thousand nine hundred and sixty- nine and nineteenth day of December ,one thousand nine hundred and seventy one (both days inclusive ) in exercise of power derived from any president's orders ,Martial law regulation ,Martial law orders, enactment notifications, rules order or bye laws, or in execution of any order made or sentence passed by

authority in the exercise or purported exercise of power the aforesaid shall, notwithstanding any judgment of any court be deemed to be and always to have been validly made, taken or done, so however that any such order, proceeding or act may be declared invalid by 1[ (parliament)] at any time w Msjlis-e- shooria ithin a period of two years from the commencing day by resolution of both Houses, or in case of disagreement between the two Houses, by such resolution passed at a joint sitting and shall not be called in question before any court on any ground, whatsoever. [PART XII Miscellaneous, CHAPTER 7 TRANSITIONAL, Article270].

دفعہ ۲۶۹

پاکستانی دستور کی دفعہ ۲۶۹ کہتی ہے کہ ۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء سے لے کر ۳۰ اپریل ۱۹۷۲ء کے درمیان جاری ہونے والے تمام صدارتی فرامین ، آرڈر لا و سناٹا ، اور دیگر قوانین کے خلاف کسی عدالت میں مقدمہ نہیں دائر کیا جاسکتا۔

اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے۔

269. Validation of law act, etc

269. (1) all proclamation, president orders Martial law regulations, Martial law order and all other law made between the twentieth day December, one thousand nine

hundred and seventy-one and the twentieth day of April one thousand nine hundred and seven tow (both days inclusive), are hereby declared notwithstanding any judgment of any court, to have been validly made by competent authority and shall not be in question in any court on any ground whatsoever

(2) All orders made , proceedings taken and acts done by any authority or by person, which were made taken or done or purported to have been made taken or done , between the twentieth day of December ,one thousand nine hundred and seventy one and the twentieth day of April one thousand nine hundred and seventy (both day inclusive )

In exercise of the power derived from any president orders, Martial law regulations ,Martial law orders, enactments notifications, rules order or be-law or in execution of any orders made or sentences passed by any authority in the exercise or purported exercise of power as aforesaid. Shall notwithstanding any judgment of any court be deemed to be and always to have been validly made taken or done and be called in question in any court on any ground whatsoever

(3) No suit or other legal proceedings shall lie in any court against any authority or any person for or on account of or in respect of any order made proceeding taken or act done whether in the exercise or purported exercise of the power referred to in clause (2) or in execution of or in compliance with order made or sentence passed in exercise or purported exercise of such power [PART XII Miscellaneous, CHARTER 7 TRANSITIONAL, Article 269]

دفعہ ۲۷۱، الف

دفعہ ۲۷۱ الف کی رو سے ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کا اعلان، تمام صدارتی فرامین، مارشل لا ضوابط و احکامات ۱۹۸۳ء کے ریفرنڈم، دستور کی دوسری اور تیسری ترامیم اور اس کے علاوہ وہ تمام احکامات و قوانین جو ۵ جولائی ۱۹۷۷ء سے لے کر اس دفعہ کے خاتمہ تک صادر ہوئے .... ان تمام پرانے کے نتائج و اثرات سمیت کسی بھی عدالت میں اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔

اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:

270A. Affirmation of president's Order, etc

270A-(1) the proclamation of the fifth day of July, 1977, all president's orders, ordinances Martial law regulation. Martial law Order including the referendum order, 1984(P.O NO 11 of 11984) under which in consequence of the result of the, referendum held on the nineteenth day of December 1984 General Mohammad Zia-ul- Haq become the

president of Pakistan on the day of the first meeting of the Majlis-e- shoora (parliament) in joint sitting for the term specified in clause (7) of Article 41 the Revival of the constitution of 1973 order 1985 (P O No 14 of 1985 ) the constitution ( second Amendment ) order 1985 ( P O No 20 of 1985 )the constitution( third Amendment ) order 1985 ( P O No 24 of 1985) and all other laws made between the fifth day of July 1977 ,and the date on which this Article comes into force are hereby affirmed adopted and declared notwithstanding any judgment of any court, to have constitution ,shall not be called in question in any court on any ground whatsoever :

(2) All orders made, proceeding taken and acts done by any authority or by any person, which were taken or done or purported to, have been made taken or done ,between the fifth day of July 1977 ,and the date on which this Article comes into force ,in exercise of the powers derived from any proclamation president's order ordinances ,Martial law regulation ,Martial law orders enactments notification ,rules orders or bye -laws ,or in execution of or purported exercise of powers as aforesaid, shall notwithstanding any

judgment of any court ,be deemed to be always to have been validly made ,taken or done and shall not be called in question in any court any ground whatsoever

(4) No suit, prosecution or other legal proceeding shall lay any court against any authority or any person for or on account of or respect of any order made, proceedings taken or act done whether in the exercise of purported exercise of the powers referred to in clause (2) or in execution of or in compliance with orders made sentences passed in exercise or purported exercise of such powers [CHARTER 7 – TRASITIONAL, Article 270] .

لیکن سپریم کورٹ نے دفعہ ۷۷ الف کے حوالے سے اپنا ایک فیصلہ سناتے ہوئے ( 1990 1683 CLC ) کہا ہے کہ قراورداد مقاصد میں شامل تمام احکامات اور اصول دستور کا اساسی اور مفاد اصل حصہ ہیں اور ریاست کے کسی ایک ایسا کو بھی قراورداد مقاصد کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں۔ جو ریاستی الحاکمین ان حدود سے تجاوز کرے تو اس کے اس عمل کو قرآن و سنت سے ثابت شدہ حدود اہلی اور اسلامی مقاصدوں کی مخالفت کے سبب غیر قانونی سمجھا جائے گا۔ اسی طرح وہ آخری ارسل لائی احکامات جنہیں دستور کی دفعہ ۱۲۷ الف کی بنیاد پر مختلف فراہم کیا گیا ہے، اگر وہ کسی اسلام اور قراورداد مقاصد سے متعارض ہوں تو عدالتیں اس بات کی پابندی ہیں کہ اس دفعہ سے صرف نظر کرتے ہوئے ان احکامات پر وہی فیصلہ لاگو کریں جو اللہ مالک الملک سبحانہ تعالیٰ کے تابعان اعلیٰ سے مطابق نہ دیکھنے والے احکامات پر صادر ہوتا ہے۔

THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973 , with

اس فیصلے پر تفصیلی بحث تو ہم ان شاء اللہ بنیٰ نبیٰ صل کے جسے باب میں کریں گے جہاں ہم نے پاکستانی عدالتوں کے فیصلوں کی روشنی میں قرارداد مقاصد اور دستور کی دفعہ ۲۷۷ الف کا جائزہ لیا ہے۔

البتہ یہاں ہم اس فیصلے کے ذریعے سے چند مختصر گزارشات کرنا ضروری سمجھتے ہیں:

(الف) عدالت کا فرض تھا کہ وہ دفعہ ۱۲۷ الف میں بیان کردہ اصول کو، جو کہ دیگر دفعات میں بھی بیان کیا ہے، باطل قرار دے کیونکہ شریعت میں کسی کو بھی عدالتی پیشی سے کوئی مصلحت حاصل نہیں خواہ وہ حاکم یا محکمہ، ادنیٰ یا اعلیٰ، مسیٰ یا بدعالت میں مقدمہ کیا جاسکتا ہے۔

(ب) عدالت نے قرارداد، مقاصد کے ساتھ یوں معاملہ کیا ہے گویا وہ شرعی احکامات کے مترادف ہے، حالانکہ ان دونوں کے درمیان کی بنیادی فرق ہیں جن کی وضاحت ضروری ہے:

(۱) قرارداد مقاصد انسانوں کے وضع کردہ ایک دستور کی عبادت ہے جسے پہلی دستور ساز کسٹمی نے غالب اکثریت سے منظور کیا تھا اور اس کے بعد اسی اسلوب سے یہ مختلف دساتیر کا حصہ بنی، جبکہ شریعت تو وحی الہی ہے اور اپنی منظوری کے لئے کسی بھی انسان کی موافقت کی محتاج نہیں۔

(۲) قرارداد مقاصد اور دستور، دفعات کا تو فی حقیقت بھی حاصل کرتی ہیں جب انہیں استعصواب رائے یا ایسے دیگر ذرائع سے عوامی رائے حاصل ہو، جبکہ شریعت کو کسی وقت یہ حیثیت مل جاتی ہے جب اللہ تعالیٰ اسے نازل فرماتے ہیں۔ شریعت کی حیثیت منوانے کے لئے کسی قسم کا استعصواب رائے نہ کرنا قطعاً قابل قبول نہیں۔ شریعت تو انسانوں پر حاکم بن کر آتی ہے، نہ کہ انسانی آراء کی محکمہ۔ اسی لئے شریعت کو قبول کرنے، نہ کرنے کے معاملے پر عوام سے رائے لینا یا استعصواب رائے کروانا خود شریعت سے عبادت کے مترادف ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يَحْكُمُوا بِمَا نَـزَّلْنَا مِنْ بَيْنِ يَدَيْنَا ۚ أَنفُسَهُمْ حُرًّا مَّا قُضِيَتْ وَبَسُّوا ۚ فَلْيُحْلِلُوا ۚ﴾ [النساء: ۶۵]۔

''تمہارے پروردگار کی قسم! یہ لوگ ہرگز مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ (اے نبی) تمہیں اپنے

بایں حقارت میں منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کرو اس پر اپنے دل میں تنگی بھی محسوس نہ کریں اور اس لئے کہ تم تسلیم فرمادیں۔''

اسی طرح اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

﴿فَاسْتَعِظْمْ كَمَا أَمَرْتُ مِنْ ذُنُوبٍ وَمَعَٰكٍ وَلَا تَطْغَوْا إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾  
''(اے اللہ پرستو!) تم اپنے آپ کو حکم نہ بنو، (اس پر) آپ اور جو آپ کے ساتھ تاجرت ہوئے ہیں قائم رہنے اور وعدے نہ توڑنے کیجئے، وہ آپ کے سب اعمال کو دیکھ رہا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأَطِيعُوا أَرْبَابَكُمْ ۚ إِنَّكُمْ كُنْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ مُخْلِصِينَ ۚ﴾  
''اور اے مومن مردو! اور مومن عورت کو حق نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کوئی امر مقرر کر دیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار باقی سمجھیں، اور جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ صریح کفر الہی میں جا پڑا۔''

(۳) اسی طرح پارلیمنٹ کو یہ حق حاصل ہے کہ کسی بھی دستور کی عبادت میں مکمل آزادی کے ساتھ ترمیم کر سکے، جیسا کہ ہم پہلے باب میں وضاحت کر چکے ہیں، جبکہ شرعی احکامات میں کوئی ترمیم نہیں ہو سکتی۔ پس شریعت کو کسی کا تسلیم و تادیب نہ کر دے پر رکھنا شریعت کی توہین ہے۔

دفعہ ۲۷۷ الف کے حوالے سے یہ عدالتی فیصلہ بڑے حد تک بعد میں ردال ہے کہ یہ فیصلہ منسلک والے بیج کا قلب شریعت کی عبادت، تقسیم اور غیرت دینی کے جذبات سے معمور تھا۔... کہ کیا یہاں مغرب مداخلت کا باعث ہو گیا ہوگا کہ لے لے ہیں، اس جمہوری نظام میں رہنا ہمیں کی مجبوری دیتی ہے اور اسلامی نظام کے تقاضے پورے ہوتے دیکھنا سن کر بھی کتنا اب چونکا۔ یہ دونوں دیکھ کر مختلف عقیدوں سے بچتے ہیں لہذا ایسی کوششوں کا نتیجہ اس سے سوا کچھ نہیں نکلا کہ کفر و اسلام کا ایک مشترکہ خیر سامعہ رکب دجو میں آجاتا ہے۔'' جمہور بہت کا تو بنیادی عقیدہ ہی ہے کہ انسان اپنے تمام افعال میں آزاد ہے

اور اپنے لئے مسلمان بننے اور سرمایہ پیش اور سرمایہ و بیعت کرنے میں کسی کا پابند نہیں۔ اس ماورے آزادی کے پیچھے ظالم جائیدادوں اور سرکش بادشاہوں اور خریف کلیسا کی کروہ شکست اور مغربی حوام کے درمیان کشاکش پیش پیش ایک طویل اور سخت تاریخ ہے۔ یہ کشاکش بالآخر جرہ ریت اور قلعہ و کام کی تپ چڑھ چکی اور یہ طے پایا کہ حاکمیت اور اقتدار اعلیٰ اب سے عوامی اکثریت کا حق ہے۔

یہ ہے ”مغرب کی تاریک تاریخ سے مجھوئے دلا باز ملت حقہ و اس کے برعکس اسلامی تصور“ خلافت ”تہذیب اللہ والعلمین کی ہندگی“ خلافت اور برہنہ اللہ کی جود ہے۔ عمل آزادی کی تہذیب سے یہ بالکلیہ بہت افواہی بھی اللہ ہی سے بھائی جاتی ہے۔ اوزات و عاجزی بھی اسی کے سامنے اختیار کی جاتی ہے۔ یہ نظام انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے آزاد ہونے کا درس دیتا ہے اور تہذیب اللہ کے سامنے جھکنا سکھاتا ہے۔ اسلام کے عطا کردہ اس عقیدے کی تاریخ بنیادوں کا کھنڈن کیا تو اس کے رشتہ دہی سے جا کر ملت نظر آتی ہیں۔ اسلام تو اللہ کی جانب سے پوری انسانیت کے لئے توحید کا آخری پیغام ہے جو حسین خان رسول اللہ ﷺ نے لے کر آئے۔ اسلام کا عطا کردہ نظام تو عدل و انصاف، مسلمانوں کے درمیان بھائی چارے و باہمی مشورے اور مسکراہوں کے احتساب جیسی روشن افتادہ کا حامل نظام ہے، جو کہ اسے خلافت راشدہ کے مثالی دور سے دہشتے میں ملتی ہیں۔ پھر یہی افتادہ اسلامی فتوحات میں بھی ایک ہم عالم کے طور پر سامنے آتی ہیں اور انہی فتوحات کی بدولت انسانیت بگڑتی کی غلامی سے نجات پا کر بگڑتی کے سبب کی ہندگی سے سرفراز ہوتی ہے۔ ان غرض اسلامی نظام میں ملت میں حاکمیت صرف اور صرف اللہ کی نازل کردہ شریعت کا حق ہوتی ہے، کسی دستور اور قرار و امتداد کے بغیر۔

(ج) قرار و امتداد..... جس پر سربراہی کرتی ہے اسے اپنے فیصلے میں مکمل انحصار کیا ہے۔ حاکمیت ہونا خود ایک مقام و عاصر ہے۔ اسی لئے تو پاکستانی عدالتوں میں اس کی حیثیت سے متعلق متنازعہ آراء پائی جاتی ہیں۔ اس تنازعے و اختلاف کی تفصیل ان شاء اللہ تیسرے باب کی پہلی فصل میں پیش کی جائے گی۔

(د) جہاں ایک طرف زیر بحث عدالتی فیصلے میں دفعہ ۱۲۷ کے مفاد میں مذکور احکامات و قوانین

اور یہ دیکھنا دینے کی نفی کی گئی ہے جبکہ وہ قرار و امتداد سے متنازعہ ہیں، وہ ہیں انہی پاکستانی عدالتوں سے متنازعہ ایسے فیصلے بھی صادر ہوئے ہیں جن سے اس دفعہ میں مذکور قانونی تحفظ کی تاکید ہوتی ہے۔ انہی عدالتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ سربراہی کے لئے دفعہ ۱۷۱ الف کی بناء پر عدالتوں کو سب کے سلطان کا اہلہ۔ یہ اس سے روک دیا اور یہ ”بلف اختیار کیا کہ اگرچہ پاکستانی قانون کی بعض دفعات (۱۶) کی رو سے باطل ہے، لیکن مذکورہ دستور کی دفعہ ۱۷۱ سے قانونی تحفظ حاصل ہے اور عدالتوں کو اس معاملے میں فیصلہ دینے کا کوئی اختیار نہیں۔

PLD 1987 Kar.612. اسی طرح درج ذیل فیصلے بھی:

pld 1986 Kar. 301, 1987 MLD 312, PLD 1987 Kar  
291 and 1987 MLD 279 [THE CONSTITUTION OF  
PAKISTAN 1973, With Commentary, comments on article  
270Ap:444&445]

(۱) اسی طرح بعض عدالتی فیصلوں میں مذکورہ بالا دونوں آراء سے بچھ ہوئے ایک درمیانی راہ بھی نکالی گئی ہے۔ مثلاً: ”بورائی گورنر نے اپنے ایک فیصلے میں..... جس کی تائید سربراہی کورٹ نے بھی کی ہے، وہ تحفظ اس صورت میں ملتی نہیں رہتا جب وہ اقدامات اپنے دائرہ اختیار سے باہر کر لے کر یا اختیارات کا غلط استعمال کرتے ہوئے یا بددیہی سے کئے گئے ہوں۔“

PLD 1988 Lah.49 & PLD 1988 SC 26

میرے خیال میں یہ رائے اس تضاد کو واضح کرتی ہے جو دستور کو اپنے لئے واجب الادا بارع مصدر، اختیارات و قانون قرار دینے والا جج محسوس کرتا ہے۔ وہ بے جا وہ ایک طرف تو اپنے آپ کو دستور کا پابند سمجھتا ہے جب کہ دوسری جانب اسے ایسی دستوری دفعات سے واسطہ ہے جو عین و جبر و دونوں ہی کے خلاف ہیں، چنانچہ چارہ و چارہ کوئی درمیانی رشتہ نکالنے پر مجبور ہوتا ہے۔

اگر یہ نئے شریعت کو ہی مقتدر ماحولی سمجھا جائے اس بات پر ایمان رکھنا کہ شریعت کے مقابلے میں

کسی دستہ کی کوئی حیثیت نہیں، تو اسے اپنی مجلس و ممبر کی مجلس کا شرعی جواب مل جاتا۔ رب تعالیٰ کی شریعت میں تو کسی شخص کو بھی شرعی احکام سے بالا قرار دینا عداوتی معاملے سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا گیا۔ یہ تو اللہ جل جلالہ کی صفت ہے کہ اسے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ اپنے لئے یہ صفت پسند کرنے والا نہیں تو کو با خدا نقلی اختیارات کا مالک بننے کا خواہاں ہے۔ اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

﴿لَا تَتَّخِذُوا آلِهَةً مِّنَ الْأَرْضِ هُمْ يَسْتَرْبُونَ . لَو كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا فَبِخَالِ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَفْعَلُونَ . لَا يَسْتَلِ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُنْكِرُونَ﴾  
(الانبیاء: ۲۲، ۲۱)۔

”تو کیا انہوں نے زمین سے ایسے معبود بنائے ہیں جو انہیں (مرنے کے بعد) زندہ انعامیں دیں گے؟ اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا اور معبود بھی ہوتے تو زمین و آسمان درہم برہم ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ جو عزوجل کا مالک ہے، ان امور سے پاک ہے جو بندگان بیان کرتے ہیں۔ وہ جو کہہ کرتا ہے، کوئی اس سے باز پرس نہیں کر سکتا جبکہ دوسروں سے باز پرس کی جاسکتی ہے۔“

دفعہ ۲۴ الف

یہ دفعہ ان تمام قوانین، حکم ناموں اور ضابطوں کو توثیق دینے کے لئے وضع کیا گیا ہے جو ۱۹۹۹ء سے لے کر اس دفعہ کے نافذ تک صادر کئے گئے۔ انہی احکامات میں ۱۹۹۹ء کا عبوری آئینی حکم Provisional Constitution Order No.1 of 1999 اور ۱۹۹۹ء میں منظور ہونے والی ترمیم ”ایم۔ ایف۔ او“ اور اس کے بعد دہائی ترمیم بھی... اپنے نتائج و اثرات سمیت..... شامل ہیں۔

اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:

270AA, Validation and affirmation of laws etc

270 AA, (1): The proclamation of emergency, of the fourteenth day of October, 1999 all president's orders,

ordinances, chief Executive's orders Including the provisional constitution order No 1 of 199 the oath of office (judges) order, 2000 (No 1 of 2000) chief Executive's order No 12 of 2002, the amendments made in the constitution through the legal framework order 2002 (chief Executive's order No 24 of 2002) the legal framework (Amendment) order, 2002 (chief Executive's order No 29 of 2002) the legal framework (second Amendment) order 2002 (chief Executive's order No 32 of 2002) and all other laws made between the twelfth day of October, one thousand nine hundred and ninety nine and the date on which this article comes into force (both days inclusive), having been duly made are accordingly affirmed adopted and declared to have been validly made by the competent authority and notwithstanding any contained in the constitution shall not be called in question in any court or forum on any ground whatsoever.

(2) All order made proceeding taken appointments made including second amendments and deputations, and acts done by any authority, or by person which were, made taken or done or purported to have been made, taken or

done, between the twelfth day of October one thousand nine hundred and ninety-nine, and the day on which this

Article comes into force (both days inclusive), in exercise of the powers derived from

Any proclamation president's orders ordinances, chief Executive's orders, enactment's including amendments in the constitution notification rules orders bye laws, or in execution of in comported exercise of powers as aforesaid shall notwithstanding any judgment of any court be deemed to be and always to have been validly made taken or done and be called in question in any court or forum on any ground whatsoever

(4) No suit prosecution or other legal proceeding including writ petitions shall lie in any court or forum against any authority or any person for or on account of or in respect of any order made . Proceedings taken or act done whether in the exercise or purported exercise of the power referred

to in clause (2) or in execution of or in compliance with order made or sentences passed in exercise purported of such powers. [PART XII Miscellaneous CHAPTER 7 TRANSITIONAL Article 270 AA]

۲۶

اس دفعہ کے تحت پارلیمان کے ہر ممبر اور ہر اس شخص کو جو پارلیمان میں بات کرنے کا اختیار رکھتا ہے، یہ حفظ فرامہم کیا گیا ہے کہ وہ پارلیمان میں نہ بات کہی کرے اس کے خلاف کسی بھی عدالت میں کوئی چارہ جوئی نہیں کی جاسکتی۔ لیکن اسی دفعہ کی شق ۲ میں یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ جو ممبر پارلیمان بھی کسی پارلیمانی کمیٹی کے سامنے، کمیٹی کے سربراہ کے مقابلے کے باوجود اپنی دستاویزات یا دیگر ثبوت پیش کرنے سے انکار کرے، اسے سزا دیے گئے قانون ساز کی کی جائے۔

Privileges of member etc.

66 (1) subject to the constitution and to the rules of procedure of Majlis e Shoora (parliament) there shall be freedom of speech in Majlis e Shoora (parliament) and no member shall be liable to any proceeding in any court in respect of anything said or any vote given by him in Majlis e Shoora (parliament) and no person shall be so liable in respect of the publication by or under authority of Majlis e Shoora (parliament) of any report, paper votes or proceedings

(2) In other respects the powers, immunities and privileges



## CHAPTER 2 -- THE MAJLIS-E-SHOORA (PARLIAMENT)

## Article 66]

یعنی پارلیمنٹ کے ہر رکن، ار پارلیمنٹ میں گفتگو کا حق رکھنے والے ہر شخص کو اجازت ہے کہ پارلیمنٹ میں جو چاہے کہے، جس پر چاہے زیادتی کرے، جس چیز کا چاہے مطالبہ کرے، جس چیز کی چاہے ترقیب دلائے، یہ دفعہ اسے مکمل تحفظ دیتی ہے۔ اسے دوسروں کی عزت اچھالے، بہتان تراشی کرنے، گناہوں پر اہمارے، گھر کینے، اسلامی کا مذاق اڑانے اور کوئی ماز افشا کرنے کی کھلی چھوٹ ہے..... اور اس سب پر شرعی کا سب سے دور کی بات، عدالت کی حاضری نہیں کیا جاسکتا۔

صرف یہی نہیں، بلکہ دستور لکھنے والوں کو اس بات پر بھی حیا نہ آئی کہ اسی دفعہ کے تحت پارلیمنٹ سے اپنے ماز بادشاہ، برات پوشیدہ رکھنے والوں کی سرزنش کا مطالبہ کیا جائے..... لیکن لوگوں کی عزت و آسوس پر زبان درازی کرنے اور اسلام پر کھینچا اچھالنے والوں پر کوئی گرفت نہ ہو۔ اظہار رائے کی اس مطلق دستاخط آزادی دینے کے بعد بھی ان کے ضمیر اور جذبات میں کوئی جل چل پیدا نہ ہوگی یعنی دراصل وہ انگریزی کی ضمانت ہے جس میں اسلام، اسلامی اقدار، اسلامی احکام اور مسلمانوں کی عزت و آسوس کا کوئی پاس دیا نہ گئیں، البتہ ان کے سامنے عترت و عقیدہ ہے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

مکمل ہے یہاں کوئی اعتراض نہ کرے کہ دفعہ ۶۳ (g) اس رکن پارلیمنٹ کی رکنیت کو منسوخ قرار دیتی ہے جو پاکستان کے نظریے، پاکستان کی سلامتی یا اخلاقیات وغیرہ کے برخلاف کوئی کام کرے۔

Disqualifications for memberships { Majlis e Shoora

(parliament )]

63 (1) A person shall be disqualified from being elected or chosen as, and from being a member of the Majlis e

Shoora (parliament) shall be such as may from time to time be defined by law and . until so defined , shall such as were immediately before the commencing day enjoyed by the National Assembly of Pakistan and the committees thereof and its members.

(3) Provision may be made by law for the punishment by a House of persons who refuse to give evidence or produce documents before committee of the House when duly required by the chairman of the committee so to do:

Provided that any such law

( a ) may empower a court to punish a person who refuses to give evidence or produce documents , and

( b ) shall have effect subject to such order for safeguarding confidential matters from disclosure as may be made by the president .

(4) the provisions of this Article shall apply to persons who have the right to speak in and otherwise to take part in the proceedings of Majlis e Shoora (parliament ) as they apply to members

(5) In this article Majlis e Shoora (parliament ) member either House or a joint sitting or a committee thereof [

Shoora (parliament) if-

(g) He is propagating any opinion or acting in any manner prejudicial to the ideology of Pakistan or the sovereignty integrity or security of Pakistan or morality or the maintenance of public order or the integrity or independence of the judiciary of Pakistan or which defames or brings into ridicule the judiciary or the Armed Force of Pakistan PART III The Federation of Pakistan CHAPTER 2 - THE [MAJLIS -E-SHOORA (PARLIAMENT ) Article 63].

اور یہ کہ ریاست پاکستان کو اسلام اور اسلامی احکامات کے احترام کے نظریے کی پرقائم ہے

اس کلمہ اعتراض کا جواب دیتے ہوئے میں عرض کرنا چاہوں گا کہ:

اولاً: ہم یہ بات تسلیم ہی نہیں کر سکتے کہ ریاست پاکستان اسلام کے احترام اور اسلامی احکامات کے احترام کے نظریے پر قائم ہے۔ یہ کتا اس جھوٹے دعوے کی قلعی کتبہ لئے کے لئے لکھی گئی ہے

ثانیاً: اگر ایک لمحے کے لئے یہ مان بھی لیا جائے کہ ریاست پاکستان اسلام اور اسلامی احکامات کے احترام کے نظریے پر کھڑی ہے، تو پھر بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا دستور پاکستان کی رو سے پارلیمان میں خلاف شرع گفتگو کرنے والے شخص کے خلاف کسی قسم کی کارروائی کر سکتی ہے؟ اس حوالے سے ہمیں زیادہ سے زیادہ دفعہ ۶۳ کی دوسری اور تیسری شق ملتی ہے، جن میں درج ہے کہ جب

بھی کسی رکن یا رہبان کی اہلیت پر سوال اٹھے تو پہلی کے سپیکر کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس معاملے کو چیف ایگیشن کیشن کے سرور کے اور وہ اس معاملے کو ایگیشن کیشن کے سامنے پیش کرے گا۔ کتا اس کی چھان بین کرنے کے بعد اس حوالے سے کوئی فیصلہ کیا جائے۔

Disqualifications for membership of Majlis-e-shoora (Pakistan)

63

(2) if any question arises whether a member of Majlis-e-Shoora (Pakistan) has become disqualified from being a member, the speaker or as the case may be chairman shall. Within thirty days from rising of such question refer the question to the Chief Election Commissioner.

(3) Where a question is referred to the Chief Election Commissioner under clause (2) he shall lay such question before the Election Commissioner which shall give its decision thereon not later than three months from its receipt by the Chief election Commissioner. [PART III The Federation of Pakistan . CHAPTER 2 - THE [MAJLIS-E-SHOORA (PARLIAMENT )]. Article 63]

ایگیشن کیشن ..... جو خود بھی ایسے حضرات پر مشتمل ہوتا ہے جن کی تقرری کے لئے نہ تو

مسلمان ہونا شرط ہے۔ نہ پانچ شرع، نہ اٹھن کشتی، نہ ای شرانک کے لئے دیکھتے آئیں کی، دفعہ نمبر ۱۱۳ کی سن نمبر ۲ جبکہ اٹیشن کمیشن کی شرانک کے لئے دیکھتے دفعہ نمبر ۱۱۸ کی سن نمبر ۲ کا جردب)..... دفعہ نوادہ سے ذرا وہ ای بات کا اختیار رکھتا ہے کہ اس رکن پارلیمنٹ کی رکنیت منسوخ کر دے۔ پھر اس کے بعد اس دفعہ ۶۶ کے تحت ہر قسم کے معاہدہ اور قانونی چارہ جوئی سے تحفظ حاصل ہوتا ہے۔

”کیا“ سب کے بعد بھی یہ کہنے کی گنجائش باقی رہتی ہے کہ ریاست پاکستان اسلام کے التزام اور احکام شرع کے احترام پر قائم ہے۔

ممکن ہے کہ یہاں یہ جہت بھی پیش کی جائے کہ اگر ان پارلیمنٹ کا قانونی جوابدہی سے مستثنیٰ قرار دینے جانے کا مقصد دراصل یہ ہے کہ اس کی سب کے حامل افراد ہر قسم کی انتہائی کاروائی اور دھونس دھمکی سے بے خوف ہو کر اپنی ذمہ داریاں ادا کریں اور اگر ان پارلیمنٹ میں آئے آپ کو قانون نافذ کرنے والے اداروں کے دباؤ سے آزاد اور حوالی سازشوں سے بچتے ہوئے اپنے ضمیر کی آواز پر اطمینان سے لیٹ کر سکیں۔

اس جہت پر تو یہ سب اہل صاف آتی ہے کہ ”مذکورہ مذکورہ آواز“ اور ”صاف“، جسکی انتہائی کاروائیوں اور مقامی سازشوں سے تحفظ دینے کا طریقہ تو یہ تھا کہ آزاد امانت اور اور غیر جانب دار عدلیہ تشکیل دی جاتی، تمام اداروں کے دباؤ سے تحفظ فراہم کیا جاتا اور اگر ان پارلیمنٹ سے بھی کوئی عدالتوں کے سامنے جوابدہ بنایا جاتا۔ کوئی چیز نہیں کہ اس کے بعد بھی ان سے انصافی دیتی۔ یہ تو کوئی علاج نہ ہو کہ جسکو عہد یدران کو جوابدہی سے مستثنیٰ قرار دے کہ شریعت اسلامی کی واضح مخالفت کی جائے اور لوگوں کو گمراہ و گمراہوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ ایک دوسرا جواب اس کا نشانہ نہیں اور دوسرے دو جزاں دونوں سے ہی ہر اقتدار پائیں۔ یہ دوسرا گروہ اپنے دفاع میں جو پبلک پیش کرتا ہے۔ یعنی یہ کہ اگر انہیں کسی گمراہ شریعت کے سامنے دوسروں کے برابر کھڑا کر دیا گیا تو انہیں ظلم و انصافی کا مدیترہ ہے..... یہ تو وہی دلیل ہے جو اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں منافقین کے حوالے سے بیان فرمائی ہے:

”وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّى فَرِيقٌ مِنْهُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَمَا أُولَئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ. وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ مِنْ أَمْرِ فَرِيقٍ مِنْهُمْ مُعْرِضُونَ. وَإِنْ سَأَلْتَهُمْ لِمَ تَحْنُ بِأَمْرِ اللَّهِ مُعْرِضُونَ. أَفَلَا يَفْقَهُونَ أَنَّ أُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ. آمَنَّا كَمَا نَقُولُ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُحْسِنُونَ“ (النور: ۴۷، ۵۱)۔

”اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے اور (ان کو) حکم مان لیا، پھر اس کے بعد ان میں سے ایک گروہ بچر جاتا ہے، اور یہ لوگ اہل ایمان نہیں ہیں۔ اور جب انہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو ان میں سے ایک گروہ منہ پھیر لیتا ہے۔ اور اگر معاملہ ان کے حق کا ہو تو قطعاً فرمایا اور ان کی طرف چلے آئے ہیں۔ کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے، یا یہ شک میں پڑے ہیں، یا ان کو یہ خوف ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ ان کے حق میں ظلم کریں گے۔ (نہیں؟) بلکہ یہ خود ظالم ہیں۔ مومنوں کی بات تو یہ ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لائے جائیں تاکہ وہ ان میں فیصلہ کریں تو کہتے ہیں کہ ہم نے (حکم) سنا اور مان لیا، اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔“

تیسرا اقتدار

سربراہ ریاست (یعنی صدر) کو

ہر قسم کے جرائم معاف کرنے کا حق حاصل ہے

دستور کی دفعہ ۴۵ صدر پاکستان کو یہ حق دیتی ہے کہ وہ کسی بھی عدالت، زیر پوئل، دیگر ہیئت مجاز کی دی ہوئی سزا، جھول سزائے موت کو معاف، کم ملاتی، عطل یا تبدیل کر دے۔

President's power to grant pardon, etc

45. The president shall have the power to grant pardon, reprieve and to remit, suspend or commute any sentence passed by any court, tribunal or other authority. [PART III The Federation of Pakistan, CHAPTER 1 – THE PRESIDENT, Article 45]

یعنی یہ دستور ایک ایسا، بن پیش کرتا ہے جس میں حاکم اعلیٰ سرحد اور ریاست ہے۔ وہ بالک کاکات اس دستور کی دھبہ پاکستان کے قانونی حلقوں میں بونی لے ہوئے ہیں۔ یہ خصوصاً سب دیکھ کر ۱۹۷۹ء میں صدر پاکستان نے مذکورہ دفعہ سے حاصل شدہ اختیارات استعمال کر کے جوئے سرائے سمیت کے تمام فیصلوں کو بحرقہ میں تبدیل کر دیا۔

THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973 with Commentary, comments on article 2-A

P: 54 to 56 and comments on article 45p: 115.

صدر کا یہ دستور حق شریعت سے صراحتاً متصادم ہے۔ شریعت تو یہ حق صرف معتدل کے ورثہ کو دیتی ہے کہ وہ قصاص، لیس یا قصاص کی جگہ دیت قبول کریں یا مطلق طور پر معاف کر دیں۔ ۱۹۷۹ء میں اٹھنے والی یہ بحث آجستہ دستور دیکھ کر ہی کئی یہاں تک کہ سراسر چودان دستور کی دفعات پر مرکوز ہو گئی جو قوانین پاکستان کو شریعت کے معافی : حاصل کا مطالبہ کرتی ہیں۔ اسباب اساسی سوال یہ عین کیا کہ یہ دفعات صرف حاکمیت اور مشورہ اور ان کا ذکر کچھ نہیں ہیں، جن پر عمل ضروری نہیں یا یہ ایسے احکامات وادامیں جن پر عمل بھی لازم ہے؟ کیا یہ دفعات دستور سے بالاتر کوئی حیثیت رکھتی ہیں؟ یا سرے سے دستور کا جزو نہیں ہیں؟

یہ بحث ۱۹۹۲ء تک جاری رہی، یہاں تک کہ بالآخر سپریم کورٹ نے اپنا تاریخی فیصلہ سنایا کہ یہ بحث ختم کر دی۔ سپریم کورٹ نے کہا کہ عدالت کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ کسی قانون کو اس بنا پر منسوخ قرار دے کہ وہ اللہ کی قائم کردہ حد سے تجاوز ہے۔ نیز یہ کہ دستور کی دفعہ الف عدالتوں کو مخاطب نہیں

کرتی، وہ تو عدالتی نمائندوں کو قانون سازی کے حوالے سے کچھ ہدایت دیتی ہے۔ اس بحث کی اہمیت کے پیش نظر ہم تیسرے باب میں دستور کے دیباچے اور دفعہ الف پر تبصرہ کرتے ہوئے اس کا تفصیلی جائزہ لیں گے، اللہ اللہ تعالیٰ۔

یہاں تو صرف یہ نکتہ سمجھنا مقصود ہے کہ باوجود اس کے کہ دفعہ ۴۵ کے حوالے سے مختلف باہم متضاد عدالتی فیصلے موجود ہیں۔۔۔۔۔ کوئی فیصلہ صدر کو عطا کردہ اس دستور کی حق کی حمایت کرتا ہے تو کوئی مخالفت، کوئی فیصلہ تمام قوانین کو اسلام کے مطابق : حاصل کرنے کی متقاضی دفعات کو واجب العمل قرار دیتا ہے اور کوئی اس کے برعکس۔۔۔۔۔ لیکس اس باہمی اختلاف کے باوجود بھی یہ تمام فیصلے ایک امر پر متفق ہیں، یعنی کہ یہ دستور کی دفعہ ۴۵ جو صدر پاکستان کو ہر قسم کی مزا، معاف کرنے کا اختیار دیتی ہے، اسلامی شریعت سے متصادم و متضاد ہے۔

چوتھا تضاد

قاضی کے لیے عادل ہونے کی شرط نہیں لگائی گئی، اور اہل ان ہونے کی شرط

بھی شخص شریعت عدالت کے قاضی کے لیے عائد کی گئی ہے

(الف) اسلام میں قاضی کے لیے مسلمان اور عادل ہونا شرط ہے

اس بات پر تمام فقہائے اسلام کا اجماع ہے کہ قاضی بننے کے لیے مسلمان ہونا اور پھر عادل ہونا شرط ہے (عادل کا لفظ یہاں شرعی اصطلاح کے طور پر استعمال ہو رہا ہے) امام گجاسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”فصل : وأما بيان من يصلح للن قضاء فقول : الصلاحية للن قضاء لها شرائط

منها العقل ، ومنها البلوغ ، ومنها الإسلام ، ومنها الحرية ، ومنها البصر . ومنها النطق ، ومنها سلامة عن حد الغف ، لما قلنا في البداية . فلا يجوز تقليد المجنون والصبي والكافر والعبد والإعمي والأخرس والمحدود في الغف ، لأن القضاء من

ماب الولاية، بل هو اعظم الولايات، وهؤلاء ليست لهم اهلية ادنى الولايات. وهي الشهادة، فلا ن لا يكون لهم اهلية اعلاها اولیٰ“۔

”زبانہ معاملہ کر کر کے شخص قاضی بننے کا اہل ہے، تو ہم کہتے ہیں کہ اس منصب کا اہل ہونے کے لیے انسان میں کچھ شرائط کا یا یا لازم ہے۔ مثلاً اس کا عاقل و بالغ، مسلمان، آزاد، چنا، بشکھ اور حد قذف سے پاک ہونا (یعنی عادل) یہ شرائط عائد کرنے کے اسباب ہم گواہی کے باب میں ذکر کر چکے ہیں۔ ان شرائط کی رود سے کسی کا اہل و عاقل و بالغ، کافر، نام اہل، عی، بہرے یا حد قذف میں سزا یافتہ شخص کو قاضی بننا جائز نہیں۔ کیونکہ تقاضا بھی ایک طرح کی ذمہ داری ہے، بلکہ عظیم ترین ذمہ داری ہے، جبکہ مذکورہ لوگ تو گواہی نہیں چھوٹی ذمہ داری بھی ادا کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ پس اس سے بڑی ذمہ داری کے تو وہ کسی طرح مستحق ہو ہی نہیں سکتے۔“

(امداد الصنائع فی ذنوب الشرائع، کتاب آداب القاضی، الفصل فی بیان من يصلح للقضاء ص ۳۰)۔

(ب) دستور پاکستان میں مسلمان: دینے کی شرط محض شرعی عدالت کے قاضی کے لیے ہے پاکستانی دستور صرف وفاقی شرعی عدالت اور پریم کورٹ کے شریعت مراعات کا قاضیوں کے لیے مسلمان ہونے کی شرط عائد کرتا ہے باقی تمام عدالتوں کے قاضیوں کے لیے کوئی شرعی عائد نہیں کرتا۔ جبکہ عادل (یعنی پابند شریعت) کی شرط تو وفاقی شرعی عدالت سمیت کسی عدالت کے لیے عائد نہیں کی گئی۔ گویا پاکستان میں کسی چھوٹی ہی عدالت سے لے کر عدالت عظمیٰ تک کا قاضی بننے کے لیے حتیٰ کہ چیف جسٹس بننے کے لیے بھی مذکور مسلمان ہونا شرط ہے اور ذی حد قذف سے پاک ہونا۔

بیض جسٹس سمیت پریم کورٹ کے جج حضرات کی شرط جانے کے لئے دفعہ ۱۷۱ کی شق ۴ دیکھئے جس کی اصل عبارت یہ ہے:

Appointment of Supreme court Judge

177-----

(2) A person shall not be appointed a judge of the Supreme Court unless he is a citizen of Pakistan and-

(a) Has for a period of, or for periods aggregating, not less five years been a judge of a High court (including a High court which existed in Pakistan at time before the commencing day ), or

(b) Has for period of or for periods aggregating , not less than fifteen years been an advocate of a High Court which existed in Pakistan at any time before the commencing day

PART VII the judicature CHAPTER 2- THE SUPREME COURT OF PAKISTAN. Article 177]

ہائی کورٹ کے ججوں کی شرائط کے لئے دفعہ ۱۷۳ کی شق ۲ دیکھئے۔ جس کی اصل عبارت یہ ہے:

Appointment of High court Judges

193-----

(2) A person shall not be appointed a judge of High Court unless he is a citizen of Pakistan, is not less than forty-five years of age, and

(a) he has for a period of or for periods aggregating , not less than ten years been an advocate of a high court which existed in Pakistan at any time before the commencing day

); or

(b) He is and has for a period of not less then ten years been a member of a civil service prescribed by law for the purposes of this paragraph , and has for period of not less than three year , served as exercised the functions of a District Judge in Pakistan, or

(C) He has, for period of not less then ten years, held a judicial in Pakistan [PART VII the Judicature, CHAPTER 2 – THE SUPREME COURT OF PAKISTAN, Article 193]

یہ دونوں شرائط نہ ہونے کے سبب کنراور فساد کی تاشی مقرر کرنا آئین پاکستان کی رو سے جائز ہے۔ دیگر شریعت کی رو سے ایسا کرنا بالکل ناجائز ہے۔ (ای کے نتیجے میں بھوان داس کے لئے سپریم کورٹ کا چیف جسٹس بنایا گیا)۔ چنانچہ اس دستور نے نہ صرف ایک ناجائز بات کو جائز ٹھہرایا، بلکہ اسے ایک باقاعدہ قانون کا روپ دیا۔ کہ اللہ کے حرام کردہ امر کو سباح شئی حلال قرار دیا۔ گواہی دستور اللہ کے حرام کردہ امور کو حلال قرار دینے اور حکم الہی سے تصادم کا قانون سازی کرنے جیسے عظیم جرائم پر مشتمل ہے۔ کیا ان کے دوسرے باب میں اس حوالے سے تفصیلی بحث کرنا چاہیے؟

مشارکتی ریفرنسز ہوتے ہیں۔

”ان من عدل عن شرع اللہ الی شرع غیرہ فہذ عدل بشرع اللہ شرعا آخری“  
 ”و من ثم عدل باللہ الیہ و اربابا آخرین، لان الشرع ابتداء خالص حق اللہ باعتبارہ من خصائص الربوبیۃ و الألویۃ، کذلک من لم يعدل عن شرع اللہ کلمہ و لکنہ عدل لہ۔ لانه لا یسلک ذلک الا سلطۃ فی نفس المستوی او سلطۃ اعلیٰ، فمن فعل ذلک فہذ جعل من نفسه ندا للہ، تعالی اللہ عن ذلک علوا کبرا۔“

و التحريم والتجلیل اللذان أشارت الیہما الآیۃ الکریمة بتخذ صورة العدول أو التعديل، فمن عدل عن تحريم الخمر الی اباحیہا فقد أحل ما حرم اللہ و رفع فی الکفر والشک، و کما یكون العدول صریحا بأن یقال عن العوام حلال، فانہ یكون کذلک ضمنا بتغییر و صرف الحکم من الحرام الی الحلال، ففی مثل الخمر جاء تحريمها بالنص والاجماع، فإذا جاءت نصوص و ضمیۃ خالیۃ من العقاب فقد غیرت وصف الحکم وجعلہ مباح، و المباح أحد أقسام الحلال، و من لم فانہا نکتون قد أحلت ما حرم اللہ.... و اذا جاءت نصوص و ضمیۃ خالیۃ من النص علی العقاب علیہ و لو فی بعض الأحوال فانہا نکتون قد اباحہ فی هذه الحالات ای نکتون قد اسلحت ما حرم اللہ، و هذه صورة من صور العدول.... أما صور التعديل فان الحکم یبقى علی وصفه الأصلي، فلا یقلب من الحرام الی الحلال، و لکن مثلا یجرى التعديل فی العقوبة، الی و ضمیۃ اللہ سبحانه للعدل، کان یحفظ بالنص بتحريم الفعل و یحرمه و لکن بعدل العقوبة المفروۃ له شرعا، و یجعل الحبس بدلا من الجلد أو الرجم، و یمکن ان یقال ان مثل تلك النصوص الوضعیۃ الی تنصت منعدیلا فی الحکم الشرعی تنصت کذلک عدولا، ان وضع عقوبة سکان أخرى عدول عن العقوبة الأصلیۃ الی شرعها الشارع الحکم علاجا للداء، و هو أعلم بمن خلق و هو اللطیف الخیر، و علی ذلک فالعدول و التعديل جو من فیصل التجلیل و التحريم، الذی دمه الفقر أن بالکفر و الشک.... و نلک أقصى صور عدم الشرعیۃ“

”جس کی نے اللہ کی شریعت کو چھوڑ کر کوئی دوسرا قانون اختیار کر لیا تو گویا اس نے اس خود ساختہ قانون کو شریعت الہیہ کے برابر ٹھہرایا اور دیگر خود ساختہ قوانین کو اللہ کے مساوی کر دیا۔ اس قانون کے لیے قانون بنانا تو ربوبیت اور الوہیت کا خاصہ ہے اور اسی لیے اللہ جل جلالہ کا حق ہے کہ وہ

قانون سازی کرے۔ اسی طرح اس شخص کا جرم بھی چونکہ تکلیف نہیں جو شریعت الہیہ کو بالکل ترک تو نہیں کرتا لیکن اس شریعت میں ان باتوں پر تیسرا تکتا ہے۔ اللہ کی شریعت میں تہمید کا حق تو اسی کو ہو سکتا ہے جو (نفس و بالہ) اللہ تعالیٰ کے برابر یا اس سے بھی بڑھ کر اختیار رکھتا ہو۔ پس جو کوئی بھی ایسا کرتا (یعنی شریعت کی جگہ کوئی دوسرا قانون اختیار کرے یا شریعت میں من، منی، تہمیدات کرے) تو گو باطن نے خود کو اللہ کا مہر بنانے کی کوشش کی، اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند اور بڑے۔

قرآنی آیات جب اللہ کے حرام کردہ کو حلال اور اس کے حلال کردہ کو حرام ٹھہرانے والوں کی مذمت کرتی ہیں تو وہ ان دونوں قسم کے لوگوں کی طرف اشارہ ہوتا ہے:

----- وہ جو حکم شریعت کو مکمل طور پر کسی دوسرے قانون سے بدل ڈالیں (مدول)

----- اور وہ بھی جو شریعت میں تہمید کریں (تعدیل)

مثلاً جس شخص نے شراب کو حرام کے بجائے حلال قرار دیا تو کیا اس نے اللہ کے حکم کو حرام سے بدل کر حلال میں تبدیل کر دیا اور یوں دوسرا کفر و شرک کا مرتکب ہوا۔ پھر جس طرح یہ ممکن ہے کہ حرام کو سیدھا حلال قرار دے کر پورا حکم بدل دیا جائے اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ اس حکم میں بعض معنی تبدیلوں سے حرمت کو حلال میں تبدیل کر دیا جائے۔ مثلاً شراب کی حرمت نفس اور اجتماع دونوں سے ثابت ہے، لیکن اب اگر خود ہے کوئی قانون بنا دیا جائے جس میں شراب نوشی (کو ضرر لگتا تو حلال نہ کیا جائے لیکن اس کو کسی سزا سے محروم نہ ہو تو شراب کو حلال قرار دینے کے حق پر اوقف ہے اور مباح بھی حلال کی ایک قسم ہے۔ ان فرض اس تبدیلی کا نتیجہ بھی وہی نکلے گا کہ اللہ کا حرام کردہ امر حلال ٹھہرے گا۔ اسی طرح اگر کوئی خود ساختہ قانون بعض مخصوص شخصیات یا بعض مخصوص حالات میں شراب نوشی کی شرعی سزا سے مستثنیٰ رکھتا ہے تو گویا وہ شراب نوشی کو ان مخصوص حالات میں مباح قرار دیتا ہے۔ یعنی دوسرے لفظوں میں وہ ان مخصوص حالات میں اللہ کی حرام کردہ چیز کو حلال ٹھہراتا ہے۔ پس یہ سب صورتیں حکم شریعت کو مکمل طور پر کسی دوسرے قانون سے بدل ڈالنے (یعنی مدول) میں داخل ہیں۔

جبکہ دوسری صورت (یعنی تعدیل) یہ ہے کہ اصل حکم کو اپنی جگہ باقی رکھا جائے، حرام کو حلال

رکھا جائے لیکن اللہ نے اس جرم پر جو سزا مقرر کی ہے اس میں تہمید کر دی جائے۔ مثلاً کسی فعل کو حرام تو رہا جائے اور اس فعل کے مرتکب کو سزا بھی دی جائے لیکن جس سزا شریعت نے مقرر کی ہے۔۔۔ مثلاً ان کے پاس سنگسار ہے۔۔۔ اس میں تہمید کر کے اسے سزائے قید میں بدل دیا جائے۔۔۔ کیا بھی ناقص نہ ہوگا۔ ایسے خود ساختہ قوانین جو حکم شرعی میں تہمید (یعنی تعدیل) کرتے ہوں، دراصل تہمید شرعی کی کسی دوسرے قانون سے بالکل بدل ڈالنے (یعنی مدول) ہی کے مترادف ہیں۔ جب وہ سب حکم لے، چاہی کہ وہ قے خوب آگاہ اور ہر ایک میں دباؤ ہے، ایک باری کے حلال کے طور پر ایک شرعی سزا مقرر کر رہی ہے تو اسے کسی دوسری سزائے بدل دینا ایک طرح کا مدول ہی ہے۔ لہذا یہ مدول؛ اللہ کی (یعنی حکم شرعی کو بالکل بدل دینا یا اس میں بزوی تہمید کرنا) دونوں ہی اللہ کی رہنمائی سے آزاد ہو کر چیزوں کو حلال و حرام قرار دینے میں داخل ہیں؛ اور وہ جرم عظیم ہے جسے قرآن نے کفر و شرک قرار دے کر طایا جت کرنے کا حکم دیا ہے۔۔۔ اور بلاشبہ یہ مخالفت شرع کی انتہائی صورتیں ہیں۔

(أصول الشريعة الإسلامية للمنشیار علی جوبلة ۲۴/۲۴ : ۲۳ : نقلہا من کلیة حسن للشیخ عمر عبد الرحمن ص : ۳۶، ۳۷)

انچوائی اقتدار

سربراہ ریاست کے لیے مرد ہونے کی شرط نہیں عائد کی گئی

دستور کی دفعہ ۵۳ و ۵۴ و ۵۵ و ۵۶ و ۵۷ و ۵۸ و ۵۹ میں اس کا بیان ہے۔ اس شرط میں سربراہ ریاست کے لیے مرد ہونے کی شرط کا کوئی ذکر نہیں، حالانکہ اس شرط پر تو تمام کام کا اجماع ہے۔

اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:

The president 41-----

(2) A person shall not be qualified foelction as president

unless he is a Muslim of not less then forty-five years of age and qualified to be elected as member of the National Assembly .

[PART III The federation of Pakistan, CARTER 1 - THE PRESIDENT Article 41]

برائے مفسرین ناک واقعہ تو سبھی کو یاد ہوگا کہ پاکستان کی ایک بہت بڑی دینی جماعت کے قائد نے بے نظیر بھٹو کے وزیر اعظم منتخب ہونے پر کہا تھا کہ: "شریعت نے تو نماز میں عورت کی اہمیت کو جاننا قرار دینا ہے، نہ ہی کئی معاملات میں عورت کی اہمیت کو درست جانتی ہے، لیکن جب عوام نے ایک عورت کو وزارت عظمیٰ کے لیے منتخب کر لی لیا ہے تو اس عوامی رائے کا احترام کرنا چاہیے۔"

یہ واقعات (پاکستانی سیاست میں حصہ لینے والی) محدود دینی تنظیموں کے نمونہ کردار کی عکاسی کرتا ہے۔ ان تنظیموں کے مذہبی کسی مستند طوثری بنیاد پر قائم ہونے کے بجائے عام کے چیلنے کی طرح پاکستانی سیاست، دستور و قانون اور عوامی مسائل کے مطابق ڈھلتے اور بدلتے رہتے ہیں۔ اسی رویے کا نتیجہ ہے کہ یہ تنظیمیں خبردار اپنے ہی بنیادی اصول و عقائد کی پابندی نہیں کر پاتیں۔ چنانچہ پاکستان کی غالب اکثریت بھی انہیں احترام کی نگاہ سے نہیں دیکھتی۔ یہ جماعتیں دستور و امت کی قیادت سنبھالنے کی اہل ہیں، نہ ہی یہ پاکستان پر مسلط کردہ صلیبی جنگ کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ یہ فیصلہ کہ انتخابی کمیشن کا کام ہے کہ کون انتخابیات میں شرکت کا اہل ہے اور کون نہیں۔ پس جب انتخابی کمیشن ایک مرتبہ یہ اعلان کرے کہ کچھ شخص درست طریقے سے سربراہ منتخب ہو چکا ہے تو پھر بھی کسی عدالت یا عدالت عظمیٰ کے ذریعے اس کی اہلیت کو مستحکم بنانا ممکن نہیں رہتا، اور انتخابی کمیشن کے ارکان کے لیے دستور و قیود مسلمان ہونے کی شرط مقرر کرتا ہے، نہ ہی عادل (یعنی پابند شریعت) ہونے کی شرط۔ پس جو لوگ خود دین و شریعت سے آزاد ہوں، وہ کیسے دوسروں کے مسلمان یا عادل ہونے کا فیصلہ کر سکتے ہیں؟

THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With

چھٹا اقتدار

ہر اس شخص کو سزا سے تحفظ فراہم کیا گیا ہے جس نے جرم کا ارتکاب

اس نفل کو قانونی طور پر جرم قرار دینے سے قبل کیا ہو

دستور کی دفعہ ۲۸ کہتی ہے کہ: "ہر وہ شخص سزا دینا جائز نہیں۔ یعنی اگر ایک شخص نے کسی نفل کا ارتکاب اس وقت کیا جبکہ دستور و قانون میں اسے جرم قرار دیا گیا تھا، نہ ہی اس پر کوئی سزا مقرر تھی۔۔۔ تو اسے اس وقت میں سزا نہیں دی جاسکتی۔ اسی طرح اگر اس وقت کوئی سزا مقرر تھی تو اس مقرر سزا کے علاوہ کوئی دوسری سزا بالاس سے بڑی سزا بھی نہیں دی جاسکتی۔"

اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:

Protection against retrospective punishment

12 (1) No law shall authorize the punishment of a person

(a) for an act or omission that was not punishable by law at the time of the act or omission ;or

(b) for an offence by a penalty greater then , or of a kind different from , the penalty prescribed by law for that offence at the time the offence was committed .

(2) Nothing in clause (1) or in Article 270 shall apply to any law making acts of abrogation or subversion of a constitution in force in Pakistan at any time since the



Twenty- third day of March one thousand none hundred and fifty-six, an offence [PART II Fundamental rights and principles of policy, CHAPTER 1 - FUNDAMENTAL RIGHTS Article 12]

(الف) گویا اگر کوئی شخص شرعاً کسی جرم کا مرتکب ہو اور اسے عدالت میں پیش کر کے شرعی طریقہ کار کے مطابق اس کا جرم ہو ثابت کر دیا جائے۔۔۔ جب بھی اسے سزا نہیں دی جاسکتی یہاں تک کہ یہ نہ ثابت کر دیا جائے کہ جرم کا ارتکاب کے وقت یہ فعل پاکستانی قانون میں بھی جرم تھا۔ بلاشریعت کی گناہیں یا ایک باطل اصول ہے کیونکہ اس کے مطابق:

(۱) شرعی احکامات اس وقت تک واجب العمل نہیں ہوتے جب تک پاکستانی پارلیمان یا سربراہ ریاست خطائے کی کاروائیاں پوری کرتے ہوئے انہیں ملکی قانون نہ قرار دے۔ گویا ان کی نازل کردہ شریعت ان کے نزدیک واجب الاتباع شریعت ہی نہیں کیونکہ ان کی قانون ساز مجلس (پارلیمان) نے اسے منظور نہیں کیا۔

دستور پاکستان کا یہ اصول شرعاً بالکل باطل ہے۔ اس اصول سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام کی عطا کردہ شریعت اور پاکستانی پارلیمان سے صادر ہونے والے قوانین دو مختلف مقبوضات ہیں جو ہوتے ہیں اور ان دونوں کے درمیان نہایت واضح تضاد ہے۔ وہی کی نازل کردہ شریعت تو کسی انسانی پارلیمان سے منظور کی جاتا ہے نہیں۔ یہ اسی وقت سے واجب العمل ہے جب سے حق تعالیٰ نے اسے نازل فرمایا اور نبی اکرم ﷺ نے اسے امت تک پہنچایا کوئی دنیوی قانون اس شریعت کو تسلیم کرے یا نہ کرے شریعت الہی کی قدر و منزلت پر اس کے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ پاکیزہ شریعت تو بہت بڑی عظمت کے وقت سے موجود اور واجب العمل ہے، چند دوسو سال اسلامی حکمرانوں میں ملنا نادر ہی ہے اور شرعی قاضی اسی کے مطابق ان چودہ صدیوں میں فیصلے کر کے آئے ہیں۔

(اسی طرح کی ایک کوشش کے ذریعے مصر کی اعلیٰ دستوری عدالت نے بھی دستور کی ذمہ داری

ملتی ہے اور فرار اختیار کی جس میں کہا گیا ہے کہ: شریعت اسلامیہ کے اصول و مبادی ہی قانون سازی کا ماخذ ہیں۔ عدالت نے کہا کہ اس دفعہ کا اطلاق ان قوانین پر نہیں ہوگا جو اس سے قبل صادر ہوئے۔ اور چونکہ ملک کے نائب قوانین اس دفعہ کی منظوری سے پہلے سے ہیں لہذا ان پر اس دفعہ کا کوئی اطلاق نہ لگا۔ دیکھئے مصر کس انداز اساتذہ المسببہ والا دستور التحقیہ بمالہ اہرام، التقریر الاصلیہ الصغری العربیہ لسنة ۱۹۹۳، ص ۳۳۲، الفاروق ۱۹۹۳، الحکم رقم (۲) لسنة ۳۱ قضائیه (دستوریه) الصادر فی ۱۳ اپریل ۱۹۹۳ م.

(۲) دفعہ ۱۲ بیان کردہ اس اصول کے مطابق لوگوں پر جہت اس وقت قائم ہوتی ہے جب پاکستانی قانون کوئی یا تمامہ فرمان جاری کرے، حالانکہ یہ جہت تو دراصل چودہ سو سال قبل ہی قائم ہو چکی تھی جب یہ شریعت آسمانوں سے نازل ہوئی تھی۔ اب تو اس کے بنیادی احکامات مثلاً شراب، زنا اور زہری وغیرہ کی حرمت سب ہی کو معلوم ہے، کوئی بھی اس سے لاعلمی کا علم نہیں کر سکتا۔

(۳) یہ اصول شرعی اور غیر شرعی سزاؤں میں تفریق کیے بغیر یہ عمومی قاعدہ دیتا ہے کہ نہ کوئی سزا یا عینی سزا دی جاسکتی ہے، نہ ہی جرم کے ارتکاب کے وقت قانون میں جو سزا مقرر تھی اس سے مختلف کوئی سزا دی جاسکتی ہے۔ گویا اگر جرم کے ارتکاب کے وقت قانون میں کوئی غیر شرعی سزا مقرر تھی تو اب اسے تبدیل کر کے شرعی سزا دی جائے گی نہیں۔ پس یہیں سے اس بات کا رد و اذہا کہ بعض غیر شرعی سزاؤں میں شرعی سزاؤں کا متبادل یا کمین۔ شریعت غیر شرعی سزاؤں کو لائق اعتبار ہی نہیں سمجھتی لہذا یہ اصول شرعاً ناقابل قبول ہے۔

(۴) اس دستور دفعہ سے یہ بات بھی پتہ چلتی ہے کہ ریاست پاکستان میں اصل قانون ساز ایجنسی نہیں، انسان ہیں۔ کیونکہ اللہ کے حکم کو بھی یہ دستور تسلیم کرتا ہے جب امریکا پارلیمان اس پر مہر تصدیق ثبت کر دیں۔ اللہ رب العزت تو اپنی کتاب مقدس میں انجیل کی تاکید کے ساتھ بیان فرماتے ہیں کہ قانون بنانے اور حکم دینے کا حق صرف اسی کی ذات بالا اسماںات کو حاصل ہے جن تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِذْ أَخَذَ الْإِنسَانُ عَمَلَهُ وَطَعَهُ لَكُمُ الْعَمَلُ وَكَذَّبَهُ عَنْ رَبِّهِ وَكَذَّبَ عَنْ عِبَادِكُمْ فَاصْتَعْطَبَ لَكُمْ مِنْ أَنْ يَحْكُمَ

الا للہ بقض الحق وهو خير الفاصلين ﴿۱۵۷﴾ [الانعام: ۱۵۷]۔

"آپ کہہ دیجئے! میں تو اپنے پروردگار کی روشنی و دلیل پر قائم ہوں جبکہ تم اسے چھوڑتے ہو، جس چیز (عذاب) کے لیے تم جلدی کر رہے ہو، میرے پاس نہیں ہے، حکم اللہ ہی کے لیے خاص ہے، وہ حق بیان کرتا ہے، اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ثم ردّ إلى الله موليم الحق ألا له الحكم وهو أسرع الحاسبين﴾

[الانعام: ۱۶۳]۔

"پھر (تو اسے کہہ کن لوگ!) اپنے مالک حقیقی اللہ کی طرف لوٹاؤ گے جس کے ہاں تو حکم اسی کے لیے خاص ہے، اور وہ نہایت جلدی حساب لینے والا ہے"

اور فرمایا:

﴿ما تعبدون من دونه الا اسماء سميتوها انتم وآبائكم ما أنزل الله بها

من سلطان ان الحكم الا لله أمر ألا تعبدوا الا إياه ذلك الدين القيم ولكن أكثر الناس لا يعلمون﴾ [يوسف: ۳۰]۔

"اس (اللہ) کے سوا تم جن کی عبادت کرتے ہو تو صرف نام ہی ہیں جو تم نے اور نہایت باپ دادا نے رکھ لیے ہیں، اللہ نے ان (کے حق ہونے پر کوئی سند نازل نہیں کی) (یہ سن رکھو کہ) اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں، اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، یہی میرا حکم دین ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔"

اور فرمایا:

﴿وَاللَّهُ يَبْدئُ لا تَدْخُلُوا من باب واحد وادخلوا من أبواب متفرقة وما أغشى

عنكم من الله من شيء ان الحكم الا لله عليه توكلت وعليه فليتزكل المتزكلون﴾ [يوسف: ۶۷]۔

"اور (تلقوب علیہ السلام نے) فرمایا: اے نبی! (شیریں) ایک ہی دروازے سے داخل نہ کرو، بلکہ جدا جدا دروازوں سے داخل ہونا، اور میں تمہیں اللہ کی اللہ پر سے تو نہیں بنیاستا، حکم تو صرف اسی کے لیے خاص ہے، میں اسی پر جو حکم کتابوں اور اہل توکلین کے حق میں ہے، پھر میرے کہنا چاہیے۔"

اور فرمایا:

﴿وهو الله لا اله الا هو له الحمد هي الاولى والاخره وله الحكم واليه

نرجعون﴾ [الفصص: ۲۰]۔

"اور اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، دنیا و آخرت میں اس کی تریب ہے اور اسی کا نظم، اور اسی کی طرف تم لوٹاؤ گے۔"

اور فرمایا:

﴿ولا تدع مع الله شيئا اخر لا اله الا هو كل شيء هالك الا وجهه له

الحكم واليه نرجعون﴾ [الفصص: ۲۸]۔

"اور انا تم کے ساتھ کسی دوسرے کو مت پکارو، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کی ذات کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے، اسی کا حکم ہے، اور اسی کی طرف تم لوٹاؤ گے۔"

اور فرمایا:

﴿ذلكم الله اذا دعى وحده كفرون وان يشرك به ظمورا فالحكم لله

العلی الكبير﴾ [اعراف: ۱۲]۔

"یہ اسی کے لیے ہے کہ جب تم خدا اللہ کو پکارا جاتا تو تم قبول کرنے سے انکار کر دیتے اور اگر اس کے ساتھ شریک مقرر کیا جاتا تھا تو تم مان لیتے، نہیں حکم تو اللہ ہی کے ساتھ خاص ہے، جو (سب سے) بلند اور (سب سے) بڑا ہے۔"

لیکن ان تمام آیات کے عل الرغم پاکستان میں قانون سازی کا حق صرف ارکان پارلیمان کو حاصل ہے، جب چاہیں کسی حکم کو قانونی حیثیت دے دیں اور جب چاہیں اسے قانون سے خارج

کر دیں۔ ان شاء اللہ وفاقی شرعی عدالت پر بحث کے بدل میں یہ بات چوری طرح واضح ہوگی کہ اگرچہ باطنی سزا نہ دینے کو اصول کہتے ہیں تاکہ مناجح کا حامل ہے اور کس صلائی کے ساتھ یہ اصول انکشافات شریعت سے چھٹکارا پانے، انہیں مطلق کرنے اور سوئی نظام جاری رکھنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ (ب) یہ دستور لکھنے والوں کو اس بات پر حیا تک نہ آئی کہ انہوں نے (۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء کے بعد) دستور پاکستان کی مخالفت کرنے والے ہذا اس اصول سے مستثنیٰ رکھا اور سزا کو مستحق کر دیا، لیکن شریعت رب العالمین کی مخالفت کرنے والے کو اس دفعہ سخت چوراہے پر محفوظ فرما کر اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان لوگوں کا عقیدہ مسلمانوں کے عقیدے سے مختلف ہے اور یہ لوگ اللہ مالک ملک کی حاکمیت تسلیم کرنے سے انکاری ہیں۔

ساتواں تضاد

ایک جرم پر دو مرتبہ سزا دینے کی مطلق ممانعت

دستوری دفعہ ۱۳ ایک جرم پر دو مرتبہ سزا دینے سے منع کرتی ہے۔

اصل ممانعت یہ ہے:

Protection against double punishment and self incrimination

13 No person –

(a) Shall be prosecuted or punished for the same offence more than once; [PART II Fundamental right and principles of policy, CHAPTER-1 FUNDAMENTAL RIGHTS, Article 13]

شریعت کے بنیائے سے یہ اصول بھی درست ہو سکتا ہے۔ سب اس جرم پر پہلی مرتبہ ہی گئی سزا شریعت کے مطابق ہو۔ البتہ اگر پہلی سزا ہی غیر شرعی ہو تو پھر شریعت اس اصول کو تسلیم نہیں کرتی۔ مثلاً اگر کوئی شخص چوری، زنا یا قتل کے جرم کا مرتکب ہو اور پاکستانی عدالتیں اسے غیر شرعی سزا دے دیں یا پھر

سزا پاکستان اس لیے صواب یہی اختیارات استعمال کرتے ہوئے اس کی سزا میں تخفیف کر دے تو دفعہ ۱۳ کے مطابق کسی بھی عدالت کو یہ اختیار نہیں کہ اس پر شرعی سزا قائم کر سکے۔۔۔۔۔ اور یقیناً یہ امر شرعاً ناقابل قبول ہے۔

غیب بات یہ ہے کہ پاکستانی عدالتیں جو غیر شرعی قوانین کے مطابق فیصلے کرتی ہیں اور جو وہ ہر کسی سزا کی قائل نہیں تھیں، یہ عدالتیں کسی بھی سزا کو اس وقت تک تسلیم نہیں کرتیں جب تک وہ پاکستانی قوانین میں مدون نہ ہو۔۔۔ جس کا کلیتیہ یک مثال کے ذریعے سمجھا جا سکتا ہے۔ فرض کیجئے کہ پاکستانی عدالتوں میں ایک ایسا جرم پیش کیا جاتا ہے جسے اپنے جرم کی شرعی سزا دی جا چکی ہے۔۔۔ تو اگرچہ دفعہ ۱۳ کے تحت اسے دوبارہ سزا دینا ناجائز ہے۔۔۔ لیکن پاکستانی عدالت اسے دوبارہ سزا دے گی البتہ کہ پہلے ہی گئی سزا کسی پاکستانی عدالت سے پاکستانی قانون کے مطابق باضابطہ طور پر جاری ہوئی ہو۔

بلکہ امریکہ سمیت کئی ممالک کا طریقہ کار تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان کے قانون کی نظر میں جرم کا مرتکب ہو اور اسے اس جرم کی سزا پاکستان میں دی جا چکی ہو۔۔۔ تو وہ اس سزا کو معترف نہیں سمجھتے اور دوبارہ خود سے سزا دیتے ہیں۔ اس کی مثال واضح ہے کہ جن فلسطینیوں نے ۸ کی دہائی میں پان امریکی غلہ راہ اغوا کیا تھا امریکہ نے ان کی اس طویل قید کو غماز نہیں کیا تھا جو انہوں نے پاکستانی جیلوں میں کاٹی تھی اور اس طویل سزا کے بعد پاکستان کی رذیل حکومت نے ان فلسطینیوں کو امریکہ کے حوالے کر دیا تھا تاکہ امریکہ انہیں از سر نو سزا دے۔

آٹھواں تضاد

سود کے حوالے سے دستور کا موقف

دستوری دفعہ ۲۸ اس بات کی تاکید کرتی ہے کہ عوام کی معاشی اور معاشرتی فلاح و بہبود کی خاطر جس قدر ملے ممکن ہو زر کو ختم کیا جائے گا۔

اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:

Promotion of social and economic well being of the people

38. The state shall-

(f) Eliminate riba as early as possible. [PART II Fundamental right and principles of policy CHAPTER 2 - PRINCIPLE OF POLICY, Article 38]

(الف) یہ عبادت مستقبل کے لیے ایک وعدہ تھا جو کہی و بانہاں زور سے کے باوجود بھی پورا نہیں ہو سکا۔ اس وعدہ کی مثال اس طرح ہے جیسے کہ ایک شخص کہے کہ میں حقیر بیب نماز پڑھوں گا یا میں حقیر بیب اسلام قبول کروں گا۔۔۔ تو کیا شخص ایک ذاتی وعدہ پر یہ شخص نمازی یا مسلمان بن سکتا ہے؟

(ب) علاوہ ان میں دستور کی یہ دفعہ کسی قانون ساز قوت کی حامل نہیں، نہ ہی یہ عداوتوں کے معاملات پر اثر انداز ہوتی ہے۔۔۔ اس کی حیثیت تو ایک وعدہ سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ اسی لیے دلیل محمد رفیق بٹ نے دستور پر تبصرہ کرتے ہوئے صراحت سے لکھا ہے کہ:

”دفعہ ۱۹ سے ۴۰ تک کے احکامات صرف رہنما اصولوں کی حیثیت رکھتے ہیں (نہ کہ نائندہ)۔ قوانین کی مانند ان کی روشنی میں نہ کوئی عدالت فیصلہ کر سکتی ہے، نہ ہی یہ کسی خاص عدالت کے دائرہ اختیار میں داخل ہیں اور نہ ہی کوئی عدالت انہیں عملاً نافذ کر سکتی ہے۔ البتہ عدالتیں ان دفعات کو دستور کے جز کے طور پر بعض دیگر اغراض کے لیے اپنے دائرہ اختیار میں داخل سمجھ سکتی ہیں۔ مثلاً دستور کی دیگر دفعات یا قانون سازوں کے بنائے ہوئے دیگر قوانین کی تشریح کے لیے ان دفعات سے مدد لی جاسکتی ہے۔“

THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973, with commentary comments on CHAPTER 2 PRINCIPLES OF POLICY, 108.

(ج) اس دفعہ کے الفاظ خود اس بات کی دلیل ہیں کہ سود پاکستان میں عملاً و قانوناً جاری نہ رہا ہے۔ انشاء اللہ، وفاقی شرعی عدالت پر بحث کے دوران میں اس کی مزید کچھ مثالیں سامنے آجائیں گی۔

(د) ممکن ہے کہ یہاں کوئی اعتراض اٹھائے کہ: سودی لین دین تو ایک بین الاقوامی حقیقت ہے اور اس سے یکساں کی چھکارا پانا ممکن نظر آتا ہے، لہذا اسے مجبوراً بدترجیح ہی ترک کرنا ہوگا۔ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ:

(۱) پہلی بات تو یہ ہے کہ اعتراض میں جس مجبوری اور ’تدریج‘ کا ذکر ہے، دفعہ ۳۸ کی عبارت میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں۔

(۲) پھر اگر بین الاقوامی معاملات میں یہ مجبوری تسلیم کر لی جاتی ہے تو پاکستان کے اندر داخل معاملات میں تو کسی ایسی مجبوری کا وجود نہیں۔

(۳) اگر ایک لکھ کے لیے خود پاکستان کے اندر بھی مجبوری کا جو فرض کر لیا جائے تب بھی یہ طے کرنا کہ یہ مجبوری واقعتاً کہاں کہاں پائی جاتی ہے، اضطراب کی غیر شرعی لین دین میں اترنے کی حدود و قیود کیا ہیں اور اس اضطراب کی کیفیت سے چھکارا پانے کی کیا حدود میں ممکن ہیں۔۔۔ علمائے شریعت کا کام ہے، جبکہ مذکورہ دفعہ میں ایسی کسی بات کا ذکر نہ کرے۔ یہ سوچو نہیں۔

(۴) دفعہ ۳۸ کی یہ عبارت ۱۹۵۶ء کے دستور میں بھی موجود تھی آج پچاس سال سے زائد عرصہ گزر جانے کے باوجود بھی یہ وعدہ وفا نہیں ہو سکا اور پاکستان میں سودی نظام مستقل پھیلا چلا جا رہا ہے۔ یہ ہم دستور پاکستان کے اسلامی عناصر پر بحث کے دوران مشاہدہ کریں گے کہ شریعت کے خلاف اور قوانین پاکستان کو ظالمہ شرع اسوہ سے پاک کرنے کا وعدہ بھی ۱۹۵۶ء کے دستور میں درج تھا اور یہ وعدہ بھی محض وعدہ رہا ہے، وفا کی نوبت ابھی تک نہیں آئی ہے۔

THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973, with commentary preliminary 1965 constitution, p; 31

## باب سوم

## دستور کے بیان کردہ مسائل

## شریعت کی حاکمیت قائم کرنے سے عاجز ہیں

پاکستانی دستور کی متعدد عبارتیں حاکمیت شریعت قائم کرنے اور قوانین کو خلاف شرع امور سے پاک کرنے کی ضمانت دیتی ہیں، لیکن یہ تمام عبارتیں نظری اور محلی دونوں اظہار سے اقلیٰ مکرور ہے۔ دین ہیں کہ ان کے ذریعہ شریعت ائمہ کی حاکمیت قائم ہوگا حال ہے۔ بلکہ یہ عبارتیں تو خود دستور میں پائی جانے والی خلاف شرع ذمہات قائم کرنے کی قوت بھی نہیں رکھتیں۔

اس باب میں دستور کی ایسی ہی متعدد عبارتوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ میں نے اس بحث کو پانچ۔ نسلوں میں تقسیم کیا ہے:

(۱) پہلی فصل: دستور کا دیباچہ، قرارداد، مقاصد و دفعہ ۲ اور دفعہ ۳ الف

(۲) دوسری فصل: دفعہ ۳۱

(۳) تیسری فصل: دفعہ ۳۸

(۴) چوتھی فصل: وفاقی شرعی عدالت، دستور کا حصہ ہفتم، باب ۳ الف

(۵) پانچویں فصل: دستور کا حصہ نہم، اسلامی احکام دفعہ ۱۲۱ تا ۱۳۱

## دستور کا دیباچہ، قرارداد و مقاصد و دفعہ ۲ اور دفعہ ۳ الف

۱۔ دستور پاکستان کے دیباچے میں مندرجہ ذیل عبارتیں شامل ہیں:

”یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام کائنات کا مالک و حاکم ہے اور پاکستان کے عوام کو جو اقتدار اختیار بھی اللہ کی مقرر کردہ حدود کے اندر مکر استعمال کرنے کا حق

حاصل ہے، وہ ایک متحد کائنات ہے۔

۲۔ جمہوریت، آزادی، مساوات، براداری اور عدل عمرانی کے اصولوں پر جیسا کہ اسلام نے انکس بیان کیا ہے پوری طرح عمل کیا جائے گا۔

مسلمانوں کو نظروں سے اوجھڑا کر اور اپنی ذاتی طور پر اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ اپنی زندگی قرآن پاک اور سنت محمدی ﷺ میں بیان کردہ اسلامی تعلیمات، تشریحات اور ضروریات کے حسب نشانہ ترتیب دے سکیں۔

۳۔ لہذا ہم جو اس پاکستان، اس قادر مطلق رب تبارک و تعالیٰ اور اس کے بندوں کے سامنے اپنی ذمہ داری کے مکمل احساس کے ساتھ

پاکستان کی خاطر عوام کی دی گئی قربانیوں کے اعتراف کے ساتھ

پانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کے اس ایمان سے وفاداری کے جذبے کے ساتھ کہ

پاکستان عدل و انصاف کے اصولوں پر قائم ایک جمہوری ریاست ہوگی

جمہوریت کی حفاظت کا عزم ہم نے جو علم و استعداد کے خلاف عوام کی مسلسل جدوجہد کے نتیجے میں حاصل ہوئی ہے۔۔۔۔۔

حقائق مندرجہ بالا کو عملی جامہ پہناتے ہوئے قومی اسمبلی میں اپنے نمائندوں کے ذریعہ یہ دستور منظور کر کے اس قانون کا درجہ دیتے ہیں اور اسے اپنے ملک کا قانون تسلیم کرتے ہیں۔“

اصل عبارت یوں ہے:

Whereas sovereignty over the entire universe belongs to almighty Allah alone and the authority to be exercised by the people of Pakistan within the limits prescribed by Him is a sacred trust;

-----

Wherein the principles of democracy freedom, equality tolerance and social justice, as enunciated by Islam shall be fully observed

Wherein the Muslims shall be enabled to order their lives in the individual and collective spheres in accordance with the teachings and requirements of Islam as set out in the Holy Quran and Sunnah;

Now therefore we, the people of Pakistan;

Conscious of our responsibility before Almighty Allah and men;

Faithful to declaration made by the founder of Pakistan Quaid-i-Azam Mohamad Ali Jinnah, that Pakistan would be a democracy achieved by the unremitting struggle of the people against oppression and tyranny - [THE CONSTITUTION OF THE ISLAMIC REPUBLIC OF PAKISTAN 1973, preamble]

ان عبارتوں پر بحث کرنے سے قبل میں اس امر کی وضاحت کرنا چاہوں کہ دستور پاکستان کے اس دیاچہ کو پہلی مرتبہ پاکستان کی پہلی دستور ساز مجلس نے مارچ ۱۹۴۹ء میں ایک قرارداد کی صورت میں منظور کیا۔ یہ قرارداد ”قرارداد مقاصد“ کے نام سے جانی جاتی ہے۔

## OBJECTIVE RESOLUTION

یہ قرارداد مقاصد پہلے ۱۹۵۶ء کے دستور میں دیاچہ کے طور پر شامل کی گئی، پھر ۱۹۷۲ء کے دستور میں بھی اسے دیاچہ قرار دیا گیا اور اپریل ۱۹۷۳ء کے ہنگامی دستور اور ۱۹۷۳ء کے دستور میں بھی اسے دیاچہ کی حیثیت دی گئی۔

اصل عبارت یوں ہے:

THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973, with

Commentary comments on Article 2- A p; 52

پھر دفعہ ۱۳ اور دفعہ الف کے ذریعے اس قرارداد کو دستور کا مستقل حصہ بنا دیا گیا۔ دستور کی

دفعہ ۲ کہتی ہے کہ:

”ریاست پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام ہوگا“

اور دفعہ الف میں مذکور ہے کہ:

”قرارداد مقاصد جسے دستور کے ساتھ بطور ضمیر بھی منقح کیا گیا ہے، میں درج اصول واحد کام کو دستور کا مستقل حصہ قرار دیا جاتا ہے جو عہد کن دین مژدہوں کے۔“

اصل عبارت یوں ہے:

Islam to be state religion

2. Islam shall be the state religion of Pakistan.

2A The objectives resolution to form part of substantive provisions.

2A the principles and provision set out in the objectives resolution reproduced in the Annex are hereby made substantive part of the constitution and shall effect

cordingly

## PART II Introductory , Article 2]

۳۔ چونکہ دیباچے اور رابطہ الف میں باہمی ربط ہے لہذا ہم یہاں دیباچے میں اقدمات کے ساتھ ساتھ دہد الف پر بھی توجہ کریں گے۔

الف۔ اسلام اور جمہوریت کا مستحق فیضان ہے۔

دیباچے میں کی مراد "جمہوریت" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

(۱) "جمہوریت" کی اصطلاح ایک معروف معنی اور معلوم صفت کی حامل ہے۔ یہ عقلی و صفات جمہوریت کا ایسا جزو لا ینفک ہے کہ اگر انہیں اس سے الگ کر دیا جائے تو جو کچھ باقی بچے گا، کسی طور بھی جمہوریت نہیں کہلائے گا۔ انہی اساسی صفات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ قانون سازی اور نگرانی کا حق عوام کی غالب اکثریت کے پاس ہو اور باقی تمام اقدار و اطلاق اسی بنیاد پر طے ہوں۔ جس حرام و وہ ہوگا جسے اکثریت حرام کہے اور حلال وہ جسے اکثریت حلال قرار دے۔

چنانچہ اس بات کا تقاضا ہی ممکن نہیں کہ جمہوریت کی کوئی ایسی شکل ہو سکتی ہے جس میں حاکمیت اور قانون سازی کا مطلق حق عوام کے پاس نہ ہو۔ اس کے برعکس کسی ایسے اسلام کا تصور بھی ناممکن ہے جہاں نگرانی اور قانون سازی کا حق واحد و لاشریک کے ہاتھ کسی کو حاصل ہو۔ وہ رب کی شریعت میں قیام و حرام و حلال ہے جسے اللہ تعالیٰ تعالیٰ حرام قرار دیں اور حلال وہ جسے اللہ تعالیٰ حلال ٹھہرائیں۔ حتیٰ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِلَهُم شَرِّقُوا شِعْرًا لِّهِمْ مِنَ السَّبَبِ مَا بَذَنَ اللَّهُ وَلَوْ لَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَفُتِي بِهِمْ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لِيُومِ عَذَابُ الْيَوْمِ﴾ (الطُّور: ۲۱)۔

"کیا یہ لوگ ایسے شریکانِ خدا رکھتے ہیں جنہوں نے ان کے لیے رین کی نوعیت رکھنے والا کوئی ایسا طریقہ مقرر کر دیا ہے جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا۔ اور اگر فیصلہ (کے دن) کا وعدہ نہ ہوتا تو (اب تک) ان کا تفتیش کیا گیا ہوتا اور یقیناً ظالموں کے لئے (اس دن) درد کا عذاب ہے۔"

ایک اور مقام چار شاربے:

﴿قُلْ اِنَّهُم مَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِنْ رِزْقٍ فَجَعَلْنَاهُمْ مِنْ حَوَاطِئِمْ وَحَلَلَا قُلْ اِنَّهُ

لَكُمْ لَكُمْ اَمَّا عَلٰی اللّٰهُ تَفَتَرُوْنَ﴾ [یونس: ۹۵]۔

"آپ کہہ دیجئے کہ بھلا دیکھو اللہ نے تمہارے لئے جو رزق نازل فرمایا تو تم نے اس میں لاش کو حرام ٹھہرایا اور بعض کو حلال (ان سے) پوچھئے کہ کیا اللہ نے تمہیں اس کا اختیار دیا ہے یا تم اس پر جھوٹ باندھتے ہو۔"

لہذا اسلام اور جمہوریت کا ملغوبہ بنانا تو ایسے عقائد کو خلط ملط کرنے کے مترادف ہے جو باطل اقلیت بنیادوں سے چھوٹے ہیں اور کثیر مختلف اثرات و نتائج کے حامل ہیں۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ اسلام بھی تو باہم مشورے، ہنگاموں کے خاتمے اور ان کے تصرفات پر دیکھ کر نکلنے کی دعوت دیتا ہے اور یہ امبر اسلام اور جمہوریت میں مشترک ہیں۔۔۔ تو اسے کہا جائے گا کہ یوں تو اسلام اور یہاسیت کے درمیان بھی کی امبر مشترک ہیں۔ دونوں ادیان ایمان باندھنے کی دعوت دیتے ہیں، یعنی علیہ السلام سے قبل کے تمام انبیاء پر ایمان کی دعوت دیتے ہیں اور اس بات پر بھی ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں کہ نبی علیہ السلام پر اللہ سبحانہ تعالیٰ کی جانب سے کتاب نازل ہوئی۔ اب خود ہی بتائیے کہ کیا ان مشترک امور کو مد نظر رکھتے ہوئے اسلام کو "حکمی اسلام" یا عیسائیت کو "اسلامی عیسائیت" کہنا درست ہوگا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص کہے کہ ہمارا مقصد یہ نہیں کہ ہم جمہوریت پوری طرح اختیار کر لیں، بلکہ ہم تو بعض اس کی چند چیزیں اختیار کرنے کی بات کرتے ہیں، انہیں اس سے پوچھیں گا کہ: پہلے تو یہ علاؤ کما اسلام اور کما یہ ملغوبہ بنانے اور خالص شرعی اصطلاحات ترک کر کے یہ ہم اصطلاحات استعمال کرنے سے تمہارا مقصد کیا ہے؟

دوسرا یہ کہ اس سارے جھگڑے کی ضرورت ہی کیا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی مبارک شریعت سے دیکر باقی تمام شرائع و عقائد سے مستغنی کر دیا ہے؟

اللہ تعالیٰ کا فرامان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ فَدَعُوا كُفْرَ بَرِّهَانٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَأَنزِلَ إِلَيْكُم نُوْرًا مِّنَ الْإِسْلَامِ﴾ [النساء: ۱۷۳]

”اے لوگو! تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس (روشنی) نازل آچکی ہے اور تم نے (کفر و غلط فہمی) کا اندھیرا دور کرنے کے لئے تمہاری طرف چمکتا ہوا نور بھیج دیا ہے۔“

اور فرمایا:

﴿وَأَنزِلَ إِلَيْكَ الْبُكَّ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيِّمًا عَلَيْهِ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ وَلَا نَبِيَّ أَهْوَاءَ هُمَ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ لَكُلِّ جَلِيلًا مِّنْكُمْ شِرْعَةٌ وَمِنْهَا هِيَ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَكِنْ لَسَبَلْنَاهُمْ فَبِمَا آتَيْنَاهُم مِّنْ بَيْنِهِمْ إِنَّمَا جَعَلَهُمْ فِتْنَةً وَمَا كُنْتُمْ فِيهِ مُخْلِفُونَ . وَآلَ أَهْلِكَ مِمَّا جَعَلْنَاهُمْ قُلُوبًا يَّحْكُمُونَ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ هُمَ وَاحِدٌ هُمْ أَوْ بَعْضٌ مَّا أَنزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوا أَنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُصِيبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ وَإِنْ كَثُرُوا مِنْ النَّاسِ لِلضَّالِّينَ . فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا يَنْزِلُ اللَّهُ إِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينَةٍ﴾ [المائدة: ۴۸، ۵۰]

”اور (اے پیغمبر علیہ السلام) ہم نے آپ پر سچی کتاب نازل فرمائی ہے جو اپنے سے پہلے کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان پر تمہارا ہے، پس ان کے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کیجئے اور جو حق آپ کے پاس آچکا اس سے روگردانی کرتے ہوئے ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجئے۔ اور ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو ہم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا، لیکن جو حکم اس نے تمہیں دیئے وہ ان میں تمہاری آزمائش کرنا چاہتا ہے، سو ایک کاموں میں جلدی کرو تم سب کو اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے، مگر جن باتوں میں تم اختلاف کرتے ہو وہ تمہیں بتلا دے گا۔ اور (تم پھر تاکید کرتے ہیں کہ) ان کے درمیان اللہ کی نازل

شریعت کے مطابق فیصلہ کیجئے اور ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجئے اور ان سے بچنے کو کہیں یہ پی طرف اللہ کے نازل کردہ کسی حکم سے آپ کو ہرگز نہیں رہا۔ اب یہ باتیں تو جان لیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بعض غمناکیوں کے سبب ان پر مصیبت نازل کر دی، اور یقیناً اکثر لوگ تو گمراہ ہیں۔ (اگر یہ اللہ کی نازل کردہ شریعت سے منہ مٹاتے ہیں تو) کیا پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں، اور جن کے دلوں کے لئے اللہ نے بہتر فیصلہ کرنا چاہا، ان کو یہ ہو سکتا ہے۔“

پس یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ نفور و اسلام کو غلط مصلحہ کرنے کا یہ سلسلہ دستور پاکستان کی ابتدائی طور سے ہی شروع ہو جاتا ہے۔۔۔ اور اسی کے نتیجے میں آج ہم بہت ماحول و فساد دیکھ رہے ہیں اور میں قدم قدم پر خالص اسلامی احکامات و نصوہات کے سہارے کفر و شرک اور شرعی حق و حقوق سے ”اور مغانیم و سغائی سے واسطہ پڑتا ہے۔“

(۲) ”جمہوریت“ کا تذکرہ کرتے ہوئے دستور پاکستان جتنا ہے کہ:

(الف) ”۔۔۔۔۔ جمہوریت، آزادی، مساوات و رواداری اور عدل خروانی کے اصولوں

پر، جیسا کہ اسلام نے انہیں بیان کیا ہے، پوری طرح عمل کی جائے گا“

تجائے اسلام نے کہاں جمہوریت کا تصور بیان کیا ہے، جبکہ ہم گزشتہ طور میں اسلام اور جمہوریت کا سرخ تھکا دھکی واضح کر چکے ہیں!

(ب) اسی طرح، بنیاد میں یہ عبارت بھی ملتی ہے کہ:

”پاکستان عدل انتظامی کے اصولوں پر قائم ایک جمہوری ریاست ہوگی“

مجھے نہیں معلوم کہ اسلام اور جمہوریت جتنی دو متضاد چیزیں دو ایک ہی جملے میں جمع کرنے سے کیا مقصود ہے؟ نیز اس عبارت میں شخص اسلام کے ”عدل انتظامی“ کا تذکرہ ہی کیوں کیا گیا ہے، اسلام کے دیگر پہلوؤں، عبادت، اخلاقیات، اقتصادیات اور سیاسیات وغیرہ کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا؟ اسلام تو اس کی عبارت کا نام ہے، نہ کہ اس کے چند اجزاء!

(ج) دیا ہے میں یہ عبارت بھی یاد کروں کہ:



”ہم اس جمہوریت کی حفاظت کا عزم ہم کئے ہوئے ہیں، جو ظلم و استبداد کے خلاف عوام کی مسلسل جدوجہد کے نتیجے میں حاصل ہوئی ہے۔“

نہا نے اس عبارت کے ذریعے، اسلامی دستور کی بیکری کی حفاظت کا ذمہ لے رہا ہے؟ یہی جمہوریت کی حفاظت کا؟ اکثریت کے حق تکراری اور حق قانون سازی کے تحفظ کا؟ آخر کس بات کا؟ کیا یہ بات تو بڑے واضح طور پر ثابت ہوتی ہے کہ دستور پاکستان کی ابتدائی صورت سے ہی حق و باطل کی آمیزش کا آثار ہو جاتا ہے۔

ب۔ قرارداد و مقاصد میں موجود اسلامی احکامات کی حیثیت

جہاں تک قرارداد و مقاصد میں موجود اسلامی ہدایات و احکامات کا تعلق ہے، تو ہم عہد ریہہ دیکھ لیں گے کہ ان کی عبارتوں میں ایسا عزم پایا جاتا ہے، کہ ان سے کوئی تعین حکم و دفعہ کرنا ممکن نہیں، البتہ کتبہ عمومی کا تیسرا ضابطہ کی جاسکتی۔

(۱) مثالی عبارت کہ:

”یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام کائنات کا باشرکت مبر ہے حاکم کل ہے اور پاکستان کے عوام کو جو افتادہ اختیار بھی اللہ کی مقرر کردہ حدود کے اندر روکراستعمال کرنے کا حق حاصل ہے، وہ ایک مقدس امانت ہے۔“

یہ ایک عمومی عبارت ہے جو حد و تہ لاہت کرتی ہے کہ حاکمیت اعلیٰ صرف شریعت اسلامی کی ہوگی اور نہ ہی اس بات پر دو ٹوک دلائل کرتی ہے کہ شرعی احکامات کو ایک ایسے بلند و برتر مصدر کی حیثیت حاصل ہوگی جس کے مقابل کوئی دوسری شریعت یا قانون قابل قبول نہیں ہوں گے۔ اسی طرح اس عبارت میں یہ تصریح بھی نہیں کی گئی کہ شرعی احکامات کو کوئی اکثریت کی رائے پر بھی فوقیت دی جائے گی۔

(۲) اسی طرح یہ عبارت کہ:

”مسلمانوں کو ذاتی، انفرادی اور اجتماعی طور پر اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ اپنی زندگی قرآن

ب اور سنت محمدی میں بیان کردہ اسلامی تعلیمات، اشیائے اور ضرورت بات۔۔۔ حسب نشتہ ترتیب سے ہیں۔“

یہ حق محض ایک وعدہ ہے، جو کہ مسلمانوں کو ماننے کے باوجود بھی پورا نہ ہوگا۔

ج۔ قرارداد و مقاصد کے بیان پانچ دستور ہونے کی حیثیت

قرارداد و مقاصد کو دستور کا پانچ بنانے والا، ۲۲ الف کی بنا، ہمارے دستور کا ۲۲ بجھنے سے یہ ازم نہیں آتا کہ اسلامی شریعت ہی اقتدار اعلیٰ کی مالک اور قانون سازی کا واحد مصدر قرار پائے۔۔۔ کیونکہ:

اولاً: قرارداد و مقاصد، پانچ دستور، ۲۲ الف اور اس قسم کی دیگر اعلانات نے تو قانونی حیثیت بھی، اکثریت کی منظوری سے حاصل کی ہے۔ جبکہ اسلام کی رو سے تو شریعت یہ فیصلہ کرتی ہے کہ شریعت ہدایت پر ہے یا گمراہی پر۔۔۔ ہاں اس کے کہ اکثریت یہ فیصلہ کرے کہ شریعت کا فلاں قسم آئین لایا جائے یا رد، اقتدار اعلیٰ تو سرسوت میں شریعت کا حق ہے۔ خواہ اکثریت اس پر راضی ہو یا ناراض۔“

ثانیاً: دستور کو ہی طور پر دستور کی حیثیت بھی حاصل ہوتی ہے حسب عوامی، اکثریت یا تو استعواب رائے کے ذریعے یا پھر ارکان پارلیمنٹ کے واسطے سے اپنی تائید و موافقت کا اظہار کرے۔ یعنی دستور کی پرفریب خوشنامیوں کے باوجود بھی اس جمہوریت نظام میں تکراری عوام ہی کا حق ہے اور عوامی تائیدی دستور کا قانونی حیثیت آتی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ دستور کا پانچ مندرجہ ذیل عبارت پر ختم ہوا ہے:

”ہم عوام پاکستان (حقائق مندرجہ بالا اعلیٰ جاہد پہناتے ہوئے قومی اسمبلی میں اپنے نمائندوں کے ذریعے یہ دستور منظور کر کے اسے قانون کا درجہ دیتے ہیں اور اسے اپنے ملک کا قانون تسلیم کرتے ہیں۔“

اصل عبارت یوں ہے:

Now therefore, we, the people of Pakistan

Do hereby through our representatives in the National Assembly adopt, enact and give to ourselves, this constitution [THE CONSTITUTION OF THE ISLAMIC REPUBLIC OF PAKISTAN 1973, Preamble]

اس کے برعکس شریعت الہی اپنی ماکیت منوانے کے لئے عوامی منظوری کی منتہی نہیں۔ اس پر تو ہر تہذیبی ای وقت سے ثابت ہوتی ہے جب کہ اللہ وہب العالمین کی جانب سے زمین پہ نازل ہوئی ہے۔ رب کی شریعت قبول کرنے نے یا نہ کرنے کے معاملے میں انسانوں کی رائے مطلقاً بڑا ذات خود شریعت سے عبادت کے مترادف ہے۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فاحكمم بينهم بما أنزل الله ولا تتبع أهواءهم عما جاءك من الحق﴾  
[المائدة: ۴۸]

”میں اے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کیجئے، اور جو حق آپ کے پاس آچکا ہے اس سے دست برداری کرتے ہوئے ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجئے“

اور فرمایا:

﴿وان احكمم بينهم بما أنزل الله ولا تتبع أهواءهم﴾  
[المائدة: ۴۹]

”اور ان کے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کیجئے، اور ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجئے اور ان سے بچنے کے لیے آپ کی طرف اللہ کے نازل کردہ کسی حکم سے آپ کو بہکان دینا“

اور فرمایا:

﴿ولو اتبع أهواءهم لفسدت السفوت والأرض ومن عليها﴾

[المؤمنون: ۱۷۱]

”اور اگر حق ان کی خواہشات کی پیروی کرنے لگے تو آسمان وزمین اور جو کوئی ان میں ہیں سب درہم برہم ہو جائیں گے“

شریعت کو حاکم بنانے یا نہ بنانے کے خوالے سے استصواب رائے یا رائے شماری کرنا شرعاً کسی طور جائز نہیں، البتہ مسلمانوں کا اپنے معاملات میں شرعی اصولوں کے مطابق باہم مشورہ کرنا جائز ہے۔ لہذا ان دونوں باتوں کو باہم خلط ملط نہ کیا جائے۔

مثلاً: پارلیمان کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنی مرضی و فضاء کے مطابق دستور میں ترمیم کرے، جیسا کہ دستور کی دفعہ ۱۳۸ اور دفعہ ۱۳۹ میں صراحتاً مذکور ہے۔ اس خوالے سے ہم پہلے باب میں تفصیلات کر چکے ہیں۔ پارلیمان کی دو تہائی اکثریت کو با اختیار حاصل ہے کہ اگر چاہے تو دستور کے، بنیاد پر اور دفعہ کو دستور سے حذف کر دے کیونکہ دستور پارلیمان کے اس حق پر ذوق کوئی قید عائد کرنا ہے، مذہبی کوئی شرط نہ تو اس پر کوئی مگران ہے اور نہ ہی کوئی تعصب۔ اس کے برعکس شریعت میں ایک حرف کی تبدیلی کا اختیار کسی کی حاصل نہیں۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿واحدوهم ان يفتنوك عن بعض ما أنزل الله اليك﴾ [المائدة: ۴۹]

”اور ان سے بچنے کے لیے آپ کی طرف اللہ کے نازل کردہ کسی حکم سے آپ کو بہکان دینا“

و قرار داد و تصاعد اور دفعہ الف کے بارے میں عدالتی فیصلوں کا تصاد

دستور میں پائے جانے والے تصادات اور دیباچے کی بہیم عبارات کے سبب پاکستانی عدالتوں کے فیصلوں میں بھی دیباچے اور دفعہ الف کے فہم کے خوالے سے بہت تصاد اور اختلاف پایا جاتا ہے۔ لیکن ان عدالتوں نے مختلف تصاد فیصلے جاری کئے ہیں، البتہ بہ سبب باہم متضاد و مخالف فیصلے



مالک الملک کی حکمرانی جو اپنے وسیع معانی میں اجتماعی، اقتصادی، قانونی اور سیاسی معاملات سمجھی پر مشتمل ہے۔۔۔ یہ حکمرانی اب نافذ العمل ہو چکی ہے۔ کتاب دست و ستور سے بالاتر وقتدار کے حال میں اور انہیں دستور اور تمام تر قوانین کی حکمرانی اور ان میں موجود خلاف شریعت چیزوں کو مٹا دینے کے لئے حاصل ہے۔ تر قرار داد مقاصد میں مذکور اصول و احکام اب دستور کا بنیادی اور نافذ العمل جزو بن چکے ہیں۔ یہ اصول دستور سے بلندتر حیثیت رکھتے ہیں اور ہر وہ قانون جو ان سے متعارض ہوگا اسے ایک طرف پھینک دیا جائے گا کیونکہ ایسا برہانہ قانون پاکستان میں مالک الملک بجانب عدالت کی حکمرانی اور قرآن و سنت کی بالاتر حیثیت سے مستدام تصور کیا جائے گا۔ جج نے یہ بھی کہا کہ پاکستانی عدالتوں کو صرف اس کا اختیار حاصل نہیں، بلکہ وہ اس بات کی پابندی بھی ہیں کہ موجودہ قوانین قرآن و سنت کی روشنی میں تفسیر و تادل کریں اور ان میں ضروری ترامیم کرتے ہوئے انہیں نافذ کریں۔

لیکن اسی کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ ایک اور مقدمہ سے (مقدمہ غلام مصطفیٰ کھر بنام ریاست پاکستان 49 PLD 1988 Lahore) میں ججوں نے کہا کہ تر قرار داد مقاصد کو۔۔۔ جیسا کہ در دفعہ الف مذکور ہے۔۔۔ دستور کی دیگر دفعات سے بالاتر حیثیت حاصل نہیں ہے، بلکہ اسے دیگر دفعات کو باطل قرار دینے کے لئے استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ اگر دستور کا ایک حکم دستوری کے دوسرے حکم سے ٹکراتا ہو تو یہ لازماً نہیں کہ پہلا حکم دوسرے کو مٹا دے۔

ایک دوسرے مقدمہ سے (مقدمہ حبیب بینک لیٹیڈ بنام وحید فیر کس لیٹیڈ 4999 PLD Karachi 371) کا فیصلہ سناتے ہوئے جج نے کہا کہ تر قرار داد مقاصد اگر چاہ دستور پاکستان کا اساسی جزو بن چکی ہے لیکن خود اس کے اندر یہ قوت نہیں کہ یہ قرآن و سنت میں جو موجودہ احکامات کو دستور کا جزو بنا سکے، اور نہ ہی عدالتوں کو اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ کسی قانون کی شرعی حیثیت کو دفعہ الف کی کسوٹی پر پکھنا شروع کریں۔ تر قرار داد مقاصد کو صرف ایک اعلان ہے جو پاکستان کے تقیہ کے کوڈ میں لکھا ہے، اسے عدالتوں کے ذریعے نافذ نہیں کیا جاسکتا۔

اسی سال ایک اور سے مقدمہ سے (مقدمہ شرف فریدی بنام دفاق اسلامی جمہوریہ پاکستان

404 PLD 1989 Karachi) میں عدالت نے فیصلہ دیا کہ عدالتوں پر لازم نہیں کہ وہ کسی قانون کے بارے میں یہ اعلان کریں کہ یہ تر قرار داد مقاصد کے ساتھ نہیں چل سکتا، بلکہ عدالتوں کو تو چاہئے کہ وہ قوانین کی ایسی تشریح کرتے ہوئے فیصلے دیں جس سے ان قوانین اور تر قرار داد مقاصد کے تقاضوں کو باہم متضاد کیا جاسکے۔ عدالتوں کی یہ ذمہ داری نہیں کہ دستور کے کسی حکم کو تر قرار داد مقاصد کے خلاف تر قرار دیں۔

پھر اسی سال ایک اور مقدمہ سے (مقدمہ عزیز احمد شیخ بنام انکم ٹیکس آفیسر 613 PLD 1989 S.C) میں سپریم کورٹ نے فیصلہ دیا کہ دستور کی دفعہ 232 (۲) (یہی وہ دفعہ ہے جو کہتی ہے کہ تمام قوانین قرآن و سنت کی تعلیمات کے مطابق ہونے چاہئیں) آئندہ صفحات میں اس پر بحث ہوگی انشاء اللہ) میں مذکور پابندی کا اطلاق ریاستی عہدہ داروں کے فیصلوں پر نہیں ہوتا خواہ وہ عدالتی یا نیم عدالتی حکموں سے تعلق رکھتے ہوں یا دیگر ایسے حکموں سے تعلق رکھتے ہوں جو ملکی طور پر قوانین نافذ کرتے ہیں، برخلاف ان اداروں کے جن کا کام قانون سازی کرنا یا قانون سازی کے اصول وضع کرنا ہے۔ اور پاکستان کی اعلیٰ عدالتوں کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ دفعہ الف کی بنیاد پر (یعنی تر قرار داد مقاصد کی روشنی میں) ان اداروں کے فیصلوں کو باطل قرار دے سکیں۔

ایک اور مقدمہ سے (مقدمہ کنٹرولنگ ٹائمز بنام، ایچ جی 4999 PLD Lahore 1989) میں جج نے ذکر کیا ہے کہ ہائی کورٹ خود دستور کی تفسیر اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے فیصلوں میں دستور کی عملی تفسیر کا حصہ لے کر دے۔ چنانچہ دستور کے کسی جز پر بحث کرتی تو درکار یہ ہے کہ دستور کے کسی جز کا اعلان بھی نہیں کر سکتیں، کیونکہ یہ صرف پارلیمنٹ کا کام ہے۔ نیز جج نے یہ بھی کہا کہ کسی بھی قانون کو تر قرار داد مقاصد کی کسوٹی پر چاچ کر اسلام کے موافق بنانے کی کوشش کر عدالت کے دائرہ اختیار سے باہر ہے۔

ایک دوسرے مقدمہ سے (مقدمہ ماسونام بھائیٹنڈ بینک لیٹیڈ 1 MLD 1990 Karachi) میں اسی جج نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ دفعہ الف دستور کا ایسا حصہ نہیں جو خود

تلفظی ہو، نہ ہی بالی کورٹ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی قانون کو قرار دے اور اسے متاخذ کے معیار پر جانچنے پر کھینے کی کوشش کرے۔

THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973 with  
commentary comments on  
Article 2 - A p.52 to 54

پیریم کورٹ نے دستور کی دفعہ ۲۷ الف سے متعلق 1683 (1990 CLC)۔۔۔ جو ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کے اعلان اور ایسے تمام صدارتی فرامین، پارلیمانی اور دادرسی (جن میں ۱۹۸۵ء کا مشہور اب اور دستور کی دوسری اور تیسری ترامیم بھی شامل ہیں) اور ان کے علاوہ ان تمام احکامات قرار دینے کو جو ۵ جولائی ۱۹۷۷ء سے لے کر اس دفعہ کے خلاف صادر ہوئے، ان تمام کو ان کے خلاف واپس لے کر اس میں تبدیلیاں کرنے کے لئے متعلقہ فرامین کیسے گا۔۔۔ اسے فیصلے میں کہا کہ قرار دیا، یہ مقدمہ میں شامل کیا گیا اور اس کی توثیق حضرت کے فرامین میں نہیں جو انہیں خوش کرنے کے لئے دستور کے دیباچے میں بھادی گئیں ہوں، بلکہ یہ دستور کا اساسی اور نافذ العمل جزو ہیں۔ ریاست کا کوئی بھی اہلکار اگر قرار دے اور اسے متاخذ کے حدود سے تجاوز کرے تو اس کے عمل کو قرآن و سنت سے ثابت شدہ حدود الٰہی اور فقہانہ شرعیات پر پرکھنے کے بعد ان کی مخالفت کی صورت میں غیر قانونی سمجھا جائے گا۔ اسی طرح وہ آخری احکامات جنہیں دستور کی دفعہ ۲۷ الف کی بنیاد پر متعلقہ فرامین کیا گیا ہے اگر یہ بھی اسلام اور قرار دے اور اسے متاخذ سے متعارض ہوں تو عدالتیں اس بات کی پابند ہیں کہ اس دفعہ سے صرف نظر کرتے ہوئے ان احکامات پر وہی فیصلہ ادا کریں جو انہیں مالک الملک کے قانون اعلیٰ سے مطابقت نہ رکھنے والے احکامات پر صادر ہوتا ہے۔

THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973 with  
commentary comments on article 227 p.384.

ذکورہ بالا فیصلوں کے نتیجے میں پاکستان کی اعلیٰ عدالتوں میں اس بات پر بحث کھڑا ہو گیا کہ

دستور کی دیگر دفعات کے مقابلے میں دفعہ ۲ الف کی حیثیت کیا ہے؟ اور آیا یہ دفعہ خود بخود نافذ العمل ہے یا نہیں؟ یہ اختلاف اس وقت اپنی ابتدا پر پہنچ گیا جب لاہور ہائی کورٹ کے سامنے بہت سے فریقوں کی جانب سے اس صدارتی فرامین (صدارتی خطاب نمبر PTNS Islamabad 8/15/88) کے خلاف درخواستیں پیش کی گئیں جس میں صدر نے دستور کی دفعہ ۲۷ الف سے حاصل شدہ اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے سزا سے موت کے ان کے تمام فیصلوں کو بدل ۱۱۱۱ جو ۶ دسمبر ۱۹۸۸ء تک کوئی وغیرہ فرامینوں سے صادر ہوئے تھے۔ لاہور ہائی کورٹ کے تمام ججوں پر مشتمل بینچ نے ان تمام درخواستوں پر ۱۳ جنوری ۱۹۹۱ کو فیصلہ صادر کرتے ہوئے کہا کہ:

دفعہ ۲ الف دستور کا ایک فعال جزو ہے۔ کوئی بھی عدالت یہ قدرت نہیں رکھتی کہ اسے نافذ کرنے سے انکار کرے۔ محقر یہ دعائی شرعی عدالت اس حوالے سے دستور کی فعل ۲ الف کے تحت حاصل اختیارات استعمال کرے گی، جبکہ دیگر عدالتیں باقی قوانین کے حوالے سے اپنے اختیارات استعمال کریں گی۔ نیز عدالتوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ درخواستیں مقدمات کے حوالے سے یا اعلان کریں کہ فلاں فلاں قوانین قرآن کریم اور سنت محمدی علیہ السلام سے ثابت شدہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہیں یا ان کے خلاف ہیں۔

اگر سزا میں صادر ہونے کی تاریخ اور صدر پاکستان کے زیر بحث فیصلے کی تاریخ سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف اس فیصلہ کے سوال کا جائزہ لیا جائے جو عدالت کو اس وقت درپیش ہے کہ آیا اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور کی دفعہ ۲ الف کی روشنی میں صدر پاکستان ایسے اختیارات کا مالک ہو سکتا ہے کہ وہ موت کی سزا میں تبدیلی کرے۔۔۔ تو کتاب عزیز میں درج قانون قصاص و دیت کی روشنی میں ہمارا جواب نفی کی صورت میں ہوگا۔ لہذا صدر پاکستان کو سزا سے موت کے احکامات میں ترمیم کا حق حاصل نہیں ہے کیونکہ یہ حدود اور قصاص و دیت کے احکامات سے تعلق رکھتے ہیں، جن میں تبدیلی کا حق کسی انسان کو حاصل نہیں۔ اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ ان حالات میں عدالتی کا حق صرف ادا کرنے مقبول کو حاصل ہوتا ہے۔ جن حالات میں سزا سے موت کے مذکورہ بالا فیصلے صادر کئے گئے تھے ان میں تو

۱۲۸

صدر کو کسی قسم کی معافی یا ترصم وغیرہ کا حق حاصل نہیں، البتہ اگر حالات اس سے مختلف ہوں مثلاً کسی مجرم کو بظاہر تعزیر کوئی سزا دی جائے تو ایسی صورت میں صدر کو جاننا کہ نے کا اختیار ہے اور ضلوعا عائد بھی اسی میں ہے۔

وفد الفک ہر شہیت کے خاں سے یہ فیصلہ ہی تمام فیصلوں سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے لیکن لاہور ہائی کورٹ کے اس فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کی گئی۔ (مقررہ حکم خان ولد فضل اٹمی اور دودھ گھر شخصیات بنام حکومت پاکستان) Cr.P.L.A NO.100 OF (1992) سپریم کورٹ نے اس فیصلے پر کچھ ترخفاں ظاہر کرنے کے بعد یہ تمام مقدمات نظر ثانی کرنے کے لیے دوبارہ لاہور ہائی کورٹ کے پاس بھیجے ہو رہا تھا جس پر بھی کہا کہ عدالت کو یہ اختیار حاصل نہیں تھا لیکن انسانی حقوق کی کمیٹی نے دودھ گھر کی درخواستوں کو منظور کر کے ان کا اعلان کر دیا۔

پہرہ کم کوٹ سے یہاں یہ بات بھی کی کہ اس طرح کسی قانون کو رد کرنا صرف عدالتی نظر ثانی کے بجائے قانون سازی کے لیے عمل کی جانچ پڑتال اور اس پر نظر ثانی کا دروازہ کھول دے گا۔ حالانکہ دفعہ الف میں بیان کر دہ حدود کا خیال رکھنے کی ضرورت اور عدالتی مداخلت کا نکتہ پر عائد ہوتی ہے اور وہی اصل کا اختیار دیتے ہیں، نہ کہ دراستیں۔ پہرہ کم کوٹ سے منج سے اس بات کا تاثر کہ ابھی کیا کہ دستور میں دفعہ الف و ج میں جو ہانے کے باوجود بھی اس حقیقت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی کہ قرارداد متصادم کی منظوری کے وقت اس کا ایکہ خاص کر دستور تھا اور وہ یہ کہ قرارداد دستور بنانے والوں کے لیے ایک روشن چراغ کی حیثیت رکھے گی اور دستور وضع کرنے کے عمل میں اس کی رہنمائی کرے گی اور دستور سازی کے دوران اس اعلیٰ ترین مقصد کو پیش نظر رکھا جائے گا جو اس میں بیان کیے گئے ہیں۔

(اسی طرح کا ایک فتویٰ مصر کی آئینی سپریم کورٹ نے بھی مصری دستور کی دفعہ ۱۵۱ کی بنیاد پر دیا تھا جو یہ کہتا ہے کہ عدالتوں کے فیصلے صرف ملکی قانون پر عمل ہوں گے۔ لہذا کوئی جج خود ساختہ قانون کے بجائے شرع کے مطابق فیصلہ نہیں دے سکا۔ اسی وجہ سے جب مصری تاجرانہ (شیخ) محمد محمود فراب نے ایک شہر لی ہر جسے ہم عراق کے نئے کی حالت میں گرفتار کیا گیا تھا، اس کو عدالت کا قاضی جاری کیا

۱۶۹  
تو یہ فیصلہ نافذ نہ ہو سکا اور اس سنت کے موافق ہونے کے باوجود باطل شرک کیا گیا کیونکہ یہ مصری قانون  
کے مخالف تھا۔ کہ اس فیصلہ کو کاشی محمود غراب کے خلاف عدالتی چارہ جوئی کی بنیاد بناتے ہوئے  
وزارت عدل کی عدالتی تحقیقات کے ادارے نے انہیں نوٹس جاری کیا جس کا نمبر ثابوہ  
(۸۱۵۔ ۱۹۸۹) اور اس میں مندرجہ بالا فیصلے کے بطلان کو ثابت کرتے ہوئے کیا گیا ہے کہ: "اس  
فیصلے نے اعتراض ہے کہ جب یہ قانون قرار پایا ہے کہ کسرا صرف قانون کی بنیاد پر ہوگی، اور صرف انہی  
افعال پر سزا دی جاسکتی ہے جو قانون کی تاریخ نگاہ کے بعد صادر ہوں، اور جو انہیں میں سزا میں متعین کی  
جاسکتی ہیں اور ان سزاؤں میں مذکورہ کلمہ کوڑ مارنے والی سزائیں سے ہٹایا یہ فیصلہ خلاف قانون  
ہوئے جس سے یہ فیصلہ باطل ہو جاتا ہے۔" اور پھر چونکہ یہ محض غراب کو اس فیصلے کے بعد حقیقتاً سے  
ٹھاکر انتظامی ڈیوٹی پر رکھا گیا۔ (اس مقدمے کی تفصیلات کے لئے قاضی محمد محمود غراب کی کتاب:  
احکام اسلامیہ اذانیہ للفقہان الوضعہ کی طرف مراجعت کیجئے)۔

۱. اس بات پر یقین ہے کہ موقوفہ اختیار کیا اگر دستور کی موجودہ حالت اور مسائلوں کے حق کا قانون سازی پر عائد ہوئے والی شرعی حدود کے باہر کوئی اقتصاد پایا جاتا ہے تو اسے دور کرنے کے لئے وہی اسلوب اختیار کیا جائے گا جس کا تصور دستور کے مفسرین کو درمیانہ اصول منظور کرنے والوں نے پیش کیا تھا، یعنی اس کے لئے کوئی ایسی طرف رجوع کیا جائے گا کہ یہاں علماء کو جس دفعہ پر اعتراض ہو اس کی تھج خود دستور کے بیان کردہ نظام کے مطابق پارلیمان سے اپنی ترمیم کی منظوری کے ذریعے کی جاسکتی ہے، یہ تھج تمام عدالتوں کا کام نہیں ہے۔

THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973, with

commentary comments on Article 2-A p;54 to 56

(۲) یہ پیر محمد ریغیٹ کی کتاب سے چھڑا کہانیاں تھے جن سے تراویح کا تصور اور لغہ الفب کے متعلق پاکستانی عدالتوں کے فیصلوں میں تضادات واضح ہوتے ہیں۔ آئندہ سطوح میں ہم ان فیصلوں پر مختصر تبصرہ کریں گے:

(الف) پاکستان کی بانی کورٹ اور سپریم کورٹ کے ججوں کے درمیان قرارداد مقاصد اور دفعہ ۱۲ الف کے حوالے سے جو تضاد و اختلاف نظر آتا ہے، اور اصلاحیہ رد و ساسی و جومات سے پیدا ہوا ہے۔

اولاً ان دونوں کا وضع کرتے وقت انتہائی مبہم اور پیچیدہ انداز اختیار کیا گیا ہے اور۔۔۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔۔۔ ان کی عبارت سے یہ بات قطعیّت کے ساتھ ثابت نہیں ہوتی کہ پاکستان میں قانون سازی کا اصل تآخذ شرعی الہی ہے، اقتدار اعلیٰ بھی اسی کو حاصل ہے اور اس سے متصادم مخالف ہر قانون باطل ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ حق و باطل کو قطعاً حلال کرنے کا آغاز دستور کی ابتدائی طور سے ہی ہو چکا ہے۔ مگر قرارداد مقاصد اور دفعہ ۱۲ الف میں یہ بات دو لوگ اور دو وضع انداز میں درج ہوئی کہ شریعت اسلامیہ قانون سازی کا سب سے اعلیٰ اور واحد تآخذ ہے، کوئی بھی قانون اس سے متصادم نہیں ہو سکتا اور اگر کوئی قانون یا دستور یا دفعہ اس کے خلاف پائی گئی تو وہ باطل قرار پائے گی۔۔۔ تا کر یہ انداز اختیار کیا جاتا تو مندرجہ بالا جھگڑے اور اختلافات سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتے۔

تاییداً دستور بنانے والوں نے صرف اتنا غلبہ ہی نہیں دیا کیا کہ شریعت سے مختلف دفعات کو یکم انداز میں تشکیل دیا، بلکہ ساتھ ہی ساتھ انہوں نے دستور میں ایسی دفعات بھی درج کر دیں جو شریعت سے صراحتاً متصادم تھیں۔ پس یہ دستور۔۔۔ جو ابوالقوامین بھی کھلاتا ہے۔۔۔ ایک عجیب سے طوطے میں تبدیل ہو کر ججوں کے لئے مزید پیچیدگی کا باعث بن گیا۔

(ب) مذکورہ بالا اختیارات کے حوالے سے پاکستانی ججوں کے افکار و نظریات میں بھی تضادات و اہمالات واضح نظر آتے ہیں۔ شاید یہ بحیثیت جمعی پاکستانی سائنس سے ملے پائے جانے والے انتشار و گھڑکی کا بھی عکس ہے۔ اس گھڑکی انتشار اور اختلاف آراء کا پایا جاتا اس لئے بھی باعث حیرت نہیں کہ جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں، پاکستان میں ذاتی شرعی اور سپریم کورٹ کے شریعہ مراعات کے علاوہ کسی بھی عدالت کا جج بننے کے لئے مسلمان ہونا شرط نہیں، نیز شرعی و غیر شرعی کسی بھی حکم کی عدالت کا جج بننے کے لئے عادل (پابند شرع) ہونا بھی لازم نہیں۔

میری رائے میں ججوں کا ایک گروہ دیا ہے جس کے لوگوں میں شریعت کی محبت اور دینی طبیعت

ہو جائے۔ یہ اور دوسری طبیعت کی حاکمیت دیکھنے کے خواہاں ہیں (یہ مصلح میری رائے ہے، اور صائب اسلامی توفیق اللہ تعالیٰ ہے اور میں اللہ کے ماسنے کی پاکی بیان نہیں کرنا چاہتا)۔ جس اسی جذبے کے تحت انہوں نے قرارداد مقاصد اور دفعہ ۱۲ الف کو بلند ترین مقام پر کاربند کرنے کی کوشش کی ہے، یہاں تک کہ اسے دستور سے بھی بالاتر حیثیت دے کر یہ بات کرنا چاہا ہے کہ قرآن و سنت ہی پاکستان کا اعلیٰ ترین قانون ہے۔

لہذا ان کے اس موقف میں وہ زیادتی کمزوریاں ہیں:

ایک تو یہ کہ قرارداد مقاصد اور دفعہ ۱۲ الف کی عبارتوں سے ان کے موقف کی تائید نہیں ہوتی۔ دوسری یہ کہ انہوں نے بھی دستور کی صریح اور معیار تسلیم کیا ہے اور شریعت کی بالادستی ثابت کرنے کے لئے بھی دستور کی دفعات سے استدلال کیا ہے۔

یہ بات تو ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ شریعت کی خصوص اور دستور کی نام نہاد اسلامی دفعات میں تین بنیادی فرق ہیں:

(الف) دستور کی اسلامی دفعات اس بات کی محتاج ہیں کہ وہ اپنی ذاتی طبیعت متعارف کے لئے غالب اکثریت کی تائید سے دستور میں باقاعدہ طور پر درج ہوں، جب کہ انصاف شریعت سے صرف انسانوں کی تائید سے ملے گا، بلکہ خدا انسانوں پر حکم بن کر نازل کرے گا۔

(ب) دستور خود بھی کوئی حاکمیت کا نمائندہ ہے، اور کسی دستور کو بطور دستور تسلیم کیا جاتا ہے جب حکومت اکثریت استعجاب یا عوامی نمائندہ کے واسطے سے اسی دستور کی پیشکش اس کے برعکس شریعت کا اللہ یا اللہ کی طرف سے نازل ہونا ہی اس کی حاکمیت ثابت کرنے کے لئے کافی ہے اور اس کی حاکمیت قبول کرنے یا نہ کرنے کے معاملے پر استعجاب یا اسے شریعت کا اقتدار قرار نہیں۔

(ج) پارلیمان کی غالب اکثریت کو حق حاصل ہے کہ وہ جیسے چاہیں دستور کی نجات میں تبدیلی یا ترمیم کر دے، جبکہ شریعت کو تبدیل کرنے کا حق کسی کو حاصل نہیں۔

جو کہ دوسرا گروہ اس رائے سے اختلاف رکھتا ہے۔ اس گروہ کا کہنا ہے کہ قرارداد مقاصد





وہ نماز پڑھنے سے انکار کریں تو آپؐ نے جواب دیا:

"وَكُلِّكَ كُلَّ طَائِفَةٍ مَّعْتَمِدَةٍ عَنْ شَرِيْعَةٍ وَاحِدَةٍ مِنْ شَرَائِعِ الْإِسْلَامِ الظَّاهِرَةِ أَوْ الْبَاطِنَةِ الْمَعْلُومَةِ ، فَاتَّهَ بِحُجَّتِهَا ، فَلَوْ قَالُوا : فَشَهَدْ وَلَا تَصْلِيْ قَوْلَنَا حَتَّى يَهْضُرَ ، وَلَوْ قَالُوا : تَصْلِيْ وَلَا تَزُكِّيْ قَوْلَنَا حَتَّى يَزُكُوا ، وَلَوْ قَالُوا : نَزُكِّيْ وَلَا نَصْدُمُ وَلَا نَهْجُ ، لَيُؤْتِلُوا حَتَّى يَصْمُومُوا رَمَضَانَ ، وَيُحْجِرُوا الْبَيْتَ ، وَلَوْ قَالُوا : نَفْعِلْ هَذَا لَكُنْ لَا نَدْعُ الرِّبَا ، وَلَا شَرْبَ الْخَمْرِ ، وَلَا الْفَوَاحِشَ ، وَلَا نَجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ، وَلَا نَضْرِبُ الْحَزَنَةَ عَلَى الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى ، وَنَحْنُ ذَلِكَ قَوْلُنَا حَتَّى يَفْعَلُوا ذَلِكَ . كَمَا قَالَ تَعَالَى : ﴿وَلَا تَكُونُوا فَتْنَةً يَكُونُ الذِّمَى كُلَّهُ لَهَا﴾ وَفَقَدْ قَالَ تَعَالَى : ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ ﴿فَإِنْ لَمْ يَنْفَعِمْ فَاذْنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ وَالرِّبَا آخِرُ مَا حَرَّمَ اللَّهُ ، وَكَانَ أَهْلُ الطَّائِفَةِ أَسْلَمُوا وَصَلُوا وَجَاهَدُوا ، فَسَبَّ اللَّهُ أَنَّهُمْ إِذَا لَمْ يَنْتَهُوا عَنِ الرِّبَا ، كَانُوا مِنْ حَارِبِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ، رَفَعِيَ الْمُبْصِحِينَ أَنَّهُ لَمَّا نَفَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَكَفَرُ مِنْ كُفْرٍ مِنَ الْعَرَبِ قَالَ عُمَرُ لِأَبِي بَكْرٍ : كَيْفَ نَقَاتِلُ النَّاسَ ؟ وَفَدَّ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ "أَمْرٌ أَنْ الْقَاتِلُ النَّاسَ حَتَّى يَنْتَهَدُوا أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ، وَأَنِّي رَسُولُ اللَّهِ ، فَادْعُوا فَعَلُوا ذَلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَ هُمْ وَأَمْوَالَهُمْ لَا يَضَعُهَا" ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ : أَلَمْ يَقُلْ : لَا يَضَعُهَا ؟ ، وَاللَّهُ تَوْ مَعْنَى عَنَّا كَانُوا يُؤَدُّونَهُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لِقَاتِلِهِمْ عَلَيْهِ . قَالَ عُمَرُ : هُوَ أَكَلَهُ مَا هُوَ إِلَّا أَنْ رَأَى اللَّهُ قَدْ شَرَحَ صَدْرُ أَبِي بَكْرٍ لِلْفَتَا ، فَلَعَلَّتْ أَنَّهُ الْحَقُّ " .

"ہر وہ گروہ جو اسلام کے معلوم احکامات .... خواہ ظاہری یا باطنی ..... میں سے کسی ایک پر

تعمیل عمل پیرا ہوئے سے انکار کرے تو اس کے خلاف قتال واجب ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی گروہ کہے کہ ہم وصایت الہی اور رسالت نبوی کی کوئی توحید ہے لیکن نماز نہیں پڑھیں گے تو ان کے خلاف قتال کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ نماز پڑھنے لگیں۔ اسی طرح اگر وہ کہیں کہ ہم نماز پڑھیں گے لیکن زکوٰۃ

نہیں دیں گے تو ان کے خلاف قتال کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ زکوٰۃ دینے لگیں۔ یا پھر وہ کہیں کہ ہم زکوٰۃ دہیں گے لیکن زکوٰۃ روزے نہیں لگے دیں گے تو ان سے قتال کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ رمضان کے روزے رکھیں اور بیت اللہ کا حج کریں۔ اسی طرح اگر وہ کہیں کہ ہم یہ سب کچھ کریں گے لیکن زکوٰۃ سود پھوڑیں گے، شراب نوشی و فواحش ترک کریں گے، زنا نہ کرے رہے ہیں جہاد کریں گے اور نہ ہی یہود و نصاریٰ پر ذریعہ غلام کریں گے تو ان سے قتال کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ یہ تمام احکام بجالائیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اور ان سے قتال کرو یہاں تک کہ قتل باقی نہ رہے اور پورے کا پورا دین اللہ کے لئے خاص ہو جائے﴾

اور فرمایا: ﴿اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اگر تم سوچو جو کچھ سود باقی ہے اسے پھوڑ دو، پس اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے انکار جنگ سن لے﴾

اللہ رب العزت نے سب سے آخر میں جو کچھ حرام قرار دیا اور اہل طائف کو .... جو اسلام قبول کر چکے تھے، نماز میں بھی پڑھتے تھے اور جہاد تک کر رہے تھے .... خبردار کیا کہ اگر وہ سود سے باز نہ آئے ..... انہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کرنے والوں میں شمار کیا جائیگا۔

خیر صحیحین میں روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے اور اہل عرب کی بہت بڑی تعداد دین سے ہجر (کریسمس) ہو گئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ کس بنیاد پر لوگوں سے قتال کریں گے جبکہ نبی ﷺ یہ ارشاد فرمایا تھے ہیں کہ:

"مجھے شک ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ اس بات کی کواعی دیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں، اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ پس اگر وہ ایسا کر لیں تو مجھ سے اسے خون اور اموال محفوظ نہ کریں گے، سوائے اس کے بھونق (ان سے وصول کرنا) شریعت ہی سے مقرر کیا ہو۔"

تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"کیا آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ "سوائے اس کے بھونق (ان سے وصول کرنا) شریعت ہی سے مقرر کیا ہو"۔ اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ وہ ایک روز بھی جو یہ رسول اللہ ﷺ کو (ظہور زکوٰۃ) دیا کرتے



لئے خالص ہو جائے۔ پس جب تک دین کا کچھ حصہ غیر اللہ کے لئے ہو تو قاتل واجب رہے گا لہذا ہم گمراہ بھی کسی فرض نماز (مصلیٰ) کے رکوعوں یا پچھیسے فرض نمازوں اور کھانے سے دکار ہے یا پھر باقی خون بہانے، مال لوٹنے، شراب پینے، زنا کرنے، جھگڑا، محرم رشتہ داروں سے نکاح کرنے جیسے افعال کی حرمت کا التزام نہ کرے، یا نکاح کے خلاف جہاد، رائل کتاب پر جزیہ عائد کرنے کے عمل لائق کی پابندی اختیار نہ کرے اور ایسے ہی دیگر دینی واجبات اور اعمال..... جن کا انکار کرنے یا چھین ترک کرنے کی شرعاً کوئی گنجائش نہیں، اور جن کے وجہ کار انکار کرنے والا کفر ہو جاتا ہے..... جو گرد و گہی مثل ان امور کی پابندی اختیار کرنے سے دکار ہے تو اس کے خلاف قتال کیا جائیگا چاہے وہ اس کے وجہ کار اثر ہی کیوں نہ کرے۔ میرے علم کے مطابق اس مسئلے میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ البتہ اس گمراہ کے متعلق فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے جو بعض سنتوں کے ترک پر دہم اختیار کرے مثلاً جو فجر کی دو رکعتیں، اذان، اقامت اور ایسے دیگر شعائر یکسر ترک کرے (بیان علماء کے نزدیک جو ان اعمال کو واجب نہیں بلکہ سنت سمجھتے ہیں)۔ پس ایسے گمراہ کے خلاف قتال کرنے نہ کرنے کے مسئلے پر علماء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، لیکن مذکورہ بالا واجبات و غیرہ کی پابندی ترک کرنے والوں کے خلاف قتال پر تو کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔

(مجموع الفتاویٰ لابن تیمیہ ۴/۲۵۶)

اسی طرح امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے ایسے گمراہ کے متعلق یہ پوچھا گیا جو طاقت و قوت رکھنے کے باوجود شرعی احکامات قائم نہیں کرتا کیا ان کے خلاف قتال جائز ہے تو آپ رحمہ اللہ نے فرمایا:

نعم۔ يجوز؛ بل يجب باجماع المسلمين قتال هؤلاء وأمثالهم من كل طائفة متمنعة عن شريعة من شرائع الاسلام الظاهرة بالمعوقرة؛ مثل الطائفة المنعنة عن المصلوات الخمس أو عن الذكاة المفروضة إلى الأختاف الثمانية۔ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی کتابہ۔ أو عن صيام شهر رمضان أو الذین لا یمتنعون عن سفک دماء المسلمين وأخذ أموالهم أو لا یبذلون بیہم بالشروع الذی یبذل

المسلمہ رسولہ، کما قال أبو بکر الصديق وسائر الصحابة رضی اللہ عنہم ہی مامیہ الذم کا، وکما قاتل علی بن ابی طالب وأصحاب النبی ﷺ الخوارج۔

”جی ہاں! جائز ہے، بلکہ اس پر تو مسلمانوں کا ایمان ہے کہ یہ اور ایسے دیگر گمراہ جو اسلام کے کسی ایک بھی متواتر اور واضح حکم کی ادائیگی سے رکے ہیں، ان کے خلاف قتال واجب ہے۔ مثلاً وہ گمراہ جو پانچ فرض نمازیں ادا نہ کرے، یا قرآن حکیم میں مذکور (ذکوٰۃ کی) آٹھ مدت میں فرض زکوٰۃ ادا کرنے سے ہاتھ کھینچ لے، یا رمضان کے روزے نہ رکے، یا وہ گمراہ جو مسلمانوں کا حق خون بہانے اور مال لوٹنے سے نہ چرکے یا جس شریعت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو مبعوث فرمایا اسے اپنے باہمی فیصلوں میں حکم نہ بنائے..... تو ایسے گمراہ سے قتال کیا جائے گا، بالکل اسی طرح جیسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انہیں زکوٰۃ کے خلاف قتال کرنے کا توقف اختیار کیا، اور جیسے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور دیگر اصحاب نبی رسولان اللہ علیہم اجمعین نے خوارج سے قتال کیا۔“

(مجموع الفتاویٰ لابن تیمیہ ۴/۲۹۶)

## دوسری فصل

### دستور کی دلچسپی

### اسلامی طرز زندگی

دستور نے دفعہ اول ”اسلامی طرز زندگی“ کا عنوان دیا ہے، جس کی عبارت کچھ یوں ہے:

۱۔ پاکستان کے مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی اسلام کے اسی اصولوں اور بنیادی تصورات کے مطابق مرتب کرنے کے قابل بنانے کے لیے اور انہیں ایسی سہولتیں مہیا کرنے کے لیے اقدامات اٹھائیں جائیں گے جن کی مدد سے وہ قرآن کریم اور سنت کی روشنی میں زندگی گزارنے کے حاصل معلوم سے روشناس ہو سکیں۔

۴۔ مسلمانان پاکستان کے حوالے سے ریاست مندرجہ ذیل امور کی کوشش کرے گی۔

(الف) قرآن کریم اور اسلامیات کی تعلیم کو لازمی قرار دینا، بطور ملی زبان سیکھنے کی حوصلہ افزائی کرنا، اس کے لیے مہارت کیم، بیچکانا، اور قرآن کریم کی صحیح طور پر دیکھنے اور اشاعت کا اہتمام کرنا۔

(ب) اتحاد و اتفاق اور اسلام کے اخلاقی و معاشرتی پابندیوں کو فروغ دینا۔

(ج) زکوٰۃ (عشر)، اوقاف اور مساجد کی باقاعدہ تنظیم کا اہتمام کرنا۔

اصل عبارت یوں ہے:

Islamic way of life

31. (1) "step shall be taken to enable the Muslim of Pakistan individually and collectively,

To order their lives in accordance with the fundamental principles and basic concepts of Islam and to provide facilities whereby they may be understand the meaning of life according to the Holy Quran and Sunnah.

(2) The state shall Endeavour, as respects the Muslim of Pakistan.

(a) To make the teaching of the holy Quran and Islamit compulsory to encourage and facilitate the learning of Arabic language and to secure correct and exact printing and publishing of the Holy Quran .

(b) To promote unity and the observance of the Islamic

moral standards, and

(c) To secure the proper organization of Zakat [ usher] auqaf and mosques. [PART II Fundamental right and principles of policy CHAPTER 2 PRINCIPLES POLICY Article 31]

جب ہم اس دفعہ کی عبارتوں پر غور کرتے ہیں تو ان میں سے اہم ترین عبارت یہ معلوم ہوتی

ہے:

"پاکستان کے مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی، اسلام کے اساسی اصولوں اور بنیادی تصورات کے مطابق مرتب کرنے کے قابل بنانے کے لیے اور انہیں ایسی مہارتیں سیکھانے کے لیے اللہ امات افغانس جائیں گے جن کی مدد سے وہ قرآن کریم اور سنت کی روشنی میں زندگی گزارنے کے اصل مفہوم سے روشناس ہو سکیں۔"

اس عبارت کی بنا پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ:

(الف) یہ محض ایک وعدہ ہے

یہ محض ایک وعدہ ہے جس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے۔۔۔ بقول دفعہ ۲۱۔۔۔ ریاست پاکستان کی جانب سے "مقررہ" "اللہ امات افغانس" جائیں گے "اور یہ بات تو معروف ہی ہے کہ جو شخص یوں کہے کہ میں شریعت کے مطابق فیصلے کرنا شروع کروں گا، یا میں نماز قائم کروں گا، یا میں زکوٰۃ ادا کروں گا تو محض اس وعدے کی بنیاد پر اسے شریعت کے مطابق فیصلے کرنے والا، یا نماز قائم کرنے والا، یا زکوٰۃ ادا کرنے والا نہیں سمجھا جائے گا۔

یہ مزید فرمائی: ہٹ دفعہ ۲۱ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"یہ بھی ان تصریحات اور وعدوں میں سے ہے جو دستور نے امت کے ساتھ طے کیے

ہیں۔"

## THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With

Commentary, preliminary, 1965 constitution p.30.

اسی طرح دفعہ ۱۹ سے "تک کی تمام دفعات پر چھڑ کر دے ہوئے پر سفر رقی ہٹ نے کہا:

"دفعہ ۱۹ سے ۴۰ تک کے احکامات صرف رہنما اصولوں کی حیثیت رکھتے ہیں، ایسے قوانین کی روشنی میں کوئی عدالت فیصلہ کر سکتی ہے نہ ہی کسی خاص عدالت کے، دائرہ اختیار میں داخل ہیں اور نہ ہی کوئی عدالت انہیں علوانڈ کر سکتی ہے۔ الہت عدالتیں ان دفعات کو دستور کے جز کے طور پر نہیں دیکھ کر اغراض کے لیے اپنے دائرہ اختصاص میں داخل سمجھ سکتی ہیں۔ مثلاً دستور کی دیگر دفعات یا قانون سازوں کے بنائے ہوئے دیگر قوانین کی تشریح کے لیے ان دفعات سے مدد لی جاسکتی ہے۔"

## THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973 with

commentary comments on CHAPTER 2 PRINCIPLES OF

PAKISTAN Article 29—40 p. 108

یہی دفعہ کم و بیش اسی صورت میں ۱۹۵۶ء

PAKISTAN 1973 with commentary preliminary, 1965

(constitution. p. 30) کے دستور میں بھی موجود تھی اور پچاس سال سے زیادہ عرصہ بیت جانے

کے باوجود بھی یہ تمام وعدے دنیا کے منتظر ہیں!

(ب) "سبھم الفاظ

اسی طرح دفعہ ۲۱ کی عبارت میں "احکامات اسلام" جیسی واضح اصطلاح چھڑ کر "اسلام کے اساسی اصولوں اور بنیادی قہورات" کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ حالانکہ انکی اساسی اصولوں اور بنیادی قہورات مثلاً بیچ، انصاف، ایقانے عہد، امانت، پاکیزہی، زیادتی، حق پرست اور ظلم کے خلاف مزاحمت وغیرہ تو اسلام اور دیگر شریعتوں میں مشترک امور پائے جاسکتے ہیں۔ اصل فرق تو احکامات کے ذیل میں ہے، جہاں اسلام باقی شریعتوں سے یکم مختلف ہے۔

(مصری دستور کی دفعہ ۲ میں بھی اس سے ملتی جلتی عبارت ہے جس میں کہا گیا ہے کہ:

"شریعت اسلامی کے مبادی ہی قانون سازی کا اساسی مصدر ہوں گے" حالانکہ یوں کہنا چاہئے تھا کہ "شریعت اسلامی کے احکام ہی قانون سازی کا واحد مصدر ہوں گے۔"

تیسری فصل

دستور کی دفعہ ۳۸

سود کا خاتمہ

دفعہ ۳۸ کی عبارت کہتی ہے کہ:

"عوام کی معاشی اور معاشرتی فلاح و بہبود کی خاطر جس قدر جلد ممکن ہو سود کو ختم کیا جائے

گا۔"

اصل عبارت یہ ہے:

Promotion of social and economic well being of the

people 38 The state shall-

(f) eliminate riba' as early as possible (PART II

CHAPTER 2 - PRINCIPLES OF POLICY Article 31

کی عبارت ۱۹۵۶ء کے دستور میں بھی موجود تھی۔

اور جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے، اس وعدے کے پچاس سال بعد بھی پاکستان میں سودی

نظام زور و شور سے جاری ہے۔

(باب دوم فصل دوم دوسرا تاقص ہو دفعہ ۲۷ الف)۔



(3) without prejudice to the provisions of Article 199, the Supreme Court shall, if it considers that question of public importance with reference to the enforcement any that fundamental rights conferred by chapter 1 of part II is in involved have the power to make an order of the nature mentioned in the said Article [PART VII The Judicature CHAPTER 2 THE SUPREME COURT OF PAKISTAN Article 184].

ب۔ یہ بات بھی ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ جنہو پاکستان کی ایسی روایات پر مشتمل ہو جو شریعت سے واضح طور پر متعارض ہیں اور ان میں سے بعض کے خلاف شرح ہونے کا اعتراف خود پاکستانی مسلمانوں نے کیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود کافی شرعی عدالتوں کو ان روایات کے حوالے سے ایک حرف بھی کہنے کا انصاف نہیں۔

ج۔ وفاقی شرعی عدالت کو تین سال میں حلال کر دے و ستر کا جائز کرے، لیکن دستور پاکستان کو وفاقی شرعی عدالت پر مکمل اختیار و ادوار حاصل ہے۔ جیسے کہ پہلے ذکر کر چکے ہیں، دستور کی نوعیت ۱۹۷۸ء اور ۱۹۷۹ء کا پاکستان پر ایمان کو گنہگار قید کر دینا، جو جتنے سے کہو جیسے جائیں دستور کے احکام میں ترمیم و تبدیلی اور تصحیح و ابطال کرے۔ چنانچہ اگر دو تہائی ارکان پاکستان پر ایمان وفاقی شرعی عدالت کے افسانہ و شریعت عدالت میں پرانا جائیں تو ان پر کوئی پابندی نہیں کیونکہ وہ قانون سازی کا مکمل حق رکھتے ہیں۔ اس آسہ کی مثال ہے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ۔

ہندو پاکستان میں اقتدار اعلیٰ شریعت کو حاصل نہیں، بلکہ عوام اور دعویٰ ارادہ ہی حاکم اعلیٰ ہے اور پادشہان کی غالب اکثریت کی رضا انعام چرانے والوں سے نزدیک عوامی رضا مندی ہی کی دلیل

اس بات سے قہر منظر کیا داتا کشاں کیا پادشاهان است کہ نامزد ہے میں جاں نسل۔۔۔۔۔ بات ہے۔

میں سال ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ پاکستان میں اقتدار اعلیٰ تو شریعت کو حاصل ہے، نہ کسی قرآن کے پروردگار مطہر کو، اقتدار اعلیٰ کی مالک تو وہ مکتوبہ تیر تو ہیں جو پاکستان کو اسلام سے دور لے جائے گی

ہر امر و مافیہ خواہشات کے مطابق اہل پاکستان کی قسمت ہے کھیل رہی ہیں۔

۱۶۔ اسی سوال سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ دستور پاکستان نے پاکستان میں اسلامی نظام قائم کرنے اور اسے شریعت اور کتاب و سنت کی حاکمیت میں چڑھایا کیے اسلامی ریاست بنانے کے لیے جو وسائل اور راز تجویز کیے ہیں، وہ اتنے ناقص و بوزے ہیں کہ ان سے کبھی بھی نظام اسلام کا مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔

[illegible]

پہلے، ان طرح، وفاقی شرعی عدالت کو یہ حق نہیں ملے گا کہ وہ کسی عدالت اور سربراہ جیل کے ضابطہ کا (procedure) سے متعلقہ قوانین کا جائزہ دے۔ یہ حق مسلمہ کرنے سے شرعی احکامات سے ٹکرائے اور وفاقی تعلیمات سے آخراٹ کا رونا دہا ہو چکا۔ یہ مسئلہ حل کیا جاتا ہے۔ عدالتی کارروائیوں کے ضوابط سے متعلقہ قوانین کو چھوڑا جاتی ہے۔ اس کے حال میں، مثلاً دعویٰ قبول یا رد کا، عدالت کے دائرہ اختیار و اقتدار کا تعین، گواہی کا، کلامت، و شہادت جرم کے دلائل، اثبات جرم کے وسائل و ذرائع، قانون و دستور کو کسی شرعی عدالتی حق، عدالتی فیصلوں کے ابطال کا دوا بن کر ہیسمہ کا حق اور ایسے اہم ترین مسائل عدالت کے ضابطہ کا سے متعلقہ قوانین کے تحت آئے ہیں۔ لیکن وفاقی شرعی عدالت کو یہ حق حاصل نہیں کروہ ان کا جائزہ دے یا فیصلے زیر

بٹھائے۔ اس سے یہ حق حقیقت کھل کر سامنے آئے ہیں کہ پاکستان میں بیک وقت دو عدالتی نظام کا رستہ ہیں۔ ایک عاجز کمزور اور ناقص اختیارات کا حامل نظام جو وفاقی شرعی عدالت کی صورت میں ہمارے سامنے ہے اور دوسرا دو سیکڑوں عدالتی نظام جو پاکستان کی باقی تمام عدالتوں میں جاری و ساری ہے۔

راہنہ اسی طرح وفاقی شرعی عدالت کو دس سال کی مدت کے لیے ہر قسم کے مالی قوانین، محصولات کے عائد ہونے اور ان کی وصولی سے متعلق قوانین، یا بینکاری اور ہمسے کے محل اور اس کے طریقہ کار سے متعلق قوانین پر بحث کی اجازت بھی نہیں دی گئی۔ میں نہیں جانتا کہ آیا یہ پابندی اب بھی جاری ہے یا نہیں؟ لیکن یہ امر تو بہر حال ایک حقیقت ہے کہ سود اور سودی احکامات و قوانین آج بھی پاکستان میں رائج ہیں۔ نیز یہ بات بھی کس صاحب بصیرت سے مخفی نہیں کہ وفاقی شرعی عدالت پر لگائی گئی اس پابندی کا اصل فائدہ پاکستان کے حکمران طبقہ کو پہنچتا ہے، جو اس ذریعے سے اپنی مالی بدعنوانیوں پر دھڑلے، اپنی حرص وطمع پوری کرنے اور اپنے داخلی دمار جلی لین، دین کو کھل چھٹو دینے کا متمنی ہے۔

(ب) وفاقی شرعی عدالت کی تشکیل میں پائی جانے والی خامیاں

203C. The Federal Shariat Court

203-----

(2) The Court shall consist of not more than eight Muslim Judges, including the Chief Justice, to be appointed by the president.

(3) The Chief Justice shall be a person who is, or has been, or is qualified to be Judge of the Supreme Court or who is or has been a permanent Judge of a High Court

(3A) Of the Judges, not more than four shall be persons each one of whom is or has been or is qualified to be a Judge of : High Court and more then three shall be Ulema who are well-versed in Islamic Law.

(4B) The president may, at any time, by order in writing

(a) modify the term of appointment of a Judge;

(b) assign to a Judge any other office; and

(c) require a Judge to perform such other functions as the president may deem fit; and pass such other order as he may consider appropriate.

(7) before entering upon office the Chief Justice and a Judge shall make before the president or a person nominated by him oath in the form set out in the third Schedule.

[PART VII the Judicature, CHAPTER 3A, - FEDERAL SHARIAT COURT, Article 203\*]

ذیل میں اس دفعہ کے ملحد جہات پر لکھنے والے اعتراض درج کیے جا رہے ہیں:

(۱) اس دفعہ کی شق ۳ اور شق ۴ الف میں وفاقی شرعی عدالت کے چیف جسٹس اور ججوں کی

الہیت پر بات کی گئی ہے اور شرائط الہیت میں "عادل" (پابند شرع) ہونے کا تذکرہ نہیں کیا گیا حالانکہ



اس شرط پر تو ہوا اختلاف تمام علماے امت کا اجماع ہے۔ بس ایک تو جنوں کی تعین میں ہی شریعت کا ذکر ہر شرعی مخالفت کی گئی ہے، اور پھر اس بات کا اندازہ کرنا تو زیادہ مشکل نہیں کہ جب غیر بار جنوں کو عدالت میں شامل کر کے انہیں قوانین کے شرعی یا غیر شرعی ہونے کا جائزہ لینے پر مامور کیا جا گا تو اس سے کس قدر بگاڑ پیدا ہوگا۔ اس پر استراہ اس کی دفعہ کی شق ۲ نے شرعی عدالت کے جنوں اور چیف جسٹس کے تعین کا اعتبار صدر مملکت کو تفویض کیا ہے۔ بس جب شرف و زور داری جیسے دوگ ٹرل عدالتوں کے سچ چٹیں گے (جبکہ بننے کے لیے عادل و ناجس لازم نہ ہو) تو ہر شخص خود ہی سوچتا ہے کہ ایسی 'شرعی عدالت' کیسے قلم و فادہ کا باعث بنے گی؟

(۲) اسی دفعہ کی شق ۳ میں صدر مملکت کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ جنوں کے تعین کی ٹرڈا مقرر کرے، یا سچ کو کوئی دوسرا منصب سنبھالے یا منصب قضاء کے ساتھ ساتھ کچھ دیگر ذمہ داریاں بھی اس کے حوالے کر دے۔ اس شق پر میں کوئی تبصرہ نہیں کروں گا۔ تاہم یہ خود ہی فیصلہ کریں کہ جب صدر پاکستان کو۔۔۔ شرف و زور داری جیسے دین سے جا مل لوگوں کو۔۔۔ شرعی عدالت سے متعلق اس قسم کے دستخط اختیارات دے دیے جائیں تو کیا یہ عدالت محض ایک مذاق نہیں بن جائے گی؟ نیز اس شق پر تفصیلی تبصرے سے میں اس لیے بھی گریز کروں گا کہ اس کتاب میں میرے پیش نظر محض دستور میں موجود بنیادی شرعی مخالفتوں پر توجہ دلا تا ہے، مگر دائرہ میں ان حیلہ بازیوں کی تفصیل میں جاؤں تو یہ کتاب انتہائی ضخیم ہو جائے۔

(۳) اسی دفعہ کی شق ۷ وفاق شرعی عدالت کے چیف جسٹس اور جنوں سے اس بات کا مطالبہ کرتی ہے کہ وہ اپنے منصب پر فائز ہونے سے پہلے صدر مملکت یا اس کے نمائندے کے سامنے حلف اٹھائیں۔

اس حلف کی اصل عبارت یہ ہے:

[CHIEF JUSTICE] OR 3 [JUDGE OF THE FEDERAL SHARIAT COURT

(In the name of Allah, the most beneficent, the most Merciful.)

I, \_\_\_\_\_, do solemnly swear that as the Chief Justice (or Judge) of the Federal Shariat

Court, I will discharge my duties, and perform my functions honestly, to the best of my ability and faithfully, in accordance with law; and that I will not allow my personal influence my official conduct or my official decision

May Allah Almighty help and guide me (A'meen)

اس حلف میں مذکور شریعت کا ذکر ہے، مذہبی قرآن و سنت کا، بلکہ حج اور چیف جسٹس صرف اس بات پر حلف اٹھاتے ہیں کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو پاکستانی قانون کے مطابق ادا کریں گے۔ اس حلف میں مندرجہ ذیل نمایاں خرابیاں پائی جاتی ہیں۔

اولاً کوئی مسلمان کسی ایسے قانون کی پابندی کا حلف کیسے اٹھا سکتا ہے جو شرعی مخالفتوں سے بھرپور ہے؟ کیا شرعی عدالت اسی لیے نہیں بنائی گئی کہ قانون کو شرعی مخالفتوں سے پاک کیا جائے؟ نہیں یہ حلف اٹھانا حرام ہے۔

ثانیاً یہ حلف خود بھی ایک قصا کا مظہر ہے۔ کیا یہ کوئی معقول بات ہے کہ ایک سچے سے قانون کی صحیح دورستی کا مطالبہ بھی کیا جائے اور اسے قانون کا پابند بھی بنادیا جائے؟

(ج) وفاقی شرعی عدالت اور دیگر عدالتوں کے دائرہ کا مختلف ہونے کا نتیجہ دفعہ ۲۰۳C کے مطابق سپریم کورٹ سمیت کوئی بھی عدالت یا ٹریبونل نہیں رکھیں کہ وہ کسی ایسے معاملے کی سماعت کا دائرہ اپنی پر غور کرے یا اپنے اختیارات یا اختیار سماعت استمال کرے جو

وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ اختیار یا اختیار ساعت میں داخل ہو۔

پاکستانی عدالتوں نے اس مقدمہ سے تاجرانہ فائدہ اٹھاتے ہوئے بینکوں کے قوائد پر کیے گئے اعتراضات کو رد کیا مثلاً جس فیئر ایکٹ کی شق "S-15"۔۔۔ جس میں مارک اپ کے متعلق بات کی گئی ہے۔۔۔ کے خلاف اپیلی کو رد کرتے ہوئے عدالتوں نے جو دلائل پیش کیے ان میں درج ذیل امر بھی شامل ہے:

۱) مدعی کے لیے کہ مقدمہ وفاقی شرعی عدالت میں بھی لے جانا ممکن ہے۔ (2001 CLC 158)

۲) دستور کی دفعہ 304 کے مطابق شرعی عدالت کے علاوہ کسی بھی عدالت کو پختہ حاصل نہیں کروہ پاکستانی قوانین اور شرعی احکامات کے مابین تناقض کا جائزہ لے۔ (2001 MLD 577, 2001 YLR 38, MLD 1996, 2001 YLR 1135)

حالانکہ جن عدالتوں نے مذکورہ دلیل کی بنیاد پر ان قوانین کا جائزہ لینے سے انکار کیا ان کا فرض بنتا تھا کہ بذات خود اس مقدمہ کو شرعی عدالت کی طرف بھیجیں اور سودی معاملات کی اجازت دینے اور احکامات سے بھاگنے کے بجائے اپنے فیصلے کو شرعی عدالت کا فیصلہ آنے تک منظر کریں، کیونکہ یہ مقدمہ محض مدعی کے ذاتی مسئلے تک محدود نہیں تھا، بلکہ اس میں کرسٹینوں کے تباہ کن شرعی حیثیت سے متعلق ایک عمومی اور اصولی سوال اٹھایا گیا تھا۔

یہاں میں آپ کی توجہ سابق صفحات میں مذکور سندھ ہائی کورٹ کے اس فیصلے کی طرف بھی مبذول کرنا چاہوں گا جس میں نج نے کہا تھا کہ عدالتوں کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی قانون کے شرعیت سے معافی یا معصوم ہونے کا جائزہ لیں، (مقدمہ صبیحہ بیگ لیبٹو بنام محمد حسین (PLD Karachi 612 1987) ص 13) جنوری 1992ء کو سداوردہ لاہور ہائی کورٹ کے تمام ججوں پر مشتمل بینل کا وہ فیصلہ بھی ذہن نشین رہے جہاں۔۔۔۔۔ صدر ملکیت کی طرف سے ہڑائے موت کے احکامات میں تبدیلی کے خلاف مقدمہ کا فیصلہ۔۔۔۔۔ جاتے ہوئے۔۔۔۔۔ یہ کہا گیا تھا کہ شرعی عدالت کے

باجوہ ساتھ تمام باقی کورٹ بھی اپنے دائرہ اختیار میں پاکستانی قوانین و شریعت کے خلاف سچا جائزہ لے سکتے ہیں۔

(۳) یہ دلیل بھی اختیار کی گئی کہ باضی میں نہ آنے والے نئی چیزنگ کے ان معاملات کا سبب بہتر دیکھا ممکن نہیں، یہ نیاہداتی فیصلہ مستقبل کے مسئلے سے متعلق ہے۔ پس جو معاملات اس وقت وقوع پذیر ہوئے ہوں جب پاکستانی قانون میں انہیں بہتر دیکھا گیا تھا، ان پر عدالتی فیصلے اثر انداز نہیں ہوتے۔ (2001 CLC 158)

بم دوسرے باب کی دوسری فیصل میں بھی بیان کر چکے ہیں کہ دستور پاکستان کا یہ اصول خلاف شریعت ہے اوراق اصول کا شطر اہل استعمال کرنے ہوئے پاکستان میں آج تک صوبہ معاملات کو رد قرار رکھا گیا ہے۔

زیر بحث مقدمے میں بھی دافریقہ ج کے سامنے حاضر ہیں جن میں سے ایک اپنے شرعی حق کا مطالبہ کر رہا ہے۔ لیکن جج شرعی مخالفت کا ارتکاب کرنے والے فریق کے حق میں فیصلہ سنا رہا ہے اور یہ دلیل دیتا ہے کہ جب تک کسی شرعی مخالفت کو قانوناً جرم نہ قرار دے دیا جائے اس وقت تک اس کا ارتکاب جائز اور حلال ہوتا ہے۔ اب خود ہی بتائیے کہ یہاں کی بجائے "جہالت" کا عندر دیا جاسکتا ہے؟ کیا اسے ممکن ہے کہ قرآن نے چودہ سو سال قبل ہی سود کو حرام قرار دے دیا تھا؟ کیا ایک باہمی اصول کی تطبیق کے ذریعے شرعی مخالفتوں کو جواز بخشنے والے اس جج کو کھل اس بنیاد پر معافی مل سکتی ہے کہ یہ کہتا ہے کہ پاکستان میں اہل اسلام کی شریعت کا حاصل ہے؟

الغرض یہ بات بالکل واضح ہے کہ جہاں ایک طرف پاکستان کی تمام عدالتیں اس بات کا اقرار کرتی ہیں کہ سودی لین و دین اور خلاف شرع ہے، وہیں انہی سب عدالتوں نے مختلف جیلے بہانوں سے سودی لین و دین کو کم از کم جواز بخشا ہے اور سود کو باطل قرار دینے والے قوانین بھی منظر کر رکھے ہیں۔

THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973, with

(commentary, comments on article 203G P, 354 & 355.

(د) دیگر عدالتوں کی نسبت دینی شرعی عدالت کی کم تر حیثیت

۲۰۳H-۱ کہتی ہے کہ کسی عدالت میں چلنے والی قانونی کارروائی اس فیاض پسند خیال نہیں کیا جاسکتا کہ وہاں زیر بحث مقدمے کا تعلق کسی ایسے قانون سے ہے جس کی شرعی حیثیت کے حوالے سے دینی عدالت بھی اسی حد تک افسوسناک ہے۔ چنانچہ صرف ان مقدمے کی استقامتوں کے مطابق جاری رہے گی بلکہ رائج اہمیت قانون کی شرعی مقدمے کا فیصلہ بھی نہ کیا جائے گا۔ اسی طرح تہ شرعی عدالت اور دینی ہی نہ کہ صرف یہ اختیار رکھتی ہے کہ شرعی عدالت کے امور کار میں شامل امور سے متعلق کوئی مقدمہ ماتر دیگر عدالتوں میں جاری ہوں تو ان کے حوالے سے دینی عدالت یا دینی نظم سار کر سکے۔

اصل مہارت یوں ہے:

Pending proceedings to continue, etc.

203H (1) subject to clause (2) nothing in this Chapter shall be deemed require any proceedings pending in any court tribunal immediately before the commencement of this Chapter or initiated after such commencement to be adjourned or stayed by reason only of a petition having been made to the Court for a decision as whether or not a law or provision of law relevant to the decision of the point in issue in such proceeding is repugnant to the Injunctions of Islam; and all such proceedings shall continue, and the point in issue therein shall decided in accordance with the

law for the time being in force

(3) Neither the Court nor the Supreme Court shall in the exercise of its jurisdiction under this chapter have power to grant an injunction or make any interim order in relation to any proceedings pending in any other court or tribunal [PART VII the judicalure, CHAPTER 3A. FEDERAL SHARIAT COURT, Article 203 H]

یعنی خود پاکستانی دستور اس بات کا اقرار کر رہا ہے کہ پاکستان میں دو قسم کے عدالتی نظام قائم ہیں۔ ایک تو ریاضی اور غالب نظام ہے جو سکولر ہے اور شرعی عدالت جس میں مداخلت کا حق نہیں رکھتی۔ دوسرا ایک تابع کمزور اور کم تر نظام ہے جو شرعی عدالت کی صورت میں جاری ہے۔ کہہ کہ ظاہر یہ شرعی عدالت اس لیے تشکیل دی گئی تھی کہ پاکستانی قوانین کی شریعت کے موافق بنایا جائے، لیکن اس کی تشکیل کو پچیس سال گزرنے کے باوجود بھی پاکستان میں غیر شرعی قوانین مسلسل بڑھتے اور پھیلتے چلے جا رہے ہیں۔

ایک جانب تو شرعی عدالت اور سپریم کورٹ کو دیگر عدالتوں میں چلنے والے ایسے مقدمہ مات میں مداخلت سے روکا گیا ہے جہاں شرعی عدالت کے دائرہ کار میں شامل امور زیر بحث ہوں جبکہ دوسری جانب دستور کی دفعہ ۱۸۲ الف سپریم کورٹ کو یہ اختیار دیتا ہے کہ اگر وہ مصلحت سمجھے تو انصاف کے تقاضے پورے کرنے کی خاطر کسی بھی باقی کورٹ میں جاری مقدمے کو کسی دوسرے باقی کورٹ میں منتقل کر سکتی ہے۔

اصل مہارت یوں ہے:

Power of Supreme Court to transfer cases

186A The Supreme Court may, if it considers it expedient to do so in the interest of Justice, transfer any case appeal or other proceedings pending before any Court to any other High Court [PART VII The Judiciary CHAPTER 2 -THE SUPREME COURT OF PAKISTAN Article 186A]

یعنی اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور کے مطابق سپریم کورٹ اس سب سے نیچے تو ایک بائی کورٹ میں جاری مقدمے کو دوسری بائی کورٹ میں منتقل کر سکتی ہے، لیکن اسے اس بنیاد پر کسی مقدمے کی کارروائی کرانے کا اختیار نہیں کہ مقدمہ ایک مخالف شرع قانون یا شرعاً متعارض قانون کے مطابق چل رہا ہے۔ اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ پاکستان کے عدالتی نظام میں وفاقی شرعی عدالت کو ایک متمیز و زیر دست حیثیت حاصل ہے۔

ایک شہید اور اس کا جواب

اسی اعتراض کے جواب میں کوئی شخص یہ کر سکتا ہے کہ اگر قوانین کے شرعاً متنازعہ ہونے کی بنیاد پر عدالتی کارروائیاں رد کی جائیں تو پھر عدالتی نظام ہی معطل ہو کر رہ جائے گا اور لوگ اس چیز کو عدالتی کارروائیوں میں خلل ڈالنے کا ذریعہ بنا لیں گے۔

اس شخص کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ:

اولاً یہ اعتراض اس وقت کیوں نہیں کیا گیا جب پاکستان دستور نے پریم کورٹ کو یہ اختیار دیا کہ وہ مصلحت انصاف کے پیش نظر کسی بائی کورٹ میں جاری مقدمے کو دوسری بائی کورٹ میں بھیج سکتی ہے؟

ثانیاً ریاست پاکستان کا اصل مسئلہ یہ ہے کہ شرعی عدالت کو اپنے ناقص و عاجز اختیارات کے ساتھ وجود میں آنے سے پیشتر سال گزر چکے ہیں۔ اگر پاکستانی حکام، اقداس اسلامی قوانین کے تقاضا میں مخلص ہوتے تو اسے عرصے میں وفاقی شرعی عدالت کی سفارشات کی بنیاد پر قوانین پاکستان پر نظر ثانی

اور اس کی تصحیح ہو جاتی۔ لیکن سکران طبقہ تو یہی چاہتا ہے کہ وفاقی شرعی عدالت کو ایک غیر فعال نمائندگی اور وہ بنا کر کہیں جس کا واحد مقصد یہ ہو کہ اس عدالت کے وجود کو پاکستانی نظام کے اسلامی شرعی ہونے کی دلیل کے طور پر پیش کیا جائے۔

(و) بہت سے احکامات کو شرعی عدالت کی گرفت سے قانونی تحفظ حاصل ہے

گزشتہ سلی میں ہم ان دستوری دفعات پر توجہ بحث کر چکے ہیں جو تہہ بہ تہہ پاکستان اور اس کے احکامات کو قانونی تحفظ فراہم کرتی ہیں۔ (باب دوم، فصل دوم، دوسرا تاقص) نیز صدر پاکستان کو اس میں اعانہ کرنے کا جو اختیار حاصل ہے، (باب دوم، فصل دوم، تیسرا تاقص) اس پر بحث کے دوران بھی ہمارے سامنے ایسے بہت سے تصرفات، احکامات، قوانین، تصدیقاتی فرامین اور قواعد و ضوابط کی مثالیں گزری ہیں جنہیں کسی بھی شرعی و غیر شرعی عدالت میں پہنچ نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ساری بحث قدرے تفصیل کے ساتھ گزرتی ہے لہذا یہاں محض اس کی سمت اشارہ کر کے پراکتفا کیا جا رہا ہے۔

خلاصہ کلام

وفاقی شرعی عدالت سے متعلق دفعات --- جن پر ہم گزشتہ سطور میں بحث کر چکے ہیں --- کا جائزہ لینے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس عدالت کے اختیارات انتہائی محدود ہیں، یہ دیکھ کر عدالتوں کی نسبت کم تر اور درست ہے اور یہ پاکستانی نظام کو اسلام کے مطابق ڈھالنے کی قوت سے محروم کر رہا ہے۔ اسی طرح اس کے دعوں کے لیے بھی اہمیت، تقاضا، شرعی شرائط، قریب کی گئیں نہ ہی اس کا جج بننے کا خلف شریعت کے مطابق ہے۔ اس پر سزاوار ہے کہ دستور کے مطابق صدر پاکستان شرعی عدالتوں کے ججوں کے ساتھ ہر قسم کے تکیل تہا سے کر کے مکمل اختیار رکھتا ہے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

ممکن ہے کوئی شخص یہ ساری بحث چڑھ کر کہے کہ آپ نے وفاقی شرعی عدالت کے حوالے سے جو کہہ کیا --- کہ یہ ادارہ پاکستانی نظام کو اسلام کے سانچے میں ڈھالے، تہہ بہ تہہ عاجز ہے اور ملک کے عدالتی نظام میں بھی اسے زیر دست حیثیت حاصل ہے۔۔۔۔۔ یہ سب اتنی ایک ہیں، لیکن

یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہاں یہاں ہے، پھر آپ یہاں اس پر اعتراض کرتے ہیں؟ اس شخص کو ہم جواباً کہیں گے کہ ہمیں اس بات پر کوئی اعتراض نہیں کہ ہمارے قوانین میں سے مخالف شرع ہونے کی نشاندہی کرے۔ ہمیں تو اعتراض اس بات پر ہے کہ۔

(۱) فی شرع حلال ہے اور نہ پاکستانی نظام سے اسلامی دین کے شرع پر پیش کیا جائے۔

(۲) اسے ثابت نہ کیا جائے کہ پاکستان میں اسلامی احکام کے تمام کو شخصیات عام کے اندر، دوا، دستور و قانون کی پابندی کرتے ہوئے تنہا جانی چاہیے ہیں۔

(۳) اسے ان لوگوں کے خلاف دلیل بتایا جائے جو اسلام سے باقی اس نظام کے خلاف زبان و عمل سے برسرِ پیکار ہیں۔

اس ساری بحث کو سمیٹتے ہوئے میں ایک مثال کے ذریعے اپنی بات کو سمجھانا چاہوں گا۔ پاکستان کی مثالی ایک ایسے مریض کی ہے جسے سرطان جیسا وہی مرض لاحق ہو اور دھرمین ملت تکلیف میں مبتلا ہو۔ ایسے میں ایک شخص اسے ڈیپرین کی کولی دے اور جب کوئی دوسرا شخص اس ملائی پر اعتراض کرے تو پہلا شخص کہے کہ تم مجھ پر تنقید کیوں کر رہے ہو جبکہ میں مریض کی تکلیف کم کرنے کی کوششوں میں؟ تو دوسرا شخص اسے کہتا ہو کہ مجھے تمہارا دھرمین دینے پر اعتراض نہیں، بلکہ اعتراض اس بات پر ہے کہ تمہارا خیال میں ڈیپرین دینے سے اس کی تکلیف اور بڑھ جائے گی یا سرطان جیسا مہلک مرض فلیک ہو جائے گا؟ اور یہ ناقص فہم رکھتے ہوئے اللہ تم بھی میرا بھلا کہہ رہے ہو حالانکہ میرا مطالبہ تو صرف اتنا ہے کہ اس موزی مرض کو جڑ سے اکھاڑ پھینک بغیر مسئلہ حل نہیں ہوگا اور یہ ٹھوس علاج بہر حال صحت اور جہد مانگے گا۔

میں ہمیں فرق ہے ہمارے اور ان لوگوں کے موقف میں جو جہادی کی تبدیلیوں کے ذریعے پاکستانی نظام کا علاج کرنا چاہتے ہیں، جبکہ مہلک امراض اس نظام کی جڑوں تک اترے ہوئے ہیں۔

## پانچویں فصل

دستور کا حصہ نہ سمجھنا، اسلامی احکام، دفعہ ۱۴۲-۱۳۹

دستور کے حصہ نہ سمجھنا "اسلامی احکام" عنوان میں لکھی گئی ہیں جن پر ہم اس فصل میں تبصرہ کرنا چاہیں گے

الف - دفعہ ۱۴۲

یہ اس حصے میں شامل اہم ترین امور ہیں جس میں درج ہے کہ

"تمام امور، قواعد و قوانین و قرآن و سنت میں بیان کردہ اسلامی احکامات سے" داخلی بنایا جائے گا۔۔۔ اور کوئی ایسا قانون نہیں بنایا جائے گا جو ان احکامات کے خلاف ہو۔"

اصل عبارت یہ ہے:

227 provisions relating to the Holy Quran and Sunnah

227 (1) All existing laws shall be brought in conformity with the injunction of Islam as laid down in the Holy Quran and Sunnah in this part referred to as the Injunctions of Islam and no law shall be enacted which is repugnant to such Injunctions

[Explanation in the application of this clause to the personal law of any Muslim sect the expression "Quran and Sunnah" shall mean the Quran and Sunnah as interpreted the sect]

(2) effect shall be given to the provisions of clause (1) only in the manner provided in this part .

(3) Nothing on this part shall affect the personal laws of non-Muslim citizens or status as citizen [PART IX Islamic provisions Article 227]

اس، اور پتھر، کہتے ہوئے میں رہتا چاہوں گا کہ:

(۱) اس عبارت میں مستثنیٰ کا یہ استدلال کیا گیا ہے، یعنی ایک اور ہے۔۔۔ ایک ایسا اور جو آپ تکہ وہ نہیں ہو سکتا۔

۱۹۵۶ء کا دستور جسے دوسری دستور ساز کمیٹی نے منظور کیا تھا، اس میں بھی ایک ایسی اور شے کی کمی تھی جو قرآن و سنت میں بیان کردہ اسلامی احکامات سے متصادم ہر قسم کی قانون سازی سے رافتی تھی۔ (دستور ۱۹۵۶ء، دفعہ ۱۹۳) پھر اسی دفعہ کے تقاضے پر اسے کرنے کی غرض سے ایک کمیشن تشکیل دیا گیا تھا جس کے ذمہ یہ بھی دیا گیا کہ اس کی اصلاح دی جائے جو حالہ دستور کی دفعہ ۱۳ بیان کرتی ہے۔ یعنی یہ کہ جو دوا کوئی کمیشن کے ۱۰ دفعہ بنا ۱۰۲ اس کے لیے مرا لے کر دے گا، پانچ سال کے اندر اندر دستور ساز کمیٹی کے سامنے اپنی سفارشات پیش کرے گا اور پھر کمیٹی کا۔۔۔ ان کے مطالبے پر جانزے کے بعد۔۔۔ ان کے مطابق قانون سازی کرنا۔

THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973, with commentary preliminary constitution, 1965 P,31 (constitution) لیکن ساہا سال بیت جانے کے باوجود بھی قوانین کو کثرت کے مطابق ڈھالنے اور خلاف شرع قوانین کے خاتمے کا خواب سر نہ بد تیرت ہو سکا۔

اسی طرح ۱۹۴۹ء میں منظور ہونے والی قرارداد، مفاد، جو اتحاد و اتحاد کا دیا چہ قرار پائی، میں مذکور عد سے کا ذکر ہم پہلے ہی کیے ہیں۔ قرارداد و اتحاد میں درج ہے کہ "مسلمانوں کو نظر انداز کر کے جو قانونی طور پر اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ اپنی زندگی اسلامی تشریحات، تعلیمات اور ضروریات کے حسب مناسبت جس طرح قرآن کریم اور سنت محمدی علیہ السلام میں ان کی تعمیل کیا گیا ہے، وہ ترمیم دے سکیں۔"

اسی طرح دفعہ ۱۸۱ "اسلامی طرز زندگی" میں کیا گیا وعدہ بھی گن رہ چکا جس میں درج ہے کہ: "پاکستان کے مسلمانوں کو نظر انداز کر کے جو قانونی طور پر اپنی زندگی اسلام کے اساسی اصولوں اور اپنی تعلیمات کے مطابق مرتب کرنے کے قابل بنائے گئے ہیں اور انہیں ایسی سہولتیں سہا کرنے کے لیے اقدامات اٹھائے جائیں گے جن کی مدد سے وہ قرآن کریم اور سنت کی روشنی میں زندگی گزارنے کے اصل مفہوم سے روٹناں ہو سکیں۔"

یہ اندیشہ اپنی صورت میں ۱۹۵۶ء کے دستور میں بھی شامل تھی۔

THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973, with commentary preliminary constitution (P,30)

اسی طرح دستور کی دفعہ ۳۸ میں یہ وعدہ لکھا گیا کہ:

"عوام کی معاشی اور معاشرتی ترقی، دہیہ کی خاطر جس قدر جلد ممکن ہو ہو جو کوئی کام کیا جائے گا" یاد رہے کہ یہی عبارت ۱۹۵۶ء کے دستور میں بھی شامل تھی۔

THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973, with commentary preliminary 1965, constitution p,31

تو گو کہ ساٹھ سال سے ہمارے ساتھ بار بار وعدے کیے جا رہے ہیں جن میں سے ایک بھی ایک بک پر نہیں ہو سکا۔ بلکہ اگر زیادہ وضاحت سے کہنے کی اجازت ہو تو ساٹھ سال سے پاکستان کے مسلمانوں کو وعدے کیے گئے ہیں کہ ان کے جذبات اور ذہنی حیات سے ٹھیکھا جا رہا ہے۔ نیز یہ بھی ایک معلوم شدہ حقیقت ہے کہ جو شخص کہے کہ میں ایک ماہ بعد یا قریب ترین وقت میں اسلام قبول کروں گا یا یوں کہے کہ میں ایک ہفتہ بعد یا جو بھی مجھے مناسب موقع ملا میں نماز پڑھ لوں گا۔۔۔ تو ایسے شخص کو مسلمان یا غازی نہیں سمجھا جائے گا۔ بالکل اسی طرح جو شخص کہے کہ قریب میں شریعت کی حاکمیت قائم کر دوں گا، اسے اس وقت تک شریعت قائم کرنے والا اور اس کا تابع نہیں مانا جائے گا جب

تک وہ ملا شریعت کی حاکمیت قائم نہ کر لے۔ حق تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَلَا رِبْكَ لَا يُلْمُونَ حَتَّىٰ يُحْكُمَ لَكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجْعَلُوا لَكَ إِتْلَافًا مِّنْهُم مَّا قَضَيْتَ وَيَسْلُمُوا تَسْلِيمًا﴾ (النساء: ۶۵)۔

”تمہارے پاس کوئی قسم یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں، اور نہ فیصلہ تم کرواں سے اپنے دل میں تلقی کریں، نہ کریں بلکہ راستہ خوش سے جان لیں جب تک یہ تمہیں نہیں ہراسے۔“

(۲) اسی طرح میں تحت ہوں کہ دستار لگنے والوں نے انجانی بدعتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے

دفعہ ۲۲۷ میں صرف ”قوانین“ کا ذکر کیا ہے اور ”دستور“ کے دالے سے ایک حرف بھی نہیں لکھا، حالانکہ خود دستور بھی خلاف شرع فیوض پر مشتمل ہے، جیسا کہ پاکستان کی عدالتیں بھی بعض دستور کی دفعات کے حوالے سے اس امر کا اقرار کرتی ہیں۔ گویا دفعہ ۱۳ میں پائے جانے والے خلاف شرع امور پر گرفت نہیں کر سکتیں، حالانکہ پاکستانی قوانین میں پائے جانے والے شرعی انحرافات کی بڑ تر خود دستور ہے۔ لہذا یہ دفعہ بھی دستور پاکستان میں موجود باقی حصوں کی طرح کا ایک وعدہ ہے، خود دستور میں جس کی گرفت سے مستثنیٰ ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس دستوری دفعہ کے ذریعے پاکستانی نظام انجانی موجودہ حیثیت سے بدل کر حاکمیت شریعت پر قائم ایک خالص اسلامی نظام بن جائے؟

ب۔ اسلامی نظریاتی کونسل

اصل نام یہ ہے: (Council of Islamic Ideology)

اس فصل کی باقی دفعات (۲۳۱ تا ۲۳۸) میں اسلامی نظریاتی کونسل کی تشکیل اور ذمہ داریاں

پر بحث کی گئی ہے۔ اس کونسل کے ارکان کا تئیس صدر مقرر کرتا ہے۔ دفعہ ۱۱۳ اس کونسل کی ذمہ داریاں پر بحث کرتی ہے، جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

اصل عبارت یوں ہے:

Functions of the Islamic Council

230 (1) The functions of the Islamic Council shall be –

(a) to make recommendations to Majlis-e-Shoora (parliament) and the provincial Assemblies as the way and means of enabling and encouraging the Muslim of Pakistan to order their lives individually and collectively in all respects in accordance with the principles and concepts of Islam as enunciated the Holy Quran and Sunnah

(b) to advise a House a provincial assembly the president or a governor on any question

Referred to the Council as to whether proposed law is or is not repugnant to the Injunctions of Islam

(c) to make recommendations as the measures for bringing existing laws conformity with the Injunction of Islam and the stages by which such measures should be brought into effect and

(d) to compile in a suitable form for the guidance of Majlis-e-shoora (parliament) and the provincial Assemblies, such Injunction of Islam can be given legislative effect

(2) when under Article 299 a question is referred by a House a provincial assembly, the president or a Governor to the council the council within fifteen days thereof, inform

the House the Assembly the president or the Governor as the case may be of the period within which the council expects to be able to furnish that advice .

(3) where a House a provincial assembly the president or the Governor as the case may be considers that in the public interest the making of the proposed law in to which the question arose should not be postponed the advice of the Islamic Council is furnished the law may be made before the advice is furnished.

Provided that where a law is referred for advice to the Islamic Council and the council advises that the law is repugnant to the Injunctions of Islam the House or as case may be the provincial Assembly the president or the Governor shall reconsider the law as made

(4) The Islamic council shall submit its final report within seven years of its appointment and shall submit an annual interim report .The report interim or final shall be laid for discussion before both Houses and each provincial Assembly within six and months of its receipt; and Majlis-e-eShoora (parliament )and the assembly after considering the shall enact laws in respect therefore within

a period of two year of the final report.[PART IX Islamic provisions Article 230]

۱۸۵: یہ نوٹس وفاق اور صوبائی اسمبلیوں کے سامنے قراردادیں پیش کرے۔ جس میں اس بات کے واقع اور مسائل پیش کیے جائیں گے جو پاکستان کے مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی کے احکام کے سیاسی اصولوں اور بنیادی ضرورت کے مطابق عرب کے لئے مسئلہ کا حل دیتے ہیں۔  
یہ نوٹس وفاق اور صوبائی اسمبلیوں میں پیش کیے جائیں گے۔ اس سے پیش پالیسی میں یہ وعدہ ۱۹۵۶ء کے دستور میں بھی شامل تھا۔

THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973 with

commentary 1965 constitution P.30

۱۸۵: کنونسل کی ذمہ داری ہے کہ جب کسی تجویز و قانون کے اسلامی تعلیمات کے خلاف یا مخالف ہونے کا سوال اس کے سامنے پیش کیا جائے تو کنونسل وفاق اور صوبائی اسمبلی، مصلحت یا دیگر کاموں کے بارے میں مشورہ دے۔

۱۸۵: کنونسل کی ذمہ داری ہے کہ تمام رائج قوانین کا جائزہ لے کر ایسے وسائل تجویز کرے جن کے ذریعے انہیں شریعت کے مطابق بنایا جاسکے اور دوسرا حل بھی مقرر کرے جن میں ان تجاویز پر عمل درآمد ممکن ہو سکے۔

۱۸۵: ایسی اسلامی تعلیمات جنہیں قوانین کی صورت میں نافذ کیا جاسکتا ہے انہیں موزوں شکل میں پارلیمان اور صوبائی اسمبلیوں کی رہنمائی کے لیے پیش کرے۔

۱۸۵: کنونسل اپنے آغاز کے بعد سات سال کے اندر اندر اپنی حق پر رپورٹ پیش کرنے کی پابند ہوگی، البتہ ساتھ ساتھ عبوری رپورٹ بھی سالانہ بنیادوں پر پیش کرے گی۔ پھر اس حق پر رپورٹ کے پیش کیے جانے کے بعد چھ ماہ کے اندر وفاق اور صوبائی اسمبلیوں میں اس پر بحث کی جائے گی اور پھر دو سال کی مدت میں اس رپورٹ کے تجویز و قوانین کو منظور کیا جائے گا۔



”تکذوب اور فخر عیسائیت کے مطابق بھی ضروری تھا کہ ۱۹۸۱ء تک پاکستان اسلامی شریعت رائج ہو جائے۔“

یہاں ہم اپنے ”مقررہ اور اصحاب نمبر ۵۰“ میں اس سلسلے میں بات نہیں کرتے۔ ہمیں یہ معلوم ہے کہ صدر دستور ۱۹۷۹ء میں جنہی وقتہ سازائیں نے ہر ایک قس میں بھی یہ بات لائی تھی کہ ”معاذ اللہ“ لیکن تفصیل میں بات کرنے کا اسلامی نقطہ نظر سے قانون سازانہ فیہ ہے۔ ۱۹۵۶ء میں دوسری بار سازائیں سے منظور شدہ دستور میں کسی ایسا لفظ نہ تھا جو قرآن و سنت سے متصادم تھا۔ ان سازانہ سے روٹی تھی۔ (دفعہ ۱۹۳، دستور ۱۹۵۶ء) اور پھر اس مقصد کے حصول کے لیے بھی ایک کمیشن تشکیل دیا گیا تھا۔ ۱۹۶۲ء کے دستور میں ۵۰ ویں ترمیمی اور اس کمیشن کو اسلامی مشاورتی کونسل اور ادارہ تحقیقات اسلامی سے تبدیل کر دیا گیا۔ اور پھر حالیہ دستور میں اس کی جگہ ”اسلامی نظریاتی کونسل“ نے لے لی۔

(THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973 with commentary, comments on Article 228 P 385

نیز یہ امر بھی ذرا غور کرنے کے ۱۹۵۶ء میں منظور شدہ دستور نے جو کمیشن تشکیل دیا تھا اس کی ذمہ داری بھی وہی تھی جو حالیہ دستور کی دفعہ ۱۷۲ میں مذکور ہے۔ یعنی یہ کمیشن رائج الوقت قوانین کو شریعت کے مطابق ڈھالے گا، اس عمل کے مختلف مراحل طے کرے گا یا پھر سال کی مدت میں آجیلا رپورٹ پیش کرے گا اور پھر اس کا جائزہ لے کر بعد اسی اس کے مطابق قوانین صادر کرے گی۔

(THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973 with commentary, preliminary, 1965 Constitution, p 31)

گویا ایک جانب تو ”اسلامی نظریاتی کونسل“ نامی ایک ایسا بے بس ادارہ ہے جو نہ شافعی نہ ”دراخت“ کرنے سے زیادہ کچھ اختیار نہیں رکھتا اور دوسری جانب پاکستان پر مسئلہ وسطہ سیاسی طبقہ ہے جو قیام پاکستان کے بعد سے آج تک جوئے وعدوں کی ایک ”کتاب و پیر“ والی حکمران کرتا چلا آ رہا ہے اور اس سرزمین کے مسلمانوں کے دینی جذبات سے کھیل کر آج تک کسی کچھ نہیں ہے۔ دینی بات خفا:

شریعت کی تہا اس کے لئے پہلے ایک بھولے وعدہ کا راگ الاپا جاتا ہے اور جب عوام اسے سن کر کہل جاتے ہیں تو انہیں کسی دوسرے خوشامراب کے پیچھے دوڑایا جاتا ہے۔..... اور یہی سلسلہ مبرور فرمایا جاتا ہے۔

یہاں مجھے ایک مشہور لطیفہ یاد آ رہا ہے کہ کیا ”ان کے“ اور میں ۵۰۰ لکھ لکھنے پٹا در میں کہا تھا۔“ اگر شریعت کو کراچی سے ناگے میں بیٹھ کر آتی تو بھی کافی مدت پہلے مہرکت پہنچ جاتی۔“

۱۔ پاکستانی ریاست دستور تاریخ کے آئینے میں

پرتغیر پاک و ہند کے مسلمان بھی اسی الیہ سے دوچار ہوئے جس سے مصرحہ انہیں دیکر بہت سے خانوں کے مسلمانوں کو دوچار دنا پڑا۔ ”الیہ“ سے تیسری مراد یہ ہے کہ قربانیاں تو ہر جگہ مانا، مسلمانین نے دیں، لیکن ان قربانیوں کے ثمرات کوئی اور لے لیا قربانیوں کے ایک طویل دور کے بعد جب بھی زمام اقتدار سنبھالنے کا مرحلہ آتا تو قیادت نے ایسے خطبات کا اہل ہونے سے امت کے ساتھ کدہ قدم نہ دیا؛ انہوں اور دنیاویوں میں ان کے شریک نہ تھے۔ اس بدولت طبقے نے امت کے ساتھ کدہ قدم نہ دیا؛ خلائی کی اور امت کے قربانیوں سے نہ صرف خیر نیابت کی۔

سید حمید رحمہ اللہ کی یاد رکھا کہ کیا ہمیں کوئی اور پڑ جانے کے بعد شیخ ابند اور سید حسین احمد مدنی جیسا اللہ نے از سر نو برطانیہ کے خلاف جہادی تحریک کی بنیادیں ڈالیں، لیکن سلطنت عثمانیہ سے مدد کے حصول میں ناکامی اور توڑا خلافت کے سبب یہ تحریک بھی ناکامی سے دوچار ہوئی اور یہ دنیاوی حضرات انہیں اس پر ہونے والے ہر کچھ منہقرہ قہقہے کے بعد ہند کے مسلمانوں میں ایک عوامی تحریک اٹھی جس نے ہندوؤں کی (اور اگر عین یوں) کے ظلم و جور سے خلافت کے لئے ایک الگ آزاد خدشہ زمین کا مطالبہ کیا۔ لیکن دینی سراج کی حامل اس عوامی تحریک اور دینی کی ایسے مصرعے شامل ہو گئے جو اپنے عقائد و ادکار میں عامہ المسلمین سے بہت مختلف تھے۔

ان عناصر میں انگریزی تہذیب کا تربیت یافتہ اور غربی تہذیب کا ولہاد ایک طبقہ بھی شامل تھا۔ اس طبقے کی دینی مرادیت کے پیچھے بھی کسی کو اہل کار فرما تھے۔

(الف) مسلمانوں کی عسکری اور بنیادی تربیتیں بطور نامور و بڑی تھیں، اور یہ توانائی فطرت ہے کہ وہ طاقت اور صاحب طاقت سے متاثر ہوتا ہے۔

(ب) اس طبقے کی پرورش مغربی نظام تعلیم سے سخت دینی ترقی اور انسانیت ہی طرز زندگی کا اثر ہوتا ہے۔ جس پر اس کی تربیت ہوئی ہو۔

(ج) عالم اسلام سیاسی، اجتماعی اور ملکی اعتبار سے متحدہ ہونا چاہیے تھا۔ لیکن وہ غیر اتحادی اور غیر متحدہ عالم ہو چکی تھی، اقتدار یافتہ اور زور بردار سے غصب کیا جاتا تھا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے فرائض ملتے جا رہے تھے اور منافقت، بدعت، پانچویں، بے جا طرف داری اور کافرانہ پیروی، ذیل اوصاف کیلئے چلے گئے۔ بہت سے ملایا، ایسا جدید اقلیت اختیار کر چکے تھے کہ امرائے ملت کی دوا و دواؤں نے، کے بجائے حالات سے لاپرواہی اختیار کر لی تھی ان کا شیعہ دین آیا تھا۔

(د) یہ طبقہ مغرب، بالخصوص انگریز کی اس جھوٹی دعوت پر ایمان لے آیا تھا کہ: وہ آزادانی، انصاف، مساوات اور مظلوموں کی مدد اور نصرت کے علمبردار ہیں..... حالانکہ اللہ گواہ ہے کہ یورپی انسانیت تاریخ میں مغربی ممالک سے زیادہ ظلم و فساد پہنچانے والا کوئی نہیں ٹھہرا۔ اس پر مستزاد یہ ہے کہ وہ اس بات کی بھی تصدیق کر بیٹھے کہ مغرب کی ظاہری ترقی، دینی سے دوری اور دین کو کھنکھاتے ہوئے تھک کر کرنے کی مہمیں بنتے ہیں۔

مغربی عقائد و افکار کا حال یہ طبقہ امت کو بھی مغربی تہذیب کا ولہادہ بنانے کے لئے مستقل کوشاں رہا، لیکن اس مسئلے پر مدد دینے والی تھی کہ ہند کے مسلمانوں کی تحریک آزادی ایک خاص وصف کی حامل تھی جو اسے عالم اسلام میں پر پور پڑنے والی بدعتی، دیگر تحریک بنائے آزادی سے متاثر کرتا ہے۔ اس تحریک کا تہ بنیادی غور دینی تھا کہ ایسی اسلامی سلطنت قائم کی جائے جو مسلمانوں کی حرمت کی محافظ اور ان کے حقوق کی نگہبان ثابت ہو۔ پس مسلمانان ہند کے اس عروج دینی مزاج

کو دیکھتے ہوئے یہ مغرب کو از حد اپنے سیکوریتار اور غربی تہذیب سے اپنی جہت و حرمت چھپانے پر مجبور ہوا کہ مسلمانوں کی ملتوں میں اس کے لئے کچھ جگہ بن سکے۔ یہی نہیں، بلکہ اس طبقے نے مسلمانوں میں قبولیت حاصل کرنے کے لئے ان کے جذبات سے کھیا اور طرح طرح کے خوشنما وعدے کر کے انہیں اپنے پیچھے چلایا، کبھی ایک سراب کی سمت دھڑلایا اور کبھی دوسرے کی سمت اور غماز کتاب و سنت کی نگرانی کا نذر کرنے کی بجائے ہمیشہ مستقبل کے عہدہ و پانڈا بنانے سے۔

چنانچہ یہ بات تو ظہور من الشمس ہے کہ دستور پاکستان اور بدست پاکستان کا وجود میں آنے بھی اسی کیلئے تلاش کا تسلسل ہے، جس کی دلیل طلب کرنے کی بجائے پاکستان کی ساتھ ساتھ تاریخ پر نگاہ ڈال لینی چاہئے کہ پاکستان کہاں سے چلا تھا اور کن کن مراحل سے گزرتا ہوا آج کہاں آن کھڑا ہے..... بلکہ یوں کہا بہتر ہو گا کہ..... کس گڑھے میں جا کر رہے؟ آج پاکستان کی حیثیت امریکی فوج اور امریکی نظریہ و سنجیدگیوں کے لئے خدمات مہیا کرنے والی ایک کنبلی کی سی ہے۔ اس ملک کے قائدین اور سیاستدانوں کی باگ و دوڑ کا کل مقصد یہ ہے کہ کسی طرح اپنے آپ کو دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر لڑی جانے والی امریکہ و مغرب کی اسلام دشمن مصلحتیں مہم میں باقیوں سے بڑھ کر امریکہ کا دفا و دار ثابت کر پائیں۔ امریکہ کی رضا کی خاطر آج دین و فقہیہ اور فطریہ پاکستان سمیت ہر شے قربان کی جا چکی ہے۔

پاکستان بننے کے بعد سے اس سکھران طبقے نے نہ صرف نفاذ اسلام کے جھوٹے وعدوں پر مشتمل ایک مغربی طرز کا دستور تشکیل دیا ہے، بلکہ اس دستور میں مرحلہ دار ایسی عبارتیں بھی شامل کر دوائی ہیں جو ان کے بے راہ روی اور نفاذ کو تحت و تنگیں دے رہی ہیں۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ”زشتہ“ پاکستان کے سیاسی معاملات میں ایک اہم ترین عامل بن چکی ہے۔ جب بھی کوئی نیا حکمران آتا ہے تو ان کا پارلیمان اور سیاستدانوں کو مٹھنی میں لیے کے لئے امت کا دل رشوت کے طور پر بے پروا ہوتا ہے۔ پھر انہی عوامی غیبتوں سے ایسی دستور کی ترامیم منظور کر داتا ہے جو اسے ہر قسم کی جواب دہی اور کھانے سے حفاظت فراہم کرتی ہیں۔



اور بہت سی مثالوں کے ذریعہ یہ بات واضح کی گئی ہے کہ پاکستانی دستور و قانون میں شرعی احکامات سے مستحکم بہت سا مواد پا جا تا ہے۔

(ب) کتاب میں بیان کردہ مؤقف کا سب سے بڑا اثر خود پاکستان کی عملی صورت حال ہے۔ ایک نامہ مستوری، قانونی نظام پر قائم یہ بات اپنے قیام کے ساٹھ سال گزرنے کے بعد بھی درست رہتی کی طرف گواہی دیتی ہے۔ نان ملٹن ڈیٹ اور سیٹی قائم نہ کیے بغیر وگرنے اسی بھانے کے ساتھ اقتدار پر قابض ہوتے رہتے ہیں کہ وہ ملکی سیاست سے غائبانہ درشت سنی کا جنازہ کرنے کے لئے اٹھتے ہیں۔ لیکن اقتدار سنبھالنے کے بعد ہر درودیگر، اہل و عیال و برالیا جاتا ہے..... یعنی پھیلے سرکاری خزانے سے ہماری دشمنیوں سے وے کر سیاست دانوں کی دھنکار باں خریدی جاتی ہیں اور پھر ارکان پارلیمنٹ کی غائب اکثریت کو اپنے ساتھ ملا کر ایک نئی آئینی تریم منظور کی جاتی ہے جس کے ذریعے حکمرانوں اور ان کے حاشیہ نشینوں کو ہر قسم کی عوامی کارروائی اور جوابدہی سے محفوظ حاصل ہو جاتا ہے۔ یوں لوٹ مار اور فساد و بگاڑ کا ایک سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، جس کے خاتمے کے لئے جلد ہی کوئی دوسرا احتجاج بندہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔

اس سبب لوٹ مار کا منطقی نتیجہ یہ نکلا ہے کہ پاکستان اب ایک گرائے گا تو کہیں کر رہ گیا ہے۔ جہاں سے بھی زیادہ پیسے، دیار سے پاکستان میں کوئی غدا سہا نہیں کرتی ہے۔ چنانچہ آج پاکستان صلیبی لشکروں کا غلام بن کر اپنے مسلمان بھائیوں کو، بلکہ اپنے آپ کو بھی جاہل کر رہا ہے۔ اور اس سب سے غافل حکمران طبقے کی تیشیں رشتوں سے بھر رہی ہیں۔ خود بخود بتائیے کہ کیا اس سبب حقائق سے انکار کرنا ممکن ہے؟ کیا ان میں کسی شک و شبہ کی گنجائش موجود ہے؟ کیا پاکستان اسلام کے خلاف جنگ میں مصروف نہیں؟ کیا پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد میں مساجد و مدارس کو گولہ و گولہات سمیت ملٹیا میٹ نہیں کیا گیا؟

(ج) اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ تمام تر بگاڑ و فساد کا سبب محض حکومت پر قابض حکمران طبقہ ہے، تو بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے حکمرانوں کے خلاف خروج کرنے والوں

کی مدد کرنے کی بھی دعا لکھ کر ان پاکستانی حکمرانوں سے ہزار گنا بھرتے؟ کیا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے انازید بن علی رحمہ اللہ اور پھر محمد بن زکریا اور ان کے بھائی امیر المومنین علیؑ کی مدد انہیں کی تھی؟ خروج کی یہ تحریکیں تو ایسے حکمرانوں کے خلاف تھیں جو جہاد بھی کرتے تھے، نماز بھی قائم کرتے تھے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر بھی غافل تھے شریعت کی حاکمیت اور شرعی نظام بنانا بھی قائم کر رکھا تھا۔ ان کا قصور تو صرف یہ تھا کہ انہوں نے اختیارات پر ناجائز طور پر قبضہ کر رکھا تھا اور لوگوں کا مالی باطل طریقے سے کھاتے تھے..... لیکن اس کے باوجود بھی امام صاحب رحمہ اللہ نے ان کی تائید و نصرت کی۔

پس اگر آپ کی طور پر ہماری موافقت نہ بھی کریں، بقول تاجا تو کہہ سکتے ہیں کہ جرأت الہامی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہمارے فقہی مؤقف کی درستی تسلیم کریں اور ان ظالم و فاجر لوگوں کی صفوں میں شامل ہونے سے انکار کر دیں جو دشمنانِ دین کے ساتھی بن کر ہمارے مقابل کھڑے ہیں۔ آپ کو کوافہ تعادل نے صادقین سے جاملے کا حکم دیا ہے، اہل حق کا ساتھی بن کر باطل پرستوں سے بھڑ جانے، سنی کا قلم دینے، برائی سے روکنے اور لوگوں کو اپنی طرف رجوع دینے کی ہدایت کی ہے۔ پس قبائلی میں بزرگ پر کجا بجاہدین کی حمایت کرنا آپ کا شرعی فریضہ ہے۔ آخر یہی تو وہ فی سبیل اللہ مجاہدین ہیں جو نہ صرف امریکہ اور عالمی صلیبی طاقتوں کے مد مقابل ڈٹے ہوئے ہیں، بلکہ امر صلیبی اتحاد کے اساسی رکن،..... پاکستان..... کی فوج کے مظالم بھی ثابت نہ کی سے برداشت کر رہے ہیں۔ لہذا ان حالات میں شریعت کا کم سے کم تقاضا بھی یہ ہے کہ امریکہ کی دغا و دار اور اسلام سے غدار حکومتوں کے خلاف خروج کرنے والوں کی مخالفت نہ کی جائے۔

میاں ہم آپ کو ایک مرتبہ پھر امام ابو بکرؓ ایسا ہی اتھی رحمہ اللہ کا دھول یاد دلاتے ہیں جس میں آپ حکمرانوں کو نعرات سے در در روکنے پر اعتراض کرنے والوں پر نقد کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

”فانہم انکروا فافال الفقة الباغية والامر بالمعروف والنہی عن المنکر بالسلاح، وسعوا الامر بالمعروف والنہی عن المنکر ففئة اذا احبب فیہ الی حمل

السلاح وفنال الفتنه الباغية، مع ما قد سمعوا فيه من قول الله تعالى: ﴿فَقَاتِلُوا النِّبْيَ حَتَّى نَفَى، أَلِيَّ أَمْرُ اللَّهِ﴾ وما يقتضيه اللفظ من وجوب نالها بالسيف وغيره. وزعموا مع ذلك أن السلطان لا يكر عليه الظلم والجرور وفنال النفس التي حرم الله، وإنما يكر على غير السلطان بالقرل أو بالغير سلاح، فصاروا شراً على الأئمة من أعدائهم المخلعين لها؛ لأنهم اغتدوا الناس عن قتال الفتنه الباغية وعن الإنكار على السلطان الظلم والجرور.

حتى أدى ذلك إلى غلب الفجار بل المجوس وأعداء الاسلام، حتى ذهبت النعمور، وشاع الظلم، وحسرت البلاد، وذهب الدين والدنيا، وظهرت الزندقة والفساد ومذاهب التوبة والخوفاً والمزكبة، والذي جلب ذلك كله عليهم تبرك الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر والإنكار على السلطان الجائر، والله المستعان.

”ان لوگوں نے باغیوں سے قتال اور مسلح قوت کے ذریعے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے کو نکلے کہا ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک اگر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی خاطر ضرورت پڑنے پر بھی ہتھیار اٹھائے جائیں تو یہ فتنہ ہوگا۔ اسی طرح یہ لوگ باغی گروہ کے خلاف قتال کو بھی جتنے سے تعبیر کرتے ہیں حالانکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان مبارک بھی سن چکے ہیں: ﴿پس بغاوت کرنے والے گروہ سے قتال کرہ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے﴾۔

یہ آیت صراحت کے ساتھ گواہ اور دیگر ذرائع سے قتال کرنے کو واجب قرار دے رہی ہے۔ اسی طرح ان کا موقف ہے کہ حاکم اگر ظلم و جبر کرے اور لوگوں کو تان قتل کرے تب بھی اسے نوکرا درست نہیں۔ البتہ حاکم کے حواہدیر لوگوں کو زبان اور ہاتھ سے رکھا جانے چاہیے لیکن ان کے خلاف بھی یہ گواہاٹھانے سے قائل نہیں۔ جیسے لوگ اس امت کے حق میں اس کے کلمے دشمنوں سے بھی زیادہ دہمک جانتے ہوئے ہیں، کیونکہ انہوں نے امت کو باغ گروہ کے خلاف قتال اور بادشاہوں کے ظلم

و جبر ہمارا گناہ سے روک دیا ہے۔

ان کے اس باطل موقف کے نتیجے میں شقاق و فتنہ اب آئے، جیسے اور دیگر دشمنان اسلام کے تسلط کی راہ ہموار ہوئی، اسلامی سرحدات پامال ہوئیں، ظلم پھیل گیا، بستیوں پر باد ہوئیں، دین و دنیا لٹ گئے اور زندگی بخل اور مذاہب ہو یہ غمرے اور سرور کی پروان چڑھے مسلمانوں پر یہ تمام مصائب مسلط ہونے کا سبب بنی تھاکہ وہ امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور ظالم بادشاہ کو ظلم سے روکنا چھوڑ بیٹھے، اللہ المستعان۔

واحکام القرآن للحصاص، سورة آل عمران، باب فرض الأمر بالمعروف والنهي عن المنکر ۳/۳۶۷، ۳۶۸۔

۳۔ برصغیر میں غلبہ اسلام کے لئے مطلوب چشملی اللہ تعالیٰ کے حالات پر نگاہ ڈالنے سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ وقت اب زیادہ دور نہیں جب چشملی ایشیا میں باہموں اور پاکستان میں بالخصوص اسلام کو غلبہ ہو گیا۔ چنانچہ ہم کتاب کے اختتام پر یہ کوشش کریں گے کہ اس منزل کو قریب لانے کے لئے چند چشملی تجاویز قارئین کی نظر کرتے ہیں:

(الف) صحیح آگمی پیدا کرنا

صحیح آگمی پیدا کرنے سے یہاں دو باتیں مقصود ہیں:

اول، یہ کہ پاکستان میں بسنے والا ہر مسلمان اپنے گروہ میں کے حالات کا درست فہم حاصل کرے اور ہر گروہ کی تک اضرک معاملات کو ان کی اصل صورت میں دیکھنے کی کوشش کرے۔

پاکستان کے ہر مسلمان کو یہ بات بخوبی سمجھنی چاہئے کہ ہر مریض اور اس کے مسلمان باہی آج ایک جدید صلیبی صیغہ کی جنگ کی زد میں ہیں، جو کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک عالمگیر صلیبی صیغہ کی ہم کا حصہ ہے۔ انہیں یہ بات بھی جان لیجی چاہئے کہ جس ریاست کو اسلامی جمہوریہ پاکستان کہا جاتا ہے وہ کسی طور بھی اسلامی نہیں ہے، نہ تو اپنی نظریاتی اساس (یعنی دستور) کے اعتبار سے اور نہ ہی اپنے عملی تصرفات کے اعتبار سے۔

زیر نظر کتاب میں یہی کوشش کی گئی ہے کہ انحصار کے ساتھ پاکستان کے بنیادی دستور و قانونی ڈھانچے کا معیار واضح کیا جائے تاکہ اس شعبے کی گنجائش باقی نہ رہے کہ پاکستان کا نظام بنیادی طور پر پنج اصولوں پر قائم ہے، لیکن سارے لگاؤ کا سبب وہ حکمران طبقہ ہے جو ان اصولوں سے بے نیاز کرتا ہے۔

لہذا پاکستان میں اسلام کو غالب دیکھنے کے خواہش مند ہر فرد کو جان لینا چاہئے کہ پاکستان پاکستان وہ رہے لگاؤ پر قائم ہے..... اصولی استوار ہے بھی یہاں لگاؤ رہے اور عملی لحاظ سے بھی لگاؤ! یہ حقیقت تسلیم کرنے کا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ بھی مانا جائے کہ انتخابات اور مردمی سیاسی ذرائع کے ذریعے قیادت بدلنے سے پاکستان میں اصلاح ممکن نہیں۔ پہلے تو اس اساس کو ٹھیک کرنے کی ضرورت ہے جس پر باسٹ پاکستان قائم ہے کہ نگرہی اسلام سے متصادم ہے۔

لہذا سب سے پہلے تو یہ دعوت دینے کی ضرورت ہے کہ پاکستان اور دیگر تمام اسلامی سرزمینوں پر تنہا شریعت ہی کی حاکمیت قائم کی جائے اور یہ حاکمیت کا قابل تغیر و تبدل اور ناقابل شیخ و ابطال ہو۔ اس حاکمیت کو عوامی منظوری کی حاجت ہو، بلکہ یہ اکثریت کی پسند و ناپسند اور ہر دستور و قانون سے بالاتر ہو۔ ہر وہ قانون اور فیصلہ جو اس سے متصادم ہو بالاسم باطل تصور کیا جائے۔ پھر اس حاکمیت اعلیٰ کو نظام سلطنت میں ایسے غیر متاثرہ اصول کی حیثیت حاصل ہو جس میں کسی قسم کی ترمیم ممکن نہ ہو، بلکہ یہ اصول نظام سلطنت کے تمام شعبہ جات پر حاوی اور ہر قانونی و دستوری شعبہ پر غالب ہو۔ حاکمیت شریعت کے اس اعلیٰ اصول کی واپسی اور وضع حاکمیت دینے کے لئے کمالی اقدامات کرنا مناسب ہے..... اس کے لئے علماء شریعت اور داعیان دین سے رہنمائی لینی چاہئے۔

اسی طرح مسلمانان پاکستان کو یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ اسلام کا عملی نفاذ دین، مکرہ اور حد و دشرع سے آزاد لوگوں نہیں کر سکتے۔ یہ فریاد تو انہی لوگوں کے ہاتھوں انجام پا سکتا ہے جو حقیقتاً اسلام، صلیحیت، امانت اور تقویٰ کی صفات سے محض ہوئے۔ اللہ کے دین کا نفاذ تو ایک عبادت اور بھاری امانت ہے جس کی ادائیگی صرف ایسے افراد ہی کر سکتے ہیں جو محض اور شیعہ شرع ہوں۔

وہ صحیح اعتراض جن کی تقریر کے لئے مذکور اسلام شرط ہے، نہ ہی اتباع شریعت اور جو دھرمی طور پر اشتہاری فکری کا شکار ہیں..... بھلا انہیں پاکستان میں شریعت نافذ کرنے کی ذمہ داری کیسے سونپی جا سکتی ہے؟

اس مسئلے کی پیش بندی کے لئے ضروری ہے کہ، نئی دشرعی علوم پڑھانے والے اداروں و مدارس میں ابھی سے ایسا صاحب تشکیل دیا جائے جس سے فارغ التحصیل ہونے والے علمائے کرام قاضی، وکیل اور اسلامی قوانین کے ماہرین جن کو شرعی قضاء، شرعی وکالت، قفیش و افتا اور قضاء سے متعلق دیگر اہم خدمات سرانجام دے سکیں۔

پھر برصاحب بصیرت یہاں یہ سوال بھی اٹھائے گا کہ کیا یہ سب کچھ بہت بنیادی تبدیلی اور نہایت انتہائی اقدامات بغیر ممکن ہیں؟

تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بھی انسانی معاشروں اور قوموں میں لگاؤ بڑوں تک سرایت کر جائے اور طاقتوں کے طول و عرض میں فساد پھیل جائے تو باہمومی کی بہت بڑی انتظامی تحریک کے بغیر اصلاح احوال مشکل ہوتا ہے۔ ایسے میں کیا یہ کوئی ممکن امر نظر آتا ہے کہ عالمی صلیبی طاقتیں اور ان کا ہراول دستہ..... یعنی پاکستانی سیاستدان اور فوجی افسران پر مشتمل خائن و دہمداں لہ..... آسمانی کے ساتھ پاکستان پر سے اپنی گرفت چھوڑ دیں گے اور انہیں ہٹانے کے لئے کسی زور و زحمت اور قوی مقابرت کی ضرورت نہیں پڑے گی؟

جاننا، یہ کہ شعور آج کل کے معاشرے میں عام کی جائے تاکہ مطلوبہ تبدیلی لانے کے لئے ایک عوامی تحریک وجود میں آئے جو درست بنیادوں (یعنی شریعت کے عمیق علم اور حالات کے درست فہم) پر کھڑی ہو اور بہت سی دیگر تحریکوں کی طرح کانفرنسوں کے سراپوں میں اور سیاست کی دلیلیزوں پر خاک نہ چھناتی پھرے۔

(ب) صلیبی یا غار کے مقابل و فنی جہادی تحریکوں کی معاونت

آج ہر اس جہادی تحریک کا ساتھ دینا لازم ہے جو عالم اسلام کے خلاف لائی جانے والی

عالمی مسلمین جنگ، بالخصوص پاکستان و افغانستان پر امریکی مسلمین بنگار کے بالفاظی کھڑی و دفاع وین و ملت میں مصروف ہے۔ اس تحریکات کا ساتھ دینا، جو ملت سے لازم ہے:

اولاً: کہ افغانستان و پاکستان سے مسلمین متحد آوروں کو کابل پر پاکستانی پر فرض میں ہے۔ یہ شریعت کا ایک واضح حکم ہے جس کی نشر و اشاعت، وضاحت اور تعین نہایت اہم ہے۔ ۸۰ء کی دہائی میں بہت سے پاکستانی علماء نے یہ فتویٰ صادر کیا تھا کہ تمام اہل پاکستان و افغانستان پر جہاد و افغانستان میں شمولیت فرض میں ہے اور یوں ضرورت فرشت کا یہ دائرہ وسیع ہو کر پوری امت کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ اگر کل دوس کے آئے پر یہ جہاد فرض میں تھا تو آج مسلمین امریکیوں کے میدان میں اترنے پر تم کیسے فرق ہو سکتا ہے؟ بالخصوص جب کہ اس جنگ کا دائرہ دس سے بھی زیادہ وسیع ہے۔ وہ تو صرف افغانستان پر قابض ہوئے تھے جبکہ انہوں نے پاکستان میں بھی اپنے بڑے بڑے اذیت قائم کر کے ہیں۔

ثانیاً: یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ آج پاکستان میں عملاً امریکہ کی حکومت اور ای کا نفوذ و غالب ہے۔ اور یہ امریکہ ہی ہے جس کے حکم پر اس سرزمین سے اٹھنے والی ہر دینی تحریک کو پکڑا جاتا ہے۔ لہذا جب تک امریکہ کو پاکستان و افغانستان نے ناپود ہو کر کے پاکستان کو امریکی غلامی سے آزاد نہیں کر دیا جاتا، یہاں اصلاح احوال ناممکن ہے۔

(ج) نقاد شریعت کی کوششوں کی تقویت

مصدق و امانت کی صفات سے متصف ہر اس صالح گروہ اور جماعت کو ہر ممکن طریقے سے مضبوط کیا جائے جو اپنے علاقوں میں نقاد شریعت کے لئے کوشاں ہو۔ ایسے گروہوں کی بھرپور مدد کی جائے تاکہ ان کا شرور و سرخ سپرد اطراف پھیل سکے اور وہ اپنے خلاف مسلح کی گئی تباہ کن جنگوں کا کام کر مقابلہ کر سکیں۔

(د) تمام شعبہ ہائے دین کی دعوت اور عوام کی دینی تربیت کا اہتمام

دعوت دین کے تمام پہلو ابجا کر کے جائیں اور عوام کی تربیت اس بیج پر کی جائے کہ وہ

مقامہ ملوک اور سیاست میں در آنے والے بگاڑ سے دامن چھڑا کر اپنے آپ آپ کو شرعی آداب و اطاعت اور اسلامی عقائد و احکام سے سزین کریں۔ نیز ہر مسلمان کے سامنے یہ بات واضح کی جائے کہ اگر وہ تکفیر میں اپنی طاقت و وسعت کے مطابق حصہ لینا اور اپنے حصہ کی ذمہ داری ادا کرنا ایک بہتر فرض ہے۔ بالخصوص داعیان وین میں یہ احساس پیدا کیا جائے کہ فائین ملت اور ملتدین فی الارض کے پھیلائے ہوئے لٹاؤ بگاڑ اور ظلم و انحراف کے خلاف ڈٹ کر کھڑا ہونا ان کا فرض منصبی ہے۔ پھر یہ انہی داعیان وین کی ذمہ داری ہے کہ وہ عامۃ المسلمین میں بھی مزاحمت کی تین روح پیدا کریں اور انہیں سمجھائیں کہ ان کا یہ عمل افضل ترین جہاد کے ذمے سے داخل ہے، جیسا کہ نیم کریم رحمہ اللہ کا ارشاد ہے؟

"افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جائن"

"افضل ترین جہاد کلمہ یا شاہ کے سامنے بکھرے حق کہتا ہے۔"

تفسیر ابن کثیر، المائدہ آیات ۷۸ الی ۸۱، ۸۵، الملحدک علی الصحیحین، کتاب الفتن والملاحم، حدیث رقم ۸۵۳۳، ۵۵۱/۳، مجمع الزوائد، باب الکلام بالحق عند الحکماء، ۲۷۲/۷، سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، باب الأمر والہی، حدیث رقم: ۳۳۳۳، ۱۲۳/۳، سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب الأمر بالمعروف والنہی عن المنکر، حدیث رقم: ۳۰۱۱ و ۳۰۱۲، ۱۳۲/۲، ۱۳۳۰، مسند أحمد، مسند ابی سعید الخدری، حدیث رقم: ۷۵۲، ۳۳۱/۲، مسند ابی بعلی، مسند ابی سعید الخدری، حدیث رقم: ۱۱۰۱، ۳۵۲/۲، ۳۵۳، مسند ابن الجعد، حماد بن سلمہ، حدیث رقم: ۳۳۶، ۳۸۰/۱، مسند عبد بن حماد، من مسند ابی سعید الخدری، حدیث رقم: ۸۶۳، ۱۸۲/۲، المعجم الکبیر للذہبی، ما عند ابی امامۃ، من روئے عن ابی امامۃ من اهل الصورة، حدیث رقم: ۸۰۸۰ و ۸۰۸۱ و ۸۰۸۲ و ۸۰۸۳، مسند الشیخانی،

أفضل الجهاد كلمة حق عند أمير جائر، حديث رقم: ۱۲۸۶ و ۱۲۸۸، ۴۴۷/۲، ۳۸۸، شعب الإيمان، الثاني، والمخمسون من شعب الإيمان وهو باب في الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر ۹۳/۶، والمسايع والمخمسون من شعب الإيمان وهو باب في حسن الخلق، فصل في ترك الغضب وكظم الغيظ والعفو عند المقدرة، حديث رقم: ۳۱۰۳، ۳۹۶، ۸۲۸، ۲۸۶/۲، المنهيد لابن عبد البر (۲۸۶/۲).

"امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث اس مسئلہ کے اعتبار سے "حسن خریب" ہے۔

(سنن الترمذی، کتاب الفص، باب ما جاء أفضل الجهاد كلمة عدل عند

سلطان جائر، حديث رقم: ۳۱۷۳، ۴۱۷/۲، ۴۱۷/۲).

(۵) بہادری سبیل

پاکستان اور دیگر مسلم ممالکوں میں بسنے والے ہر غیر مسلم مسلمان کو یہ حقیقت بخوبی سمجھ لینی چاہیے کہ شریعت کا نفاذ، حقیقی اسلامی نظام کا قیام، صالح و امین قیادت کا ظہور، اسلام کی صحیح دعوت کا فروغ اور ایمانی محبت و باہمی تعاون پر مبنی پاکیزہ معاشرے، محبت و ہمسرت کے عارفہ مضبوط گہرائی اور صالح مسلم فرد کا وجود شے ۱..... یہ سب نہ تو جہاد فی سبیل اللہ کے اخیر ہونا ممکن ہے، نہ ہی جہاد کے بغیر ان کا بقاء رہنا اور اپنے وجود کی حفاظت کرنا ممکن ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَوْ لَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفُتِ السُّدُودُ وَلَكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ

عَلَى الْعَالَمِينَ﴾ (البقرة: ۲۵۱).

"اور اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض کے ذریعے دفع نہ کرتا تو زمین فساد سے بھر جاتی، لیکن اللہ تعالیٰ تو جہان والوں پر بہت فضل و احسان کرنے والا ہے۔"

مذکورہ بالا مضامین کی مزید وضاحت کی خاطر جناب صاحب مدظلہ و مدظفر اللہ کی کتاب "کیا دعوت

مقدس امن است ہے؟" کا ایک مفصل اقتباس شامل کیا جاتا ہے، تاکہ مذکورہ بالا مضامین کا وضاحت کے ساتھ ساتھ خلاصہ بھی ہو جائے، وهو هذا:

### پاک سرزمین کا نظام

الحمد لله الذي جعل في دينه من جملة ما في الدنيا من الامان كونه وقت ادباً يتاح فيه الناس كما جاء في قوله تعالى: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾، ان شاء الله تعالیٰ، یہ ایک ایسا نظام ہے جس کا مقصد ہے کہ ایک انسان اپنی باقی ماندہ زندگی میں شرک سے تائب اور توبہ پر کاربند رہنے کی شجاعت دے، یہ سرمد (ایک گروہ فرشتہ) کا مذہب تکمیل جانے کے باعث آج تک کی ایک زوالی مثال دریاں بنتی ہے۔ اس کلمہ سے بھی الفاظ توبہ میں توبہ کرے یہ نہ حال اس وقت جاتا ہے جب شرک کا رادہ ہو اس کو ادا کرنے بغیر انسان تک کہہ کر، لے تو انہی اور واجب اقل قرار دیا جائے مگر یہ ایک ایسا مندرجہ سے جسے پڑھ لینے کے بعد نہ تو شک و شبہ نہ ہو، نہ نہ کر کے لینے سے کوئی فرق پڑے اور نہ انسان کے طاعتات میں جانے سے کوئی کمی، بودہ میں آئے اس کی بحراب انارینٹ کے پیش نظر اب یہ جلی خروف میں ان مزامات کے ساتھ دیکھ دیا جاتا ہے جس سے اندر انسانوں کے فتنہ کے بخود کسی قبر پر کوغ و جہد کرتے سرعام، کچھ جاسکتے ہیں۔ گویا یہ کلمہ ہر شرک کے لئے موت کا پیغام تھا ہی شرک کے لئے اب یہ بہترین تریاق ہے!

﴿فَقِيلَ اللَّهُ ظَنَّمُوا فَوَ لَا ظَنيرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ﴾

### حاکم اعلیٰ اور شرک

دستور پاکستان کی پیشانی پر اس کلمہ کا زبردہ لکھا گیا ہے کہ "اللہ تعالیٰ حاکم اعلیٰ ہے" مراد یہ ہے کہ کلمہ پڑھ لیا گیا اب آگے ہر قسم کے شرک کا راستہ صاف ہے، چنانچہ دستور کے اسی دیا چہ میں جہاں اللہ کو حاکم اعلیٰ کہا گیا ہے تھوڑا آگے چل کر وہی یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ:

"پاکستان کا سیاسی ڈھانچہ جمہوری طرز کا ہوگا"

یہ شرک ضرور ہے مگر چونکہ کلمہ پڑھ کر کیا گیا ہے اس لئے پریشانی کی کوئی بات نہیں ایسی بھی دیکھتے جنہیں کہ حاکم اعلیٰ کے اس لفظ کی دستور کی تفسیر کیا ہے؟ دستور اس کا جواب یہ دیتا ہے کہ حاکم اعلیٰ



ایک بے ضرر رسالہ "اعزازی عہدہ" ہے جو نہ تو کسی چود کا کھڑکھوٹا سکا ہے اور نہ کسی چیل سے چھڑا سکا۔ اس کی اتاری ہوئی آیت نہ تو کسی چود کا کھڑکھوٹا سکا ہے۔ اور نہ سود کو تاج اور قتل سہاڑہ دے دے سکتی ہے اس کا فرمان بھڑن میں اعلیٰ اور بھڑن تو ہے کہ قانون جو ہے اور روک سکتی ہے اور پیش لاءوں میں۔ انسانی زندگی میں جائزہ تاج اور قانونی وغیرہ قانونی فرد یا یہ ایک باقاعدہ اختیار ہے جو اس میں "حاکم اعلیٰ" کو بہر حال حاصل نہیں اور یہی بات ہے کہ اس کے رسول کا کام ہے اللہ اور اس کے رسول کو مذہب کے شعبے میں جو جائزہ تاج کے تین کا پورا حق حاصل ہے مگر قانون کے شعبے میں حلال و حرام کا تین "حاکم اعلیٰ" کے رسول کا کام نہیں بلکہ دینا چاہے دستور کی رو سے یہ حق اس کی مخلوق کے فرمانرواں کو عطا اور ہے۔ شیعہ کے الفاظ ملاحظہ ہو۔

Wherein the state shall exercise its powers and authority through the chosen representative of the people  
بلکہ آئین کا آرٹیکل 4 کہتا ہے کہ ہم اور سرکار کا تین صرف اور صرف ملک میں راجع قانون کرے گا یہ حق اللہ اور اس کے رسول کو نہیں کہ جرم و سزا کا تین وہ کریں۔ اللہ اور اس کے رسول نے اگرچہ کہا ہے تو وہ عوامی فرمانرواں سے کہیں۔ صرف وہی اس بات کے مجاز ہیں کہ "اگر وہ چاہیں" تو "اللہ اور اس کے رسول کی بات کو قانون کا درجہ دیں" نہ انہیں تو اللہ اور رسول کی بات کی وہی حیثیت ہوگی جو کسی بھی انسان کی کسی بھی قانونی تجویز یا مطالبہ کی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ حاکم اعلیٰ راجع قانونی دستور کی دیاچہ میں ہے مگر ضرور اسے لے کر ایوان کے سامنے عدل میں چلے جانے کی کہیں گنجائش نہیں۔ سب سے پہلے یہ آئین اس بات کی اجازت نہیں دیتا۔ اگر آپ تجربہ کرنے پر مصر ہوں تو بڑے شوق سے ایسا کر دیکھیں آپ کو یہی جواب ملے گا کہ عدالتوں کو اس سے غرض نہیں کہ قرآن میں کیا آیا ہے یا حدیث میں کی کھلا ہے قرآن کی دالالت چاہے جتنی بھی قطعی اور واضح ہو اور حدیث بھی گنجائش ہو آپ کچھ دیکھ کر اس کی ستارہ کر رہے ہیں کچھ میں جا کر لوگوں کو سنائیں مگر عدالت میں لا کر نہ اس کا تقدس پامال کریں اور نہ بھڑن اور دیکھاں کا وقت برباد کریں کیونکہ یہی لحاظ سے اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں۔

کون نہیں جانتا کہ ملک میں راجع قانون قرآن کریم کی حکم آیات سے نہیں بلکہ انگریزی قانون کی کالی کتابوں سے لیا جاتا ہے؟ کیا ابھی نہیں کہ یہ بات آئین پاکستان سے متصادم ہو اور سب کی سب عدالتیں اس حاکم اعلیٰ والی آئین شکنی کے خلاف چل رہی ہوں جیسا کہ فریب دیا جاتا ہے کہ دستور تو اسلامی ہے مگر یہ صرف اس کے نافذ کرنے والے کرتے ہیں۔ اس کے برعکس دستور کی دفعہ (1) 268 کی میں یہ خطا ہے کہ قانون کتاب اللہ کے بجائے انگریزی دور کے کتبوں سے لیا جائے گا۔ جتنا بھی فریب دیا جاتا ہے مگر اس بات سے کون ناظم ہے کہ عدلیہ معتقد اور قانون نافذ کرنے والے اور اسے اور افسر اس قانون پر عملدرآمد کا عطف اٹھانے اور اسے نافذ واری کا عہدہ کرتے ہیں۔ قانون دان آپ کو یہی بتائیں گے کہ دستور پاکستان، اللہ کے حاکم اعلیٰ ہونے کا یہ مطلب نہیں لیتا کہ اس کی اتاری ہوئی آیات کو قانون کا درجہ حاصل ہے۔ یہ دریاغ ہے کہ اللہ الہ تہ ہے مگر اس کو بندگی کرانے کا حق نہیں! چنانچہ دستور میں مذکور یہ حاکمیت اس کی قانون کی اطاعت اور انہیں فرمانبرداری کو تسلیم نہیں۔ نہ یہ حاکم اعلیٰ والی شمس غیر اللہ کے قانون کو باطل اور غیر اللہ کی بندگی کو حرام نہ سمجھا جائے۔ سو کلکی آئین میں اللہ حاکم اعلیٰ ضرور ہے مگر سیاست اور قانون کے ایوانوں میں اس دور کی اور تحلیل و تخریم کا اختیار اسے نہیں بلکہ اس ملک کے قانون ساز خدا کی کو ہے۔ یہ حاکم اعلیٰ تو اس کا حکم نہ تو پوچھ لے لے، نہ فوج کے لئے، نہ عدالتیں اس کے قانون اور اس کے نازل کردہ حال ورام پر فیصلے دینے کی دستور پابند ہیں۔ نہ شعبائے زندگی کو چلانے والے سرکار کی اداروں پر اس کی بات اور اس کے رسول کے فرمان کے سامنے سہارا دینا کہنے کی کوئی آئینی یا بندی ہے اور نہ قلعہ اور شہر یا شعبوں میں شرک والہ اسے سب سے پہلے پر کوئی قدغن۔ اس تمام تر شرک اور اجادہ کی کھلی آئینی جھٹی کے باوجود اللہ تعالیٰ اس آئین کی دوسرے "حاکم اعلیٰ" ہے!

اللہ کی حاکمیت کا یہ نسخہ بھی کیا غیب ہے جو سیاست کے ایوانوں کو شریعت محمدی غیر مشروط اطاعت اختیار کر کے بغیر عی اسلام کی سند دے دیتا ہے۔ شیطان نے سمجھا دیا ہو گا کہ اگر برطانیہ کا بادشاہ امرامی کے ہر قانونی اختیار سے بھی دست ہٹے گا اور جو تاج پہننے کا مجاز اور قانوناً واجب اطاعت نہ

ہونے کے باوجود حکومت شانتی پر متحکم ہے تو پاکستان میں حاکم اعلیٰ کی سامی پانظوں کا تھیل کہیں ممکن نہیں۔ یہ بات آپ کو گوارا کر دے تو رادستور پاکستان کی قانون ساز مملکت کے آئینی اختیارات کا ایک نظر جائزہ لیجئے اور پھر فرمائے برطانیہ میں بادشاہ اور پاکستان میں حاکم اعلیٰ کے امتیازی جہت میں کیا فرق ہے؟ بھارت تو خالی غلطیوں کا گھر ہے۔

بنا بریں یہ بات کسی خوش فہمی سے زیادہ نہیں سمجھنی چاہیے۔ آئین نے اللہ کو "حاکم اعلیٰ" کہہ کر ایک بار زبان سے لکھ کر ادا کر دیا ہے اور اب "حاضر صرف علی کا ہی خدا ہو جائے۔ لکھ کے خطاب سے تو اپنی ترین واقفیت رکھنے والے بھی متاثر ہو گئے ہیں کہ تمہارے آئین کے باب میں اللہ کو حاکم اعلیٰ کہہ دینے سے کام نہیں چلتا اس سے پہلے غیر اللہ کی حاکمیت اور قانون سازی ایسے اختیار کی دونوں اور صاف صاف نفی ضروری ہے۔ اس کے بعد ہی اللہ تعالیٰ کو حاکم ماننے کی بات "مجاز ہو سکتی ہے۔ آج تاریخ کا چہرہ مسخ نہ کر دیا گیا ہو تو یہ بات محض مزاح و سادست نہ تھی کہ پرانی قومیں بھی اللہ کو مجبوراً اعلیٰ کہنے سے انکاری نہ تھیں۔ مسلمان تو ہمیشہ چھوٹے چھوٹے خداؤں کا راجہ بن کر دعویٰ تھا کہ خداوند اعلیٰ انہیں اختیار دے سوچ رہے تھے ہیں۔ خود انبیاء کا بھلا کرنا سچ کے خداؤں سے تھا سو غیر اللہ کی بندگی اور اطاعت کی نفی پہلے ہو کر لکھ ادا ہوتا ہے ورنہ حاکم اعلیٰ کا تصور تو کبھی باعث نزاع نہیں رہا۔

﴿وَأَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ ما بعدوں من دونہ الا  
 أسماء مسمیوہا انتم و آباءؤکم ما أنزل اللہ بھا من سلطان ابن الحکمہ الا اللہ امر الا  
 نعبود الا اياه ذلک دین القیمہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون ﴿یوسف: 60﴾

”کیا بہت سے متفرق رب بہتر ہیں؟ وہ ایک اللہ جو سب پر غالب ہے؟ اس کو چھوڑ کر تم جن کی بندگی کر رہے ہو وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ سوا کچھ میں ہیں جو تم نے اور تمہارے آباؤ اجداد نے رکھ لے ہیں، اللہ نے ان کے لئے کوئی سند نازل نہیں کی۔ فرماؤ وہ ان کا اقتدار اللہ کے سوا کسی کے لئے نہیں ہے۔ اس کا حکم ہے کہ خود اس کے سوا تم کسی کی بندگی نہ کرو۔ یہی (دین قیم) غیثہ سیدہ حاضرین زندگی ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔“

یہ تو قری غیر اللہ کے حق تشریع و قانون سازی کے انکار اور نفی کی بات جو کہ گمراہی شہادت کا جزا دل ہونے کے ناطے ناگزیر ہے پھر جب تک انسان اللہ کی حاکمیت کے اثبات کا قائل ہے تو وہی صورت میں قائل اختیار ہے کہ اس کا فرمایا سند اور اس کا کہا قانون تسلیم ہو۔ قانون دانوں سے پوچھیے آپ کا دستور اس دوسری بات سے کئی انکاری ہے۔

اگر اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کو دستوراً قائل رہیں تو قلیل اور قابل تفسیر قانون اور ہر آئین سے بالاتر آئین نہ مانا جائے تو اس کی حاکمیت کا دعویٰ کل کوئی شرط تک پوری نہیں کرتا اس کی شریعت کو غیر مشروط اور اہل قانون مانے بغیر اسے حاکم اعلیٰ کا خطاب دینا ایک بات ہے ..... اللہ کو رب ماننا مگر اس کے نازل شدہ حکم کو حق قانون کا دعوہ نہ دینا شعبہ سیاست کا محض غلط فہمی کی لائی ہوئی بدایت کا دستور کی طور پر پابند نہ ہونا مگر مذہبی طور پر آپ کو رسول کہنا وہ بدترین مذاق ہے جو اس سیکولر ایمان میں پورے دستوری اہتمام کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے کہ آپ کسی کو حج کہیں مگر اسے فیصلہ کرنے کا حق دینے پر تیار نہ ہوں دیا جس آپ کسی سے مذاق کرنے کے روادار نہیں تو پھر بالکل الملک کے سنا سے کسی حد پر یہ جرأت کر لی جاتی ہے؟

﴿فَلَا رِبْكَ لَا يَهُودُونَ حَتَّى يَحْكُمُوا بِكِتَابِ اللَّهِ﴾ [النساء: 65]  
 فی انفسہم حرجاً منافقین وبسملو اتبعوا ﴿النساء: 65﴾  
 ”..... میں اسے (خدا) تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اس نے اپنی اختلافات میں میری فیصلہ کرنے والا نہ مان لیا میں پھر جو تم کہو اس پر اپنے دلوں میں کوئی شک (نک) عیسویں نہ کریں بلکہ ہر تسلیم کر لیں“

کتاب و سنت کے مطابق قانون سازی!

جہاں تک آئین کی ضرورت ماندہ دفعہ (A) (227) کا تعلق ہے جس کا حوالہ جمہوری اسلام پسند حضرات اکثر دیا کرتے ہیں یعنی:

”جو چاہے وہ آئین کو کتاب و سنت کی تعلیمات کی مطابقت میں لا جائے گا اور کوئی قانون ان

تقدیمات کے خلاف نہ بنا دیا جائے گا۔

تو اگر آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ اس دفعہ کے جانے کے بعد اسلام آپ اس ملک میں دھرم نہیں رہا بلکہ دین کی حیثیت اختیار کر گیا ہے اور انسانوں کے بنائے ہوئے خلاف اسلام قوانین آپ یہاں کوڑی کھینچ رہے تو آپ کی مخالفتی ہے دستور میں ایسا کھینچنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ اور اگر آپ یہ رائے رکھتے ہیں کہ یہ قوانین تو قرآن کا کوئی بھی ایسا ناسات اور قطعی حکم اپنا نہیں لے کر آئے ہیں جیسے جبرقت کی مانگ قانون سے مضامین ہو آپ کو یہی جواب ملے گا کہ آپ صرف اپنی من پسند دعوات دیکھنے کے عادی ہیں پورا دستور میں پڑھنے اور دستور میں جاہلی قانون ساز عناصر کا ذکر دیکھتے تو خلف اس خوش فہمی کا شکار نہ ہوتے۔ اور انہیں تو صرف دفعہ (1) 268 دیکھ کر ہی تب بھی یہ شکایت نہ ہو سکتی تھی ذرا اس دفعہ کے الفاظ کا ملاحظہ فرمائیں اور پھر دیکھئے کہ دفعہ (227) کا کیا مطلب رہ چکا۔

Except as provide by this Artcall, all existing laws shall, subject to the constitution, continue in force, so far as applicable and with the necessary adaptation, until altered, repealed or amended by the appropriate Legislature.

ترجمہ: جو جیسا کہ اس آرٹیکل میں قرار دیا گیا ہے تمام موجودہ قوانین اس دستور کے تابع جس حد تک قابل اطلاق ہوں اور ضروری تعلق کے ساتھ اس وقت تک بدستور نافذ رہیں گے جب تک مناسب مفقہ انہیں تبدیل یا منسوخ نہ کر دے یا ان میں ترمیم نہ کر دے۔ (ترجمہ از حکومت پاکستان وزارت پبلک ریلز پارلیمانی امور شعبہ عدل ص 167)

دوسری بات یہ کہ (1) 227 کے کہنا کے کتاب و سنت کی تعلیمات کے خلاف کوئی قانون صادر نہ ہوگا ایک خوش کن اور امید افزا بات ضرور ہے مگر اس سے متصل بعد کی شق پڑھیں تو اس کا سارا عہر کرکرا جاتا ہے چنانچہ آرٹیکل (1) 227 میں مذکور اس خوشبات کی عملی تفسیر صرف اور صرف آرٹیکل 228(4) 230 کی صورت میں کی جاسکتی ہے اب ذرا (4) 230 کا پڑھئے تو معلوم ہوگا

کہ کسی قانون کے خلاف اسلام ہونے کا تو یہی اسلامی نظریاتی کونسل کی مہر لگ کر بھی آجائے تو ایسا قانون پاس کر دینے پر کس وقت پارلیمنٹ یا صوبائی یا سینئر قانون ساز کی کونسل کی یہ پورٹ مد نظر رکھتی ہوگی۔ غور فرمائیے۔۔۔ صرف مد نظر رکھتی ہوگی! یعنی وہ اسے مانے یا نہ مانے اس میں وہ پوری طرح آزاد ہے۔۔۔

جبکہ (3) 230 کی رو سے اسے اس قانون کی کونسل کا نظریاتی کونسل کے قوانین کے برخلاف یہ تفسیر بھی یہ قانون پاس کر سکتی ہیں۔ پاس ہو جانے کے بعد یہ قانون اگر نظریاتی کونسل کی نظر میں خلاف اسلام منظر آئے تو اس صورت میں صدر یا گورنر کو صرف اتنی زحمت کرنی ہوگی کہ اس قانون پر نظر ثانی کر لیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔۔۔ نظر ثانی کر لیں! یعنی نظر ثانی کے بعد بھی اس خلاف اسلام قانون کا برقرار رہنا ضرر ہو جائے تو اس کی پوری آزادی ہے۔ اب آئین (1) 227 سے جو امید افزا بات ملتی تھی وہ (4) 230 تک پہنچ کر کیا ہے کیا ہو گئی؟

تیسری بات یہ کہ دستور میں جو (1) 227 کو انوشے مستثنیٰ کرنے کے جاہل انتظامات کئے گئے ہیں خود جمہوری اسلام پسند بھی اس سے راز واقف نہیں۔ در نہ جہاں ملک کے اعلیٰ عدالتیں صدر مملکت تک کے خلاف آئین و احکامات کا عدم قرار دے دیتی ہیں وہاں ہمارے اسلام پسند بھی تو آئے روز پاس ہونے والے خلاف اسلام قوانین کو (1) 227 کا حوالہ دے کر کھینچ کر سکتے تھے کہ کتاب و سنت کی تعلیمات کے خلاف قانون صادر نہ ہونا آئین کی خلاف ورزی ہے مگر کیا وہ یہ کہ جمہوری اسلام پسند حضرات ان "اسلامی دفعات" کے سب حوالے ان پر نہ ہو عام کے سامنے تو خواب دیتے ہیں مگر کسی کو یہ ہمت نہیں پڑتی کہ ان قوانین کو لے کر عدالتوں میں جائے اور اسلام قوانین کا عدم کرا لے؟ اب بھی اگر کسی کو یہ ذمہ پڑے تو اس آئین خلاف ورزی کو کھینچ کر سکتا ہے سنا ہے عدالتیں آج کل آئین کی بالادستی قائم کرنے پر تکی ہوئی ہیں!

چوتھی بات یہ ہے کہ اگر فرض کر لیا جائے کہ اس شق سے خلاف اسلام قانون کا راستہ بند ہو گیا ہے تو کیا خلاف اسلام دستور یا دستوری ترمیم کی بات کوئی ایسا بندوبست موجود ہے؟ چلئے قانون کی حد تک تو یہ مدافعت کر لیا گیا آئین تو ازراہ مذاق بھی خلاف اسلام ہونے کی صورت میں کوئی باندی نہیں

اب جب یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ نظام پاکستان یا پاکستانیہ کو دو قبائلی اکثریت سے کسی بھی ممالک ترسندہ کے بغیر آئین میں اضافہ یا ترمیم کا مطلق الحسان اختیار تفویض کرتا ہے (اور سب قوانین ایسے اختیار کے استعمال کی صورت میں ایک جنرل قلم تبدیل بھی ہو سکتے ہیں اور منسوخ بھی) تو اس حقیقت سے کون قانون دان انکار کر سکتا ہے کہ پاکستان کے چھوٹے خدا دو قبائلی اکثریت سے حاکم اعلیٰ ہی کو معزول کرنے کا پورا پورا اختیار رکھتے ہیں؟ اس بات کو کھلا، ممکن نہیں کہ آئین کے آرٹیکل 238 کی رو سے پارلیمنٹ کو آئین میں اضافہ یا ترمیم کا جو مطلق الحسان اختیار حاصل ہے۔ حاکم اعلیٰ کی معزولی بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ یوں اخلافاً وہ اس اختیار کو برتے تو اس کی مہر یا نواسے اس کا ستوری طور پر پورا حق حاصل ہے اسلامی قوانین پر خوش ہونے والے یہ قوتائیں کہ مہر و نواسے اسلام کب سے بنا ہے کہ دیوتاؤں کے چہرہ بدلنے پر آئین کو برائے نام معصوم سے بھی مہر یا دیوتا کی چھٹی کر دیا ہو؟

### شرعی عدالت کا ڈھونڈ

دستور میں وفاقی شرعی عدالت کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ خلاف اسلام قوانین کا جائزہ لے اور ان کو اسلام کے مطابق تبدیل کرنے کے لئے دستور کی طریق کار کا پناہ لے!

قانون سے واقف لوگ جانتے ہیں کہ قانونی زبان میں کوئی چیز ایک ہاتھ سے دیکر دوسرے ہاتھ سے لے لینا ایک آسان کام ہے۔ آئے دیکھتے دستور اپنی اس بڑھک کو کس انداز سے دابلس لیتا ہے۔

(1) آئین (C) 203 کی رو سے مندرجہ ذیل قوانین وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ اختیار سے دیئے ہوئے ہیں۔ لہذا یہ مقدس جھٹوں کی طرف شرعی عدالت آگیا تھا کہ ہمیں کچھ نہیں ہو سکتا:

(۱) آئین ۱۰۱ (جو کہ حقوق کے اختیارات کی سند دہندہ ہے)۔

(2) مسلم عائلی قوانین۔

(3) عدالت کی طریقہ کار۔

(4) عائلی قوانین (جس میں دولہا لڑکی اور پرہیزگار عموماً ہیں)

(5) گلشن قوانین اور

(6) بینکاری و برائشویں کے طریق کار۔

ہائے شرعی عدالت کے پاس کیا جاتا ہے جسے غیر اسلامی قرار دے کر اس نظام کی جگہ کوئی کا بھرم نہ کھ سکے؟ تو ایسے ہی ہے کہ کوئی کہے کہ میں کھڑے ہو جاؤں کہ فلاں شیعہ میرے ہاں انصار اور اس کے رسول کی شریعت سے مسخیں ہوں کہ اور ان تمام شیعہوں میں وہ غیر اللہ کی ہدایت پر چلنے کا عاز ہوگا!

(۲) اس کے بعد بھی اگر نظام شرک کے عداوت پر زور پڑنے کی کوئی گنجائش ہو گی تو اس کا سد باب کرنے کے لئے آئین کہا ہے کہ آرٹیکل (2) 203 D اور آرٹیکل F 203 کی رو سے شرعی عدالت کا ہر فیصلہ سہریم کورٹ میں چیلنج کیا جاسکتا ہے جہاں وہ تبدیل بھی ہو سکتا ہے اور منسوخ بھی اس بات کے۔ بے شمار ملکی مظاہر سہرے روز دیکھنے میں آتے ہیں۔ نواز شریف دور میں جو دے خلاف شرعی عدالت کا فیصلہ سہریم کورٹ میں چیلنج کرنے کا اقتدار بھی اکثر لوگوں کو یاد ہوگا۔

تو اسے اسلام پسندوں کے ہاتھ آیا تو کیا؟

اگر سواد کے خلاف شرعی عدالتوں کا فیصلہ وفاقی اللہ تعالیٰ کے حکم پر مبنی تھا اور کون جانتا کہ اللہ نے سواد کو حرام کر رکھا ہے تو اللہ تعالیٰ کے حکم کو چیلنج کرنا کیا واضح ترین شرک اور ارتداد نہیں؟ مگر کیا یہ کفر صرف نواز شریف کے نامہ سیاہ تک محدود ہے جس نے اللہ کا یہ حکم چیلنج کیا تھا یا سادہ اصل جڑو آئین سے جو ایک طرف اسے چیلنج کرنے کا اختیار دیتا ہے اور دوسری طرف سہریم کورٹ کے حکم منسوخ کرنے کا اس بات پر اگر نواز شریف دشمن اسلام پسند تھے تو اس نظام اور دستور کے لئے آپ کیا تجویز کرتے ہیں جو اللہ کے خلاف اس طرح کی ہر ہدایت میں سند کے طور پر کام آتا ہے؟

کیا آپ اللہ کے شریک منتخب کرنے کے لئے تیار ہیں؟

یہ تو محض مختصر مباحثات ان دفعات کی جو پاکستان کی جمہوریت کو اسلامی ثابت کرنے کے لئے سند کے طور پر پیش کی جاتی ہیں۔ انہی کے بل بوتے پر یہ فرمایا جاتا ہے کہ جمہوریت شرک تو ہے مگر وہ

مشرقی جمہوریت ہے جو کہ حاکمیت اور فرمانروائی کا حق جمہور یا ممالک کے جمہوری قوانین کو دیتی ہے جبکہ ہماری جمہوریت کلمہ پڑھ چکی ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کو "حاکم مطلق" تسلیم کر لیا گیا ہے۔ دلیل کے طور پر ان دفعات کا حوالہ دیا جاتا ہے جن پر ہم نے کوشش صفات میں بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ حاکمیت اور حق تشريع (قانون سازی) کا ازہم و ملزم ہیں۔ حاکم آپ اللہ کو مائیں مگر قانون غیر اللہ کا ہو شرک یہی ہے۔ جب تک یہ فرق باقی ہے شرک باقی رہے گا تا آنکہ مذہب کے حلال و حرام خود بخود قانون کے حلال و حرام کا تصور نہ ہونے لگیں۔ مذہب کے حلال و حرام جب تک قانون کے حلال و حرام کا وسیع پائے کے لئے کسی انسان کی مرضی اور مذاکرات میں رہتا رہے جب تک مذہب نہ لایا "مذہب" دین اسلام کہلا سکتا گا اور دینی دنیا و آخرت میں ایسا "کلمہ" کوئی کام دے گا۔

اس بات میں یہ بات بتانا مقصود ہے کہ وہ انسان جس کی مرضی پر اللہ کی شریعت کو قانون کا درجہ دینا یا نہ دینا دستوراً تو مفہوم ہے جو اللہ کا ہم سر کہلاتا ہے (امام ابن قیم فرماتے ہیں: "ہر دو درجہ جو انسان سے حد بندی یا کرادے طاغوت ہوتی ہے چاہے جمہور ہو یا پادشاہ واجب اطاعت اس بنا پر ہر قوم کا طاغوت وہ ہوگا جس سے وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو چھوڑ کر پیچھے کھڑے ہوں یا اس کی پرستش کرتے ہوں یا آسمانی بصیرت کے بغیر اس کے پیچھے چلتے ہوں یا ان امور میں اس کی اطاعت کرتے ہوں جنہیں وہ جانتے ہوں کہ یہ اللہ کی اطاعت نہیں (یعنی انبیاء امام محمد بن عبدالمطلب کے بقول "طاغوت کا لفظ عام ہے چنانچہ ہر دروغ، جو اللہ کے علاوہ چلا جاتا ہے اور دینی اس عبادت پر مبنی ہے چاہے وہ معبود ہوں کے ہو یا شیطان کے یا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے بے نیاز واجب اطاعت بن کے ہو) طاغوت ہوتا ہے" (المنہاج الفرید 265) پچھلے صفات کی بحث سے قیہ واضح ہو جاتا چاہئے کہ پاکستان کے سیاسی شعبے میں اللہ کی ہمسرہ اہلی ہیں جو قانون سازی کا حق رکھتی ہیں۔ اب ہم آپ کو ان چیزوں کے عدالتی اختیارات کی کچھ تفصیل بتاتے ہیں۔

دلیل میں آپ جو چاہیں پڑھیں گے وہ صرف اور صرف ان اختیارات سے متعلق ہیں جو آئین کی رو سے فی الواقع کاربہر ہیں۔ رہا اختیارات کا ناجائز استعمال اور گنہگار کے حدود سے تجاوزات

کا۔ حاملہ خود ہر نظام میں ناپسندیدہ ہونے کے باوجود ممکن ہے۔ نظام اسلامی ہو تو بھی نفس و فوج کا ارادہ ان شتم نہیں ہو جاتا اور اگر شرک نہ ہو تو تب بھی انسانوں کی غیر آئینی دست بردار قانونیت سے محفوظ نہیں ہوتا۔

چونکہ اختیارات کے ناجائز استعمال کی وجہ سے نہ اسلامی نظام غیر اسلامی ہو جاتا ہے (خارج کے مذہب کے برعکس) اور نہ غیر اسلامی نظام حکم علی کہ کھار دیتا ہے اس لئے اختیارات کی باعینی اذنی سرے سے ہمارا "موضوع نہیں" ہم صرف ان عدالتی اختیارات کی نشان دہی کریں گے جو قانونی ہے تا حدی کے سرے میں ہم بطور نہیں آتے بلکہ آئینی اور دستوری طور پر ان کو باقاعدہ تسلیم کیا جاتا ہے اور جب یہ دستور تسلیم کیا جاتا ہے تو اس شرک کو عملی کو بائیں کا نام دینا سوائے جہالت یا فریب کاری کے اور کچھ نہیں۔

اب جہاں قانون سازی (Legislation) ان کے حلقہ اختیارات (Absolute powers) کا تعلق ہے تو پاکستان کا جمہوری دستور ان سے بھرا ہوا ہے۔ اس کے لئے کوئی ایک وفد نہیں بلکہ دستوری اجواب تک نہیں ہیں خصوصاً:

Legislative procedure- قانون سازی کا پروتھ (آئین 70-77)

Finacial procedure- مالیاتی پروتھ

President's and Governors Ordinance- صدر اور گورنر

کے آرڈیننس (آئین 141-144)

Amendmend of Constitution- دستور کی ترمیم سازی (آئین 123-129)

238-239

Powers of President- صدر کے اختیارات (آئین 267)

Concurrent list legislative list- متفقہ دائرہ اختیارات میں آنے

والے امور (Forth Schedules)

یہ وضاحت کرنا بھی ضروری ہے کہ ان قانونوں کو جن امور میں قانون کا حق حاصل ہے آئین کے کلب Fourth Schedule میں 'legislative list' خاص Concurent list کی رو سے ان میں صرف By Laws ہیں (جن کا نام لے کر مسلمانوں کو گواہ کیا جاتا ہے کہ کیا ٹریفک کے قوانین بھی قرآن وحدیث سے لئے جائیں گے) بلکہ مذکورہ موت کے تمام حالات پر مشتمل تعزیری، مالیاتی، سیاسی، اقتصادی، سماجی، تعلیمی اور انسانی قوانین سمیت سب ہی نظام آتے ہیں اور یہ قانون سازی بلکہ دستور سازی اللہ کے نازل کردہ احکامات کی کسی بالاتر سند کی بدولت درست نہیں کہ آپ (علیہ السلام) قانون ساز مسابیاں سے استنباط کر سکیں کہ یہ حکم آپ نے کس آیت یا حدیث سے لیا ہے؟ اگر قانون وہاں پورے دستور میں کسی ایسی بالاتر سند کی نشان دہی کر سکتے تو ہمارے علم میں اضافہ ہوگا۔

ملکی دستور میں عوامی نمائندوں کے یہ اختیارات دیکھ کر آپ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ پاکستان کی پارلیمنٹ کو عین وہی اختیار حاصل ہیں جو دنیا کی کسی بھی جمہوریت میں پارلیمنٹ کے لئے مختص ہو کر رہی ہیں۔ دستور کے ان تمام مذکورہ اہم اور دفعات کی تفصیل تو یہاں ممکن نہیں البتہ اس کے صرف ایک باب (legislative procedure) قانون سازی کا پرہیز ہے (آئین 70 تا 77) عملی اطلاقی یا مختصر وضاحت کی جاتی ہے۔

فرض کیجئے کہ اسلام پسند ممبر پارلیمنٹ نے پارلیمنٹ میں کوئی بل پیش کیا مثال کے طور پر وہ بل کے ذریعے سو کو قانوناً ناجائز دلوں کا چاہتا ہے۔ آئیے دیکھتے ہیں آئین کے legislative procedure کی رو سے اس بل کو کفر کے تحت سزا ملے گی۔ قانون دانوں کو اس سے ہرگز انکار نہ ہوگا۔

(۱) پہلا ٹکڑی یہ ہے کہ جو قانون چودہ سو سال پہلے نازل ہوا تھا اور اللہ کی طرف سے محمد ﷺ پر نازل ہوا ہے اس کے قانون کی دلیل تھا، اور اس کے نازل ہونے سے اگلے لئے اسے بطور قانون ماننے میں تھوڑی سی دیر ہوئی تھی ایسا واضح ترین کفر کی اس میں شک کرنے والا بھی کافر ہوتا اور عمر رضی اللہ عنہ کی گواہی کسی آنکھ پر دستبردار انتظار کے بغیر بھی کئی کی تیزی سے چل جاتی اس قانون کو

پاکستان کا نظام سرسے سے قانون کی تسلیم نہیں کرتا۔ ظاہر ہے کہ آئین قانون بننا ہو تو کس کی چیز کا جوش کیا جائے؟ اب ذرا ان 'اسلام پسندوں' کے بارے میں عمر رضی اللہ عنہ کی گواہی رائے معلوم کریں جو اللہ کے حکم کو ایک ایسے بل کی حیثیت سے چن کر لے جاتے ہیں جو آئین و قانون بننے کا جب پارلیمنٹ منظور کرے گی۔

(2) چلے قرآن کی آیت کی یہ حیثیت تو نہیں کہ اسے قانون تصور کیا جائے اور یوں اس کا بل کی صورت میں عوامی ان سرکاروں میں پیش ہونا غیر کیا ہے تو کم از کم حق مہربانی ہو کہ اسے وہاں کے منتخب رکن کی تحریک کے بغیر ہی وہ پارلیمنٹ حاضری کی اجازت صرف فرمائی جائے۔ سو اگر منتخب رکن کے علاوہ دیگر کوئی آدمی اللہ کے حکم کو ایک بل کی ہی ذلت سے ہی پیش کرنا چاہے تو آئین کی نظر میں یہ کفر صرف منتخب ممبر کی کر سکتا ہے۔ ان کے ہاں اللہ کے حکم کی یہ حیثیت کہاں کہ وہ ممبر کی سفارش کے بغیر عوامی ان میں گھسا چلا آئے؟ آخر ایمان کے تقاضے کے بھی کچھ آداب ہوتے ہیں اب جب تک ممبر بازادرس کا ایک مطالبہ بھی بل کی صورت میں پیش کر سکتا ہے اور اللہ کے حکم کا بل بھی تو بتا ہے شریعت کی کیا اولگ خصوصیت رہتی؟

(3) سورت حرمت کو قانون کی سند دلانے کے لئے جو یہ بل پیش ہوا اگر پاس کے ضابطہ کار (Procedure) کے مطابق ہے اور خلاف آئین نہیں تھی تو ایمان میں مجھ کے لئے مستحضر ہو جائے گا۔ اور اگر یہ بل دستور یا ایمان کے ضابطہ کار کے مطابق نہ ہو تو یہ بل کے رد سے کوئی بھی منہ بچ سکے گا۔ نتیجہ اس پر بحث تک نہ ہوگی کیونکہ اس صورت میں ایمان اس پر بات تک کرنا پسند نہیں کرتا (مقابلہ ہے نظیر دور میں ایک "غیر متقدم اسلام پسند" نے جب موت کی سکرانی کے خلاف تحریک پیش کی تھی تو اسے یہ جواب ملا تھا کہ کڑ بان بندر کوئی غیر کیا سبک نہیں کے خلاف ہے) تاہم کفر نام ہے جس کو کیا ہوتا ہے؟

اس سلسلے میں "زیادتی الکفر" کی دو باتیں خاص طور پر ملاحظہ ہوں۔

کیا فرماتے ہیں علامہ دین دستور دار ایمان کے ضابطہ کار نامی اس جے کے بارے میں کہ قرآن اور حدیث کو جس کے مطابق ہونا ضروری ہو؟ اور اگر اللہ یا اس کے رسول ﷺ نے ان کے مطابق نہ

ہونے کی جرأت کر لی تو ان کی بات سننے تک کے قابل نہیں اور خلاف ضابطہ قرار دے دی جائے گی۔" انہیں  
سے تمہارے آئین پر تمہارا اعلان اس کے تھکس پر اور اس کے ضابطہ کار پر اگلا قدم والا عقیدہ ان میں  
دونوں اندر

ب۔ اگر قرآن احد بحث کی قسمت اچھی نکل آئی اور اسے دستور دار ایوان کے ضابطہ کار  
procedure کے مطابق ثابت کر دیا گیا (ایسا ثابت کرنا اگانا ایمان بھی ملاحظہ فرمائیں) اور یہ  
استیکر یا پیئر میں نے یہ رد کنندہ دینے کی مہربانی بھی کر دی تو اس پر اسے کیا ہوگا؟ شریعت بحث کے لئے  
"نکود ہو جائے گی" جبکہ ابھی شریعت کے امتحان اور بھی ہیں! امتحان کا یہ کر کے شریعت یہ دیکھنے والے  
کے قابل ہو جائے گی کہ آیا یہ قانون بننے کی اہلیت رکھتی ہے یا نہیں؟ تاہم اس ایوان کے کٹر میں شک  
کرنے والے کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں اور اگر اس ایوان میں بیٹھنے والے "اسلام پسند" یہ  
ذلت کی نظر میں اسلام کے نام پر وصول کرتے ہیں اور عرش سے اترے ہوئے ہیں کی اس ٹھکانا ایوان  
میں اپنے ساتھ ذلت کی ہیکل تنکوائے ہیں تو ان کے لئے آپ کے ایمان کی غیرت کیا مزاج توجہ کرنی  
ہے؟ یہ آپ کا بھی امتحان ہے!

(4) اب اس ایوان میں بحث شروع ہو جائے گی۔ اس بات پر کہ مین و آسان کے مالک  
کی بات کو قانون کا عیدہ پایا جائے یا نہ!

ایوان کے تھکس کے سلسلے میں یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ آئین کے  
Legislative Procedure میں نہیں بھی کوئی اشارہ تک نہیں کر کوئی "اسلامی" نسل بیٹھتی ہو تو  
صرف کل کو بھر لیں اس پر رائے زنی کرنے کے نماز ہوں گے۔ اس لئے جب یہ بحث شروع ہو جائیگی  
تو یہ تو "مسلمان" ممبران کی بھی بھانت بھانت کی کٹری ہو لیاں سننے کو لیٹا رہا، اللہ کے نام پر دوا اس  
کا کہ ممبران کی شریعت کے چند گنے ڈالنے کے سلسلے پر جسے سالک بھی اظہار خیال فرمائے گا۔ بہرام ڈی  
آوری بھی "دلالت" ڈے گا اور ہندو، قادیانی دیگر اقلیت کا فریضی اناف زنی کر سکیں گے۔ یہ بحث ارکان  
کی ٹوک جھونک، پھینچوں، پٹکوں اور بیت بازی کے ساتھ بھیہر پٹلی رہے یا اس سے زیادہ طول

بلا جائے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ بہر حال تو کم ہر روز ایوان کی کاروائی کی جھلکیاں اخبار میں پڑھنے کو ملتی  
رہیں گی۔ کہتے چاہئے کیا یہ حرف فی آیات اللہ میں ہے؟ (لاحظہ ہو سورۃ العنکاب 42 سورۃ الفرقان 1)

3 سورۃ الانعام 68)

(5) "مغزدار کان" اللہ کے حکم کے بارے میں اپنی اپنی "تاقص رائے" کے اظہار سے فارغ  
نہ ہو سکیں تو ایوان میں رائے جاری Voting کا صلہ مردی ہوگا۔ شریعت کے لئے یہ وقت سب سے  
کٹھن ہے۔ اس کے اندر وہ جانے کے لئے ضروری ہے کہ ارکان کی نصف سے اپر تعداد اسے قانون  
کے ضابطوں (Acts) میں کیس داخلہ دلا دیتی ہیں، لیکن اگر کیسوں کی نظر میں شریعت Qualify نہ کر سکی  
تو اسے سر نیچا کر کے ایوان صدر سے نکالا ہوگا اور سجدہ ہی میں قیام کرنا ہوگا۔

﴿لَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ، الَّذِينَ يَصْنَعُونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَحْضَرُونَ عَمَّا وَجَّهُوا  
ہم بالآخرہ ہم کافروں ، اولئک لم یکنوا معجزین فی الاورھن﴾ [ہود: 18]۔

ترجمہ: منو خدا کی لعنت ہے ظالموں پر۔۔۔ ان ظالموں پر جو خدا کے راستے سے لوگوں کو  
روکنے ہیں اس کے راستے کو خیر حاکم کرنا چاہتے ہیں، اور آخرت سے انکار کرتے ہیں۔ وہ زمین میں اللہ کو  
بے بس کرنے والے نہ تھے۔

"عن جابر رضى الله عنه ، قال لعن رسول الله ﷺ اكل الربوا وموكله  
وكتابه وشاهد به وقال هم سواء" (صحیح مسلم)۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی سو کھا کے والے  
پر نکالنے والے پر، سودی کھا کے لکھنے والے پر اور سودی معاملہ کے دونوں گواہوں پر اور فرمایا یہ سب ایک  
برابر ہیں۔

اس میں جو کفر ہے وہ تو جان کر نہ کرنے کی ضرورت نہیں تاہم کفر اور کفر یہ ہے کہ ارکان کی رائے  
جاری جبکہ بحث کے بعد ہوگی تو اگر فیض کر بھی لیا جائے کہ وہ اللہ کے حکم سے ہال تھے۔۔۔ اگرچہ  
سودی کی حرمت ضرورت دین میں ہے تو اس میں ملاطفت دینے کی عذر نہیں۔۔۔ تو بھی اب بحث







رسول اللہ ﷺ کی لائی، پہلی شریعت کے کسی بھی حکم کی اطاعت و فرما برداری نہ کرنے کا معاذ ہے۔ یہ ایک اختیار کی بات ہے تاکہ ایسے متکثر و متضاد احکامات پر مبنی آئین کے احترام سے اسلام کیسے بانی رہ جائے گا؟۔

(ب) Legislative Procedure: اس کی رو سے پانچ صفت مذکورہ طریق کار سے مطابقت رکھتی ہے۔ کوئی قانون دان اس بات کا انکار نہیں کر سکتا کہ ان قابل تبدیل و ترمیم قوانین میں "اسلامی" خواہش بھی آتی ہے اس لئے پارلیمنٹ نے جو یہ بھی "اسلامی" قانون منظور کیا ہے یہ قابل تنقید ہے، چاہے ایسا عمل میں آئے یا نہ آئے پارلیمنٹ کا یہ حق بہر حال محفوظ رہتا ہے جب پارلیمنٹ نے جو قانون پاس کیا ہے وہ اگر شریعت ہے تو تائید کی آخری زبان کی تائید شریعت کو منسوخ کرنے کا آئین حق رکھنے والا کوئی، تاہم؟ اور اس کے لئے یہ تسلیم کر لینے کے بعد شریعت میں کیا حکم ہے؟

### دین اور نظام مملکت کی تقسیم..... سیکولرزم

سیکولرزم اس پوری دنیا میں رائج غیبت ترین کفر ہے۔ ہمارے ہاں اسے عموماً کیونہ نام مسمیٰ و دہم وزن خیال کر کے یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ کوئی خدا کا منکر نظر ہے ہو گا جبکہ یہ دنیا کا ایک ایسا انوکھا کفر ہے جو مذہب کا انکار کرنے کے بجائے نہ صرف اسے انسان کی ضرورت تسلیم کرتا ہے بلکہ اس کے احترام کا بھی پھر پروردگار کا ہے۔ دین کے اس احترام کی خاطر..... کہ یہ لوگوں کے لئے جو مذہب دین جائے، تصادم کا سبب بھی نہ بنے اور دنیا داری میں پورے آدھے آدمی نہ ہو..... صرف اتنی حسارت کرتا ہے کہ دین کا مناسب مقام متعین ہو جائے جو دینے تو مسجد گرجا مندر ہے تاہم سوسائٹی میں بھی اسے ایک پراسٹیٹ مسئلہ کے طور پر قبول کر لیا جاتا ہے۔ یوں سیکولرزم دین کو بڑے احترام سے انفرادی زندگی کی نگاہ ڈال دیتا ہے۔ چنانچہ سیکولرزم کسی بھی ملک میں رائج محرم کے تہودوں، رسم و رواج اور شادی بیاہ ایسے طور طریقوں کا آئینی طور پر پھر پر احترام کیا جاتا ہے یہاں تک کہ اگر شرعی مذہب کو بغض اوقات اگر یہ حق بھی دے دیا جائے کہ صدر یا نایز یا عظیم اکثریتی مذہب سے ہو گا اوقات عبادت خانوں کی تعمیر و ترمیم اور

اس کی روحانی کتابوں کی طباعت کی بھی حوصلہ افزائی کی جائے، ماخیاں روئیں، جی مسخیاں روئیں، دی پر روحانی پروگرام "تعلیمیت" وغیرہ کا بڑی عقیدت سے اہتمام نہتا، دیگر نظام مملکت اور کاردار پالیسیاں میں دین کا داخل نہ ہو تو کچھ کیجئے وہاں سیکولرزم کا راج ہے۔ نیچے اس نظام میں اندک کو اپنی ہی نظام زندگی سے باہر باہر لا کر موجود مانا جاتا ہے، باریاست اور اسٹیبلشمنٹ کے میدان میں تو "لحم شریک" و "لحم شریک" من الدین یا من یازن بالذہن۔

اچھے بھلوں کے لئے یہ بھی سمجھ کر رہے کہ پاکستان میں دین کو سیاست سے کیسے بے دخل کیا جاسکتا ہے۔ نہ جانے اکی سادہ امت بخشی شکل کیوں ہو گئی کہ جب آئین و نظام سازی عملاً حق پارلیمنٹ کا تسلیم کر لیا جائے تو پھر سجدہ اور تقریبات کو جانے کے سوا معاشرے میں دین کا کوئی معرک ہی نہیں رہتا۔ یہ نظام و قانون کا معاملہ تو جب اصولوں سے ملے ہو جائے کہ جن کو وہ کہلائے گا تو پارلیمنٹ پاس کرے، تو پھر قانون کا رتبہ پانے کے لئے شریعت کا رد و انقذارب العلمین کی طرف سے نازل ہوتا کافی ہوا، نہ جبریل کا لے کر آنا اور نہ محمد ﷺ کا ایلان نہ دینا نہ قرآن میں بیان ہونا اور نہ بخاری و مسلم میں روایت ہونا۔ یہ سب کچھ سرائی گھوٹوں پر ہونے کے باوجود پارلیمنٹ کی منظوری کے بغیر قانون کے ورے کو نہیں پہنچتا۔ پھر جب یہ حق پارلیمنٹ کا تسلیم کر لیا جائے تو وہ قرآن کی ایک آیت کو بھی قانون کا دینا ہی درجہ عطا کر سکتی ہے جیسا قلم انڈسٹری کی ایک خاص خدمت کے مطابق ہے۔

یوں پارلیمنٹ کا حکم نافذ ہونے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی اس کی اور قرآن کی قانونی پوزیشن اس نظام میں ایک سی ہوتی ہے۔ قانون دان "کلک" کے کام سے لیں تو اس سے انکار نہیں کر سکتے۔ ای کو کو امر کرنے کے لئے آئین کے بنیادی حقوق کا باج سیکولرزم کے اس مشہور و معروف عقیدے کا ہو ہو گا اس سے کہ کسی انسان پر اگر کوئی پابندی ہو سکتی ہے تو وہ قانون کے دائرہ میں رہتے ہوئے ہے، اس کے باہر انسان کو ہر معاملہ میں آزادی کی ضمانت اس کا بنیادی حق ہے۔ اس بنا پر حقوق و فرامین (آپ بے گلف ہونا چاہیں تو کہہ سکتے ہیں حلال حرام) قانون کی نظر میں دھوئے ہوئے گتے جو آئین اور قانون کو مقرر کرے، پھر آئین اور انجیل 4 سیکولرزم کے اس بنیادی فلسفے کا لفظ بے انقطاع ترجمہ ہے کہ جرم اور

ہر ایک تین سرفہ اس ملک میں قانون کر کے گا، میں اللہ اور رسول جو بھی کہتے ہیں جرم صرف وہ ہوگا جسے جرم کا قانون کر لیا ہو اور جسے صرف وہی اہل حق ہی روادار ہوگی جو یہ قانون مقرر کر چکا ہے۔

مزید وضاحت کے لئے چند مثالیں:

(1) مسئلہ اس پر چلی ہے اندر آپ نے ہندو مت اور اسلام دونوں کی تعلیم دینے والی پاکستانی اور انڈین لاء کے افسر تشریح کی تھی کہ وہ اس کے ان میں غیر جانبداری نہیں جانتے دیکھتے، صرف ایسی ظالمیں نکال لیجئے جو دنیا پر ضرور جرم کرتے ہوں، جسے ہر ایک کا ہر ہندو یا ہندوئیوں سے "مادہ احمق" میں آکر اگر آپ ہلاکت اور ہلاکت کو موت دینے والے اگلے آئے جرم کو پاکستان کی کسی عدالت میں پیش کرنا چاہئے تو آپ کو کیا جواب ملے گا؟ یہی شک، میں میں یہ جرم ضرور ہو گا کہ قانون کی نظر میں جرم نہیں اچھڑیں اور نظام و قانون جدا جدا ہوئے، غالباً اسے اور کافر کی کیا ہے؟ جدا ہونا، بین سیاست سے دور، جاہلی ہے چنگیزی۔

(2) پاکستان میں کسی ایک اگر کوئی با اثر مذہبی آدمی غلطی سے لٹری ہوئی ان لچر فکس کو بڑھ کر ان کی کوشش کرے تو آپ کو کیا معلوم ہے کہ آئین آرٹیکل 4 کی نظر میں اس نے پاپ کیا ہے؟ اس کا پاپ یہ ہے کہ جس سے آئین اور قانون نے منع نہیں کیا وہ ایسٹرن لاکھان کو اس "جائز" کا نام سے منع کر کے Wrongful Confinement کا مرتکب ہو کہ اس نے قانون کا "قدس" پامال کیا ہے؟ مسٹر قارئین کی رہے ایک "جائز اور قانونی حق" کے استعمال میں مداخلت ہے تو قانون کے آرٹیکل 4 کی کہ: "جب" "معتزل" "شہریوں کو ہراساں کرنے اور اور اختیار کے جائز استعمال کے جرم میں قانون اسے جرموں کے کٹہرے میں کھڑا کرے گا کہ کوئی نہیں جانتا کہ اس کی معاملات میں قرآن کی آیات نہیں، قانون کی دلالت مستتر ہیں؟ ذرا سوچ کے بتائیے کہ پاکستان میں قرآن کا مسجد کے علاوہ کیا مناسب مقام رہ جاتا ہے؟

(3) پاکستان کے نظام میں شراب حرام ہے مگر سو دعاء! اس کی جہ؟ ہر دین کے حلال و حرام اپنے ہوتے ہیں۔ یہی بل قرآن مجید سے قانون اور نظام کو دین قرار دیا ہے۔ بادشاہ مصر کے

قانون کو اللہ نے دین الملک (بادشاہ مصر کا دین) کہا ہے، "ماکان یا خدا فی دین الملک"۔ یہ صرف مایہ الاسلام بادشاہ کے دین (قانون) کے دین سے پہلے کہ اپنے پاس نہ رکھتا تھا ہے۔ یہ پاکستان کے دین الملک کے حرام اور حرام، کبھی اسلام کے حلال حرام سے متعلق یا مختلف ہے، وہ اپنے دین میں کون دیکھا۔ دراصل کسی بھی نظام یا دین کی حیثیت اور درجات کی بلندی دینی حیثیت نہیں دیتی، اس بلندی یا کم اسے اپنے دین کی "وقت یا حالت تلاش" سے ہے۔ جسے اس میں تہجد، جات، نماز، چار و شام کرنا ہے، ہر مذہب میں۔ لہذا کہ ہر نظام یا مذہب کو چھوٹی یا بڑی سی اس سے کام لے، یہ متفقہ دینی بات ہے۔ اصل میں نظام اور دین کے اندر دیکھو یہ بات ہے کہ یہ حق سق ہے، قانون یا حیثیت اس کی ہے کہ رواج دے، "جائز اور قسم" شمار کر کے، تو اس قانون مانا جائے، اگر پاکستان میں ایسا اختیار صرف اللہ کا ہے اور اس میں ذرا براہی، دینی اس کی شریعت نہیں تو یہاں اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں لیکن اگر یہ حق صرف اس کا نہیں تو اس میں جو اللہ کے ساتھ ہے، اس سے وہ اس نظام کا معبود ہے اور اس آسمان سے بہتر میں مخلوق ان معبودوں کی آسمان سے کہ اس سے آپ داؤھی والوں ہاتھ کر کے یا مخلوق سے اپنی شواہد والوں کا اس سے کوئی بھی فرق نہیں ہے۔

ہر آدمی قبل اسے عورت آئے اور فرشتہ سوال کر لیں کہ بتا دین کیا تھا انہی طرح مجھ سے کہ وہ جس کے سامنے زندگی بسر کر رہا ہے، اللہ کا دین ہے یا دین الملک۔

﴿الذین یؤمنون انہم آمنوا بنزل البک وما نزل من قبلک  
بربدون ان یحاکموا الی الطغاطوا وقد امروا ان ینکروا وہ ویرید الشیطن ان  
یضلہم ضلالاً مبہداً﴾ [النساء: 60]

"اے نبی! تم نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جو دعویٰ کرتے ہیں ہم ایمان لائے ہیں اس کتاب پر جو نبیاری طرف نازل کی گئی ہے اور ان کتابوں پر جو ان سے پہلے نازل کی گئی تھیں مگر چاہتے ہیں کہ اپنے معاملات کا فیصلہ کرانے کے لئے طغوت کی طرف رجوع کریں حالانکہ انہیں طغوت سے کفر کر کے کاسم دیا گیا تھا۔ شیطان انہیں ہر گز برا راست سے بہت دور لے جاتا چاہتا ہے۔"

جائیس شریک کی رنگیت تمام حرم ہے مگر یہ حرام کی دو قسم ہے جو شرک کہلاتی ہے۔ حتیٰ کہ شرک کا بھی یہ عام ہر چیزیں بلکہ شرک کی دو قسم ہے جو اللہ کی ہمسری کہلاتا ہے۔ انسانوں کے لئے شرک اور قانون سازی کا امتیاز صرف اللہ وحدہ لا شریک کا حق ہے۔ جو شخص اس میں لاشریک کرے شرک ہے۔ شریعت کی زبان میں دو عام شرک نہیں بلکہ دو طاغوت کہلاتا ہے۔ قبل ۱۱۱۱ھ اور ۱۲۱۱ھ:

"طاغوت الخت کے اعتبار سے ہر اس شخص کو کہا جائیگا جو اپنے جواز حق سے تجاوز کر گیا ہو قرآن کی اصطلاح میں طاغوت سے مراد وہ بندہ ہے جو بندگی کی حد سے تجاوز کر کے خود آگائی وق خداوندی کا وہ بھروسہ اور خدا کے بندوں سے اپنی بھائی کرانے لے گا۔ خدا کے مقابلے میں ایک بندے کی سرکشی کے قیاس سے ہیں یہاں مرتبہ ہے کہ بندہ اصولوں اس کی فرمائیدار داری میں کوئی مانے، مگر ہملا اس کے احکام کے خلاف زندگی کے اس کام فتنے ہے۔ دوسرا مرتبہ ہے کہ وہ اس کی فرمائیدار داری سے اصولوں مخیر ہو کر یا تو خود کوئی دین جائے یا اس کے سوا کسی اور کی بندگی کرنے لگے۔ یہ کفر ہے۔ تیسرا مرتبہ ہے کہ وہ دماغ سے اپنی ہو کر اس ملک اور اس کی ریاست میں خود اپنا حکم چالانے لگے اس آخری مرتبہ پر جو بندہ پہنچ جائے اس کا نام طاغوت ہے اور کوئی شخص مومن اللہ کا منوس نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ وہ اس طاغوت کا شکنجہ ہو"

یہ واضح ہو جا رہی تھی ضروری ہے کہ پارلیمنٹ جو اس ملک کا سب سے بڑا طاقتور ہے وہ اسلام آباد کی کسی جگہ تک قائم نہیں بلکہ انسانوں کے ایک مجموعہ سے عبارت ہے۔ یہ سب انسان اس جہتی کے طاقتور ہیں۔ دھرتی پر سب سے ہماری بڑھتی ہیں۔ دین (طاقت و دینی اور فرائض و داری کا لہجہ کے لئے ناغہ نہیں ہو سکتا جب تک اس سے صاف صاف کلر نہ کر دیا جائے، چاہے شریکین کو یہ بات بھی سمجھ جاوے گا۔ اگر گڑب گڑب اور ملت ایمان پر چلنے والوں کے اس دھوکے کا اعانہ سے دنیا کے بکدوں میں برقی رول ہو۔

﴿وَمَنْ يَرْغَبْ عَنْ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مِنْ سَفَهٍ مُضِلٍّ﴾ [البقرة: 130].

"کون ہے" جو ابراہیم کی راہ سے علیحدگی اختیار کرے؟ جس نے خود اپنے آپ کو حماقت

میں جتنا کر لیا ہوں (اس کے سوا کون یہ حرکت کیسے کرتا ہے؟)

طاغوت سے کفر، ایمان کی شرط! لین

«فمن بكفر بالطاغوت ويؤمن بالله فقد استمسك بالعروة الوثقى لا

انقسام لينا في البقرة: 256.

"اب جو کوئی بھی طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لاتا یا اس نے ایک ایسا مضبوط سہارا

تہہ مل جائے گی نہ ملے گا" نہیں۔"

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ﴿١٠٠﴾

النحل: 36 .

”ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا ہے کہ ایک اللہ کی عبادت اور تعمیل حکم بجالاؤ اور

طائفہ نجات ہے۔ ۱۱۹: ۱۰۱

وَالَّذِينَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوتَ أَنْ يَعْبُدُوهَا وَأَنَابُوا إِلَى اللَّهِ لَهُمُ الْبُخْرَىٰ فَتَمَرُّوْنَ

عباد [الزمر: 17].

"جو لوگ طاعت کی پرستش سے دور رہے اور اللہ کے لئے ہی جہنم نیاز پیش کرتے رہے  
 نبی کے لئے (جنت کی) خوشخبری ہے۔ تو اے نبی (ﷺ) امیرے (ان) بندوں کو خوشخبری سنا دو"۔

﴿أَلَمْ نَرِ إِلَى الَّذِينَ بَزَعُوا أَمْوَالَهُمَا أَنْزَلَ إِلَهُكُمَا وَمَا أَنْزَلَ مِنْ قَلْبِكَ  
بِرَبِّدُونَ أَنْ يُبْحَاكُمْ إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ  
يَضِلَّكُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا﴾ (النساء : 60) .

”اے نبی (ﷺ) ! تم نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ کی ایمان لیا اس کتاب پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور ان کتابوں پر جو ان سے پہلے نازل کی گئی ہیں مگر چاہے یہ ہیں کہ اپنے معاملات کو فیصلہ کرانے کے لئے ملاوٹ کی طرف رجوع کریں حالانکہ انہیں ملاوٹ سے کد کرنے کا حکم آتا تھا۔ لیکن انہیں ہلکا کر دیا راستہ سے بہت دور لے جانا چاہئے۔“



«الم نزل الى الذين آمنوا نصيباً من الكتاب يؤمنون بالحب والطلاعت  
ويقولون للذين كفروا اهل آفة اهدى من الذين آمنوا سبيلاً» (البقرة: 177)  
وهم يلعن الله على نجد له نصراً لهم لهم نصيب من الملك فاذا لا يؤمنون بالناس  
نصير الله النساء: 51-52-53

یہاں سے ان انوں کو دیکھا نہیں کتاب کے نظم میں ہے کہ جو حصہ دیا گیا ہے اور ان کا  
حال یہ ہے کہ جہت "طاغوت" سے مانے ہیں اور کافروں کے تعلق کچھ ہیں کہ ایمان لانے والوں  
سے جو نیکی نہ دیکھتا راستہ پر ہیں۔ ایسے ہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جس پر اللہ لعنت  
نہ دے بجز تم ان کا کوئی دغا نہیں پاؤ گے۔ کیا شکست میں ان کا کوئی حصہ ہے اگر ایسا ہو تو یہ  
دوسروں کو ایسا چوٹی کوڑی بھی نہ دیتے۔

«الذين لم يولوا الذين آمنوا ولا الذين كفروا  
اولئك هم الطاغوت» (البقرة: 257)  
فيلما حال دون «العرصة»

جوانسہ! بات لاتے ہیں ان کا حامی دغا دہا ہے اور وہ ان کو دغا دہا کیوں سے روٹنی کی طرف  
اٹال لاتا ہے اور بڑا بڑا تم کو فراموش کرتا ہے ان کے حامی دغا دہا، طاغوت ہیں اور وہ انہیں روٹنی  
سے تارکیوں کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں یہ تم سے جانے والے انہی ہیں جہاں یہ پیچھے ہیں کے۔

### طاغوت کی تعریف

امام جہرہ رحمہ اللہ: «طاغوت» مکر ای کا ہر ہر طاغوت ہے۔

امام طبری رحمہ اللہ: «طاغوت» ہر گئی سے سرکش یا تادہ ہر شخص طاغوت ہے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «ہر وہ چیز جو انسان سے حد بندی پار کر دے، طاغوت  
ہوتی ہے۔ چاہے معبود یا چیز یا وہاں جب طاغوت اس بنا پر ہر گئی کا طاغوت وہ ہوگا جس سے وہ اللہ  
اور اس کے رسول ﷺ کو چھوڑ کر نیلے کرتا ہے ہوں یا ان کی پرستش کرتے ہوں یا آسمانی بعیرت کے پیچھے

اس کے پیچھے چلتے ہیں یا ان امور میں اس کی اطاعت کرتے ہیں جنہیں وہ جانتے ہوں کہ اللہ کی  
اطاعت نہیں ہے۔ (فتح المبین: 18)

امام محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کے بقول: «یاد رکھیے لفظ طاغوت میں معصیت پائی جاتی ہے  
چنانچہ ہر وہ شخص جو اللہ کے علاوہ پوجا جاتا ہے اور وہ اپنی اس عبادت پر راضی ہے چاہے وہ معبود ہوں کے  
ہو، شیطان کے ہو یا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے بے نیاز ہو، جب طاغوت ہوں کے ہو  
"طاغوت" کہلاتے ہیں۔ یوں تو طاغوت بہت سارے ہیں مگر ان کے سرے پانچ ہیں۔

پہلا: شیطان ہے جو غیر اللہ کی عبادت کی دعوت دیتا ہے۔ اس کی دلیل قرآن کی یہ آیت ہے:  
«والهم اعبدوا لكم ما نزل من السماء» (البقرة: 21)  
«والهم اعبدوا لكم ما نزل من السماء» (البقرة: 21)

«والهم اعبدوا لكم ما نزل من السماء» (البقرة: 21)  
«والهم اعبدوا لكم ما نزل من السماء» (البقرة: 21)  
«والهم اعبدوا لكم ما نزل من السماء» (البقرة: 21)  
«والهم اعبدوا لكم ما نزل من السماء» (البقرة: 21)

«والهم اعبدوا لكم ما نزل من السماء» (البقرة: 21)  
«والهم اعبدوا لكم ما نزل من السماء» (البقرة: 21)  
«والهم اعبدوا لكم ما نزل من السماء» (البقرة: 21)  
«والهم اعبدوا لكم ما نزل من السماء» (البقرة: 21)

«والهم اعبدوا لكم ما نزل من السماء» (البقرة: 21)

"جو اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ کافر ہیں۔"

(اس کے بعد امام صاحب چوتھا اور پانچواں طاغوت ذکر کرتے ہیں جو بالترتیب علم نبک بادلی اور اپنی پرستش کرانے والا ہو) پھر فرماتے ہیں

"یہ جان لینا ضروری ہے کہ انسان اس وقت تک اللہ کے ساتھ ایمان رکھنا اسکا جب تک طاغوت کے ساتھ کفر نہ کرے۔ اس کی بخل قرآن کی یہ آیت ہے:

"لَنْ نَقْصُصَ عَنْكَ الْفِعْلَ الْكَبِيرَ بِالْمُطَافِطِ وَبِئْسَ مَا لِلَّهِ فِئْدَا أَسْمَسِکَ بِالْعُرْوَۃِ الْوُطْنِیِّ لَا نَقْصُصَ لَهَا وَاللَّهُ سَمِیعٌ عَلِیمٌ" [الفرغ: 25]۔

"جس نے طاغوت سے کفر کیا اور اللہ پر ایمان لایا تو اس نے منہ پھوٹ کر اسے کو قصاص لیا جو کسی نونے کا ٹکڑا اور اللہ سب کچھ سنا دینا اور سب کچھ جاننے والا ہے" [الجامع الغریب: صفحہ 266-265]۔  
تس این باؤ رامہ اللہ امام محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کی کتاب التوحید کی شرح میں نقل کیا لکھتے ہیں:

"مطلب کے کام کا جو ناسا صہ بنتا ہے وہ ہے کہ ہر وہ چیز جو بندے کو صرف اللہ کی عبادت، دین کو ایک اللہ کے لئے خالص کر دینے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے سے بے پیردے یا اس میں آڑے آئے۔ "طاغوت" کہتی ہے چاہے تو وہ جنات کا شیطان ہو چاہے انسانوں کا چاہے شجر و حجر و غیرہ۔ اس کے جسم میں جادہ شاک اسلام کے احکام چھوڑ کر ان دیکھو تو یقیناً کفر کا نذرانہ ہے۔ جسے جن کو انسان اپنے مابین مقرر کر لیتے ہیں اور ان کا اطلاق زندگی موت کے سراسر، مالی معاملات اور انسانی شرم کاہوں کی حالت و حرمت تک پر ہوتا ہے اور جو حد و قیام اور سو، زنا و شراب ایسے حریمات کی تحریک کا بطلان ہوتا ہے کیونکہ یہ قرآین (ان میں سے جسے چاہیں) احاطہ کر کے نافذ کرنے اور کرانے والوں کے لئے قانونی جھجری فراہم کرتے ہیں۔ خود یہ تو یقیناً طاغوت ہیں، ان کے بنانے والے طاغوت ہیں اور ان کو رد و ج دینے والے طاغوت ہیں، یہی حکم عقل انسانی کی طبع زاد ہر کتاب کا جو کہ جو رسول ﷺ کے آرد و حق سے بدلوں میں پھرنے کا سبب بنے چاہئے وہ قصداً ہو یا بغیر قصد کے اور اسے مقرر کرنے والا طاغوت ہوگا۔" (فتح المجید: 38)

بقول سید قطب رحمہ اللہ:

"طاغوت ہر وہ سلطنت ہے جس نے اپنے وجود کے لئے اللہ کی سلطنت سے پروا نہ لے رکھا ہو اور نہ اس کے حکم پر کام نہ لے۔ ہر وہ قانون طاغوت ہے جو اللہ کی شریعت سے نہ لیا گیا ہو اور ہر وہ سرکشی جو حق سے تجاوز کر جائے طاغوت کہلاتی ہے۔ پھر جو سرکشی اللہ کے حق، اداہیت و حاکمیت پر ہو وہ تو طاغوت کی بدترین اور عین ترین شکل ہوگی اور "الظلم" و "مفسد" و "بی طاغوت کے اطلاق کی سب سے زیادہ مستحق بھی" (فی ظلال القرآن عربی 1/292)

مولانا مودودی کی زبان میں:

"طاغوت لغت کے اعتبار سے ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو اپنے جائز حق سے تجاوز کر گیا ہو قرآن کی اصطلاح میں طاغوت سے مراد وہ بندہ ہے جو بندگی کی حد سے تجاوز کر کے خود اتنا ہی خداوندی کا دم بھرے اور خدا کے بندوں سے اپنی بندگی کرانے۔ خدا کے مقابلے میں ایک بندے کی سرکشی۔ تین مرتبے ہیں پہلا مرتبہ یہ ہے کہ اصولاً اس کی قریب و دوری ہی کو حق ماننے، مگر عملاً اس کے احکام کے خلاف درزی کرے اس کا نام فاسق ہے۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ وہ اس کی فراہم واری سے اصولاً منحرف ہو کر یا خود قریب مان جائے اس کے سوا کسی اور کی بندگی کرنے لگے۔ یہ کفر ہے۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ وہ مالک سے باقی ہو کر اس ملک اور اس کی رحمت میں خود اپنا حکم چلانے لگے اس آخری مرتبہ پر جو بندہ پہنچ جائے اسی کا نام طاغوت ہے اور کوئی شخص صحیح معنوں میں اللہ کا مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اس طاغوت کا منکر نہ ہو" (تفسیر القرآن: 196/4)

دوسری جگہ مولانا مودودی فرماتے ہیں:

"یہاں مرتبہ پورے "طاغوت" سے مراد وہ حاکم ہے جو قانون الہی کے سوا کسی دوسرے قانون کے مطابق فیصلہ کرتا ہو اور وہ نظام عدالت ہے جو نہ تو اللہ کے اقتدار اعلیٰ کا مطیع ہو اور نہ اللہ کی کتاب کو آخری سند مانا ہو۔ لہذا یہ آیت اس معنی میں بالکل صاف ہے کہ جو عدالت طاغوت کی حیثیت

رہتی ہو اس کے پاس اپنے معاملات فیصلے کے لئے جانا ایمان کے معانی ہے اور خدا اور رسول کی کتاب پر ایمان لانے کا لازمی تقاضا ہے کہ وہی ایسی عدالت کو جائز عدالت تسلیم کرنے سے انکار کرے۔ قرآن کی رو سے اللہ پر ایمان اور طاغوت سے کفر دونوں لازم و ملزوم ہیں اور اللہ اور طاغوت دونوں کے آگے بیک وقت جھکنا عین منافقت ہے۔ (تفسیر القرآن ۱/۳۶۸)

### بعض شبہات کا ازالہ

#### (۱) طاغوت کی کما صرف غیر اسلامی قانون پاس کرنے والے ارکان ہیں؟

طاغوت صرف وہی ارکان نہیں جو غیر اسلامی قوانین پاس کرتے ہیں۔ طاغوت کی تعریف سے لاشکی کی بنا پر غلط فہمی ذہنوں میں پودش جاگتی ہے کہ غیر اسلامی قانون سازی میں شریک نہ ہونے والے ارکان، یا کسی غیر قانونی مل کے پاس ہونے کے وقت ایوان سے غیر حاضر رہنے والے ارکان طاغوت کی تعریف سے نہیں آتے۔

اولاً یہ ارکان دینی ممبران پارلیمنٹ کا خطاب نہیں ہاتے بلکہ ملک کے دستور اور رائج قانون کے تحت اور احترام کا حلقہ بھی اٹھاتے ہیں (اس حلقہ کی عہد امت و مملکت میں دی جا رہی ہے) بنا دیا اس ایوان کے کوئی سے بھی، کا وہ فیصلہ ارکان ایک فیصلہ کر دیں تو اس دستور کے بموجب جس کا یہ حلقہ اٹھاتے ہیں وہ فیصلہ صرف ان کا نہیں پورے ایوان کا تصور ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک غیر اسلامی قانون کے حق میں یا مخالفت میں ووٹ دینے کا اثر ہر مسکن ہے تو وہ اس قانون کے پاس ہونے سے پہلے پہلے اہد میں تو اس بات کا کوئی مطلب ہی نہیں کہ کس ممبر نے ووٹ دیا تھا اور کس نے نہیں۔ ایک بار اکثریت رائے سے کوئی قانون پاس ہو گیا تو وہ پورے ایوان کی فرائض کی کرنا ہے اور ملک کا بقائدہ قانون شمار ہوتا ہے جس کے احترام اور تحفظ کی ہر ممبر نے پیشگی قسم کھا رکھی ہے۔ اب کوئی ممبر سوچتی ورد از او پر کھڑا ہو کر کچھ بھی کہے مگر اسے حلقہ کی رو سے اصولاً اور فی الواقع کسی اس کے احترام کے پابند نہ ہیں اور نہ ہی اس کے کانٹا۔

ثانیاً یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ طاغوت ہونے کے لئے یہ قطعاً ضروری نہیں کہ وہ

قانون سازی میں عملی طور پر شریک ہوا اور آئینہ اللہ کے اس کا طاغوت ہو گا مطلقاً ہے۔ شریک ایک قرار دیا اور حقائق کا نام ہے ہوا ایک انسان الہی اقتدار کا رکھ کر ہی طاغوت بن جاتا ہے نہیں ہرے کار کا تا تو بہت بعد کی بات ہے، مگر اس سے اللہ کی بندگی میں لوٹنے کے لئے شرط نہیں ہے کہ وہ ایسے اقتدار کا استعمال نہ کر دے، جیسا کہ تمام اسلام پسند کر لیا کرتے ہیں، بلکہ خدا کی اختیار سے خود کو دستبردار کرنا اس جیسے دوسرے ارباب اختیار کا صاف انکار کرنا اور اپنے ماضی پر تادم ہو کر توبہ و استغفار کرنا ضروری ہے۔

#### (۲) ارکان پارلیمنٹ کی انفرادی حیثیت

بعض لوگ ارکان پارلیمنٹ کو ایجابی حیثیت میں تو طاغوت تسلیم کرتے ہیں مگر کسی کن کو انفرادی حیثیت میں یہ لقب دینا گوارا نہیں کرتے

فقہ اسلامی کا ایک معروف اصول ہے کہ جرم کا کوئی واقعہ ایک آدمی کے ہاتھوں سرزد ہو یا متعدد اشخاص کے تعاون سے رہا ہو مگر عاوان۔ اب کا ایک ہی حکم ہو گا۔ تعدد اشخاص کی صورت میں فرداً فیئے تمام لوگوں پر وہ جرم عائد ہو گا جو انفرادی جرم کی صورت میں اس کے لئے ہر عائد ہوتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شریعت کا یہ اصول بیان فرمایا تھا۔

واللہ لو نملأ علیہ اهل صنعاء لقتلنہم جميعا۔ (النسریع الجنائی لعبد الغادر

عودہ ۲: ۴۰)

یہ (کل جرم) اگر سب اہل صنعاء نے مل کر کیا تو میں ان سب پر ہی قصاص کا حکم لا کر کرتا۔ لہذا یہ کوئی دلیل نہیں کہ خدا کی اختیارات حرا کر متعدد انسانوں میں تقسیم کر دیے جائیں تو انفرادی حیثیت میں کسی اس کے شرعی حکم کی زد میں آنے سے بچ رہیں گے۔

#### (۳) دستور کے اسلامی حصہ کو ہی مانا جائے تو!

دستور کی شریکات اور انسانوں کے خدا کی اختیارات کی توجہ مشکل ہو جائے تو بعض دیندار حضرات کی طرف سے یہ جواب ملتا ہے کہ ہم دستور کے سرف اسلامی حصہ کو مانتے ہیں، باقی اس کے

غیر اسلامی حصہ کو ہم بھی تسلیم نہیں کرتے۔۔۔

اولاً اس چیز کو کیا کہتے ہیں جو آپ کے بغیر اسلامی اور غیر اسلامی کا مخلوق ہے؟ ذرا واضح الفاظ میں اس اسلامی حصہ کی تاریخ حقیقت فرض بھی کر لی جائے تو بھی یہ کہا جائے گا کہ یہ دستور غیر ان کے حق کے ساتھ تھا کہ حق تسلیم کر لیتے تھے۔۔۔ تاکہ یہ ثابت ہو جائے کہ یہ دنیا کسی سے دریافت کر لیجئے کیا نہیں جو نظام پاکستان کی مسجد کتاب ہے جسے ہم نے اپنی بنیادوں پر ختم ہوتی ہے کون نہیں چمنا کہ جس طرح یہ نظام ایک اکائی ہے اسی طرح اس نظام کے تین دستور بھی ایک اکائی ہے۔ اس میں جس کا جو حصہ رکھ دیا گیا ہے اور ارضیات کی جو نسبت و تناسب بیان کر دی گئی ہے وہ اسے ایک ملک ماننے کے بعد ہی سمجھ سکتی ہے۔ کوئی عقل مند بھی اس کے ایک حصہ کو الگ کر کے اس کی تفسیر کرنے کی اجازت نہ دے گا کیونکہ آپ کی کمر بستہ رہیں اور باقی دولت سے نہ مان کر جان چھڑائیں۔

برفٹس جانتا ہے کہ پانی کا پائیز درجن اور آگن کا مرکب ہے۔ اب اگر کوئی صرف پائیز درجن کو پانی ماننے لگے تو آپ اس کا کیا چکا کر لیں گے؟ کوئی اگر اس ضد پر آجائے گا دوسرے جو بھی چاہیں مطلب لینے رہیں گے مگر وہ سرمایہ دار نظام کو صرف "مخصوص ملکیت" کے سنبھری اصول کی بنا پر قبول کرتا ہے اور اس کے باقی اجور سے تعلق نہیں کیونکہ ہم "اجتنابی مفاد کی ترجیح" کے اصول کی بنا پر گلے کاٹے اس کے اپنی تفریق پر غور کیا تو "ذاتی طور پر" تسلیم نہیں کرتا۔ بدھ مت اس نے اچھے سے کہہ ہی دیا۔ وقت قلب اور خدا ترسی کے اسلام جیسے حق لینے ہیں اس کے غیر اسلامی عقائد سے وہ اتفاق نہیں کرتا دیر ساریت کو صرف یہی علیہ السلام پر ایمان کی حد تک قبول کرتا ہے تنہا کا وہ نہیں..... اہل یوں دنیا بھر کے اہل ان اور نظام کے باطل کی توجہ تفریق کا عالمی غلط فہم کر دے تو آپ اس کے لئے کیا کام انجام دے کر لیں گے۔ اور جب شرک کہتے ہیں اللہ کے ساتھ غیر اللہ کو کیا زیادہ ملتا ہے تو اس فلسفہ کے مطابق کے بعد کون سا شرک رکھ دے کہ جانے کے قابل رہ جائے گا؟ شرک مانتے کے لئے کیا کرنا چاہیے، اسے اچھا کہتا تو ان کا کام جدید آسان ہو جاتا آپ دیکھتے نہیں کہ باطل نظام کے صرف مثبت یا اسلام سے مشترک "اسلامی پہلوؤں" کی نیت کر کے اسے قبول کرنے اور یوں اس میں شرکت کرتے کا یہ فلسفہ اجتنابی

"و انھیں پسند ہی" کے باوجود انہی کی دعوت کا صاف انکار ہے؟ کیا کوئی نہیں لیتا اگر ان کی قوم اللہ کو نہیں پوچھتی تھی اور اس کا تحقیق حصہ موجودہ دور کی تکنیکی طاقتوں سے کبھی زیادہ تحقیق سے ساتھ پیش نہیں کرتی تھی؟ پھر ان مثبت پہلوؤں کی نیت کر کے کیوں نہ انہی نے نظام وقت کی اقتدا اختیار کی اور غنی پہلوؤں کا مثبت انداز سے خاتمہ کرنے کی پراہن اور بتدریج جدا جہد کرتے رہے۔ انہی کے پاس ان کی تکنیکی معنوں میں اس امتیاز کا کیا جواب ہوگا کہ انہوں نے مثبت پہلوؤں سے چشم پوشی کر کے صرف منفی پہلوؤں کو اچھا لے لیا۔ یوں عقیدہ برائے عقیدہ کا پانچواں انداز اپنانے میں جدا بننے کا مظاہرہ کیا، حالانکہ مل جلنے کر انہی کے مقاصد و مقاصد میں کوئی فرق نہ تھا اور یوں بھی اگر وہ اس دنیائی راہ پر قدم رکھنا چاہتے ہوں تو کسی کی تازی شروط پر ہوتی تو اپنے زور و ارادہ کے بل بوتے پر قوم سے اپنی صلاحیتوں کو وہ بالکل سنبھال لیتے۔ آخر نتیجہ اس اور آتم کا خون بہنے والوں سے جان بخشی کی فکر کس دور میں نہیں رہی یوں میدان بہر حال انہی کے ہاتھ ہی رہتا، وہ بھی کسی جس امرت الہی کی امید پر انکسین پر آج سے گناہگاروں کا آخری سہارا ہے انہی اس سے مانگیں کا کفر نہ کرتے تھے۔

والفرض پندار انہی کا کہ اس طرح دستور سے لپٹا مطلب اٹکانا کیا دنیا کو بے وقوف بنانے کی کوشش نہیں؟ اگر دنیا کے معروف امور میں برآ دلی کی اپنی مراعات پر بندے لگے تو اس وقت انسان جو زبانیں بول رہے ہیں وہ بہتر اس حقوق کے اذیت نہ ہیں۔

چنانچہ ان سب باتوں کے بعد بھی کاش کہ صرف اتنا ہو کہ یہ دستور کے صرف "اسلامی" حصہ کی کوئی اور کار کا حصہ کو مسترد کرنے پر تہہ رہے، جو نوبت و یادگار کا اور تو ہوتا مگر ایک کوئی غلطی کا مجرم شاید وہ جاتا۔ ذرا ان سے پوچھئے سب انتہا کی پوری انہیں محفل خلوت کا ممبر بنائی ہے پانچ سال کی رکنیت کیلئے جرحط اٹھایا جاتا ہے کیا یہاں سے شروع نہیں ہوتا۔

I.....do solemnly swear that i will bear faith and allegiance to Pakistan Thal , as a member of national Assembly (for Senat) I will perform my functions honestl , to



the best of my ability, faithfullu, in accordance with the constitution of the islamic repubild Of pakistan and the law and the rule of the assembly (or Senate) and always in the interest of the Sovereignty, solidarity, well-being and Prosperity of pakistan.

اور یہاں ختم نہیں ہوتا؟

And that i will preserve, protece and defend the Constitution of the islmc Republic of pakistan. (1) (Third Schdual of Constitution)

(تجزیہ یہاں کہ اس آرٹیکل میں قرار دیا گیا ہے، تمام جو جو قوانین، اس دستور کے تحت، جس حد تک قابل اطلاق ہوں اور ضروری ترقی کے سلسلے میں وقت تک بدستور تائید رہیں گے، جب تک کہ مناسب معائنہ شدہ یا منسوخ نہ کر دے یا ان میں ترمیم نہ کر دے (تجزیہ از: حکومت پاکستان وزارت عدلیہ پارلیمانی امور، شبہ عدلیہ ص 167)

اگر ان سے اس "ذاتی مطلب" لینے کے لفظ کا استعمال کر لیا جائے تو بھی ان سے دریافت کیجئے کہ جب یہ آئین کی اطاعت و احترام اور تحفظ و وفاداری کا پابند ادا کرنا چاہتا ہے تو خود غرضوں کے ساتھ ادا کر دیتے ہیں تو کیا آدھے دستور کا افسانہ لگاتے ہیں یا پورے کا؟

ممبران اسمبلی کے حلقے کی بہت غور طلب بات یہ ہے کہ کچھ لوگ اس نظام و آئین اور قانون کے تحفظ کی خلیفہ نہیں بھی کہتے ہیں اور ایک وقت اس کو نیست و نابود کرنے کی بڑھکیں بھی لگاتے ہیں۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ وہی کریں ایک عمارت کو سدا کرنے کا حکم اس کے قریب چھٹکنے سے بھی پہلے اس کی ایک ایک امد کی سلامتی کا حلیہ اسامہ لکھ دیں۔

﴿يُحَادِدُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يُخْدَعُونَ إِلَّا أَنفُسُهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ﴾ [ ]

(4) پارلیمنٹ کا اختیارات اسلام کے حق میں ہو جائے تو!

کہا جا رہا ہے کہ اس نظام میں شریعت کے لئے کیا جیجی، ٹیل کوئی نہیں کہ پارلیمنٹ سب کچھ کرنے میں آزاد ہے۔ اگر وہ انگریز کے قانون کو سدا دے سکتی ہے تو اپنا پورا حق اسلام — اے لے جس اسلام کی کہتی ہے۔ خود سامان، دو تہائی اکثریت حاصل کر لی جائے تو دستور تک بدل سکتا ہے!

اولاً پارلیمنٹ کا سب کچھ کرنے میں آزاد ہو، اس کی رکنیت کے جواز کی یہیں درست بنائی ہے۔ یہ پارلیمنٹ ایک طرف تو وہ اعلیٰ کی شریعت کی سند دینے یا نہ دینے میں اپنی طرف آزاد ہے مگر دوسری طرف کر دے دوں انسانوں کے لئے ہر سال میں واجب اطاعت۔ اب یہ کس۔ اب اعلیٰ کی کی ہمسری کرتی ہو اس میں شریعت کا خیال کسی مسلمان کے دل میں آجای حیرت کی بات ہے۔

ثانیاً رہا یہ کہ دو تہائی اکثریت کے ذریعے فتاویٰ اسلام کا امکان ہونے کی بنا پر پارلیمنٹ طاغوت نہیں رہتی تو یہ اگر کوئی اصول ہے تو بھروسہ کیے کسی ملک کی پارلیمنٹ طاغوت رہے گی؟ اگر آپ امریکی کانگریس میں دو تہائی اکثریت حاصل کر لیں تو کیا وہاں اسلام لے آئے نہیں؟ مسئلہ تو دراصل ان خدائی اختیارات کا ہے جو اس وقت اسے فی الواقع حاصل ہیں۔ اس کا نہ تو اراختا ہے تو اس بنایا، یہ شریعت کے احکام اور کو نہیں ہوتے۔

ثالثاً کسی شراب سازوں کی یونین میں اکثریت حاصل کر کے اگر آپ اس سے آئین تبدیل کرنے کی پوزیشن میں ہوں تو کیا شراب سازوں کی مجلس میں شرکت بھی دینا کا نشانہ ہوگی؟

"علما" سے دریافت کیجئے، یہی نہیں کوئی دن یہ تو بھی ٹھیک آئے۔

رابعاً شریعت کا خفا ز دین میں مطلوب ضرور شرک کے راستے سے نہیں۔ شرک سے بچنا اور طاغوت سے ٹکرنا شریعت کے نفاذ سے نہیں بڑا فرض ہے۔ آج تک کسی نبی نے شریعت کے نفاذ کی خاطر طاغوت کی ہم نشینی نہیں کی۔ اس لئے شریعت کا خفا ز شرک کرنے کے لئے اچھا کھجور نہیں بن سکتا۔

خلاصاً: نیک ہو تو بھی اللہ کی طرف نافرمانی کا ذریعہ اختیار کرنا کسی صورت جائز نہیں۔ وہ نہ ج کرنے کے لئے سود لیا بھی جائز ہو جائے گا اور ثمرات کرنے کے لئے شرع ستانی بھی Justifies

the means The end کا سکیا دلی غلط اسلام میں نہیں، یہ شیاطین مغرب کی ایجاد ہے اسلام کے اندر تو آپ مقاصد کے تعین میں بھی شریعت کے پابند ہیں اور جائز و ناجائز کے اختیار رکھیں۔

### (5) پارلیمنٹ کا اختیار خیر و شر کی آزمائش میں آتا ہے؟

ایک شیعہ پیش کیا جاتا ہے کہ یہ حق تو خود اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو دیا ہے کہ چاہیں تو حق راستہ قبول کریں اور چاہیں تو باطل، پھر یہ اختیارات پارلیمنٹ کو دینا کفر کیا؟ ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس حق کا ناجائز استعمال غلط ہے۔

اولاً اللہ کا بندے کو خیر و شر میں سے کوئی ایک راستہ قبول کر لینے کا اختیار دینا ایک ننگی اسیر ہے جو اللہ تعالیٰ ہی سے متعلق ہے مگر جہاں تک انسان کا تعلق ہے تو وہ اسلام میں داخل ہوا ہے ہر قسم کے اختیارات کو قسم کر کے ہوتا ہے چنانچہ انسان کا ایسے اختیار کو باقی رکھنا ہی کفر ہے اسے استعمال کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔

”وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمْ

الْخِصْرَةُ ﴿۱۸۰﴾ (الاحزاب: 36)۔

”کسی مؤمن مرد اور کسی مؤمن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ کا فیصلہ کر دے تو پھر اسے اپنے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے۔“  
ثانیاً ہر انسان کو ذاتی حیثیت میں کفر و اسلام کا انتخاب کرنے کا حق ضرور ہے کہ وہ چاہے تو مومن بنے اور چاہے تو کافر ہو کسی انسان کو قانون سازی کے ذریعہ کر دہوں انسانوں کا رخ زندگی متعین کرنے کا دستور ہی حق ہو، تاہم بالکل مختلف چیز ہے۔ ان دونوں کو آپس میں ملانا گمراہ کن سوچ ہے جس کے دائرے میں قسمت (ایک گمراہ فرقہ) ایسے انداز فکر سے جاملتے ہیں۔

### (6) بہت سے موجودہ قوانین بھی اسلام سے ملتے جلتے ہیں

سیکولارزم کی وضاحت میں ہم نے یہ بھی بیان کرنے کی کوشش کی کہ کافر نظام میں تمام احکام اور قوانین کا الٹی شریعت سے جو فیصلہ ہو سکتا ہے اور متبادل چونا ضروری نہیں بلکہ شریعت کا پارلیمنٹ کی دلی

استا جائز است آمد حاصل کرنے کی شرط ہی اس کے طاغوت ہونے کے لئے کافی ہے۔

جب پارلیمنٹ یا انگریزی قانون کی اسلامی حکم کو شرف قبولیت بخش اسے اسے قانون کے مرتبے پر فائز کرے تو اس کے اگلے بسے اس کی جواہر طاغوت واجب ہو جائے گی وہ اللہ کی شریعت کی نہیں پارلیمنٹ اور اس کے قانون کی طاغوت ہوگی۔ بسا اے اگر پارلیمنٹ حرد و دوسرے کسی مسئلے کی طاغوت قرار دی جائے تو اللہ کی شریعت کی طاغوت ہوگی یا پارلیمنٹ؟ اسلام میں اصل مسئلہ امتدادی کیا ہے۔ ذرا سوچئے یہ قوانین تو پھر بھی انسانوں کے ناقص، مانوس اور ہیں، مگر ان کے دور میں اصلی قوت ابھلنے کے احکام کو بھی قانونی حیثیت دے دیے تو اس کے کفر میں کیا شک ہے جبکہ وہ اللہ کے احکام پہنچی ہیں اور انگریزی قوانین کی یہ نسبت اسلام سے نہیں زیادہ گمانست رکھتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ محمد ﷺ کی پیروی کرائے بغیر ماننے والا نہیں۔ یہاں مومن اور مومن کی مصلحت اسلام آجائیں تو ان کو بھی پیروی اور صرف پیروی کئے جا چاہئے نہیں، پھر پارلیمنٹ کیا چیز ہے جس کے قوانین اسلام سے ”ملنے جلتے“ ہونے کی بنا پر اصل مسئلہ پر تو ان کو کئے جائیں مگر خود اسے الگ الگ الگ کے سامنے ناک گردانے سے مستثنیٰ رکھا جائے۔

”فَلَا رِبْكَ لَا يُلَظُّونَ حَتَّى يَحْكُمَوكَ فِيمَا شِخِرَ بَيْنَهُمْ لَمْ يَلْحَقُوا فِى أَنْفُسِهِمْ حَرْجًا مِمَّا نَصَبْتَ وَيَسْلُمُوا وَسَلَامًا“ (النساء: 65)۔

”میں اسے محمد ﷺ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہمارے رب کی قسم، یہ کسی مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے باہمی اختلافات میں سے ہم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ فیصلہ کر دے اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی شک (تک) نہ ہوسکے کہیں بلکہ ہر تسلیم کر لیں۔“

### (7) مصلحت کا تقاضا!

بقول سید قطب رحمہ اللہ ”مصلحت ایسا ہے، بن گیا ہے جو بعضوں کے ہوتے ہوئے تو کیا شرک و جہنم کی وعیدوں کے باوجود حلال و حرام کا تعین کرتا ہے۔“

پارلیمنٹ کی مہر کی ”مصلحت“ کا تقاضا قرار دینے والے حضرات ذرا مصلحت کی ان دو شرطوں پر غور فرمائیں جو تقاضائے اسلام کے نزدیک مصلحت کا امتداد کرنے کے لئے شرعاً عائد ہوتی ہیں۔

جیسا کہ شرعاً، مصلحت، مقاصد شریعت کی ترسیب میں آتی ہو، امام شافعیؒ "المواظقات" کے ۱۱: اول میں فرماتے ہیں کہ جان و مال اور عقل و نسل کی حفاظت مقاصد دین میں شامل ہے مگر حفظ دین سب سے پہلے اور مقدم ہے۔ دیگر فقہاء بھی مصلحت کی اس شرط پر متفق ہیں کہ ہر وہ مقاصد شریعت کے ترسیب کے تابع ہو جو کہ حفظ دین سے شروع ہوئے ہیں اور دین کے بعد ہی جان، مال، عقل اور نسل کی حفاظت کی نسبت آتی ہے۔ آج تک کسی فقیر نے اس بات سے اختلاف نہیں کیا کہ حفظ دین سب سے بڑی مصلحت ہے۔ پھر دین میں ہر آدمی جانتا ہے کہ عقیدہ انہم ترین ہے اور عقائد میں عقیدہ وہ حدیب سے پہلے ہے۔ اس لحاظ سے علمی بنیاد پر مصلحت کو کیا جائے تو یہ ایک شرعی دلیل ہے۔ اور اس کا تقاضا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے چھوڑے ہوئے دین کو غافل اور شفاف عقیدہ کی ترداد کی کام رکھنے کے لئے اگر جان و مال، چودھراہٹ یا تعلقات و اثر و رسوخ کی قربانی دینی پڑے تو ایسی قربانی سے صرف دریغ نہ کیا جائے بلکہ اسے انجامہ صالحین کی سنت سمجھ کے اپنی انتہائی کوشی سمجھا جائے کہ یہ وہ جلد ہر ایک کو نہیں ملا کر عبادۃ اللہ ہر ایک سے ایسی قربانی قبول بھی فرماتا۔ نماز، عقل اللہ، اللہ تعالیٰ۔

آج اس باطل نظام میں امید و ادراک دونوں حقیقت سے شرک فرماتے والے و یدار حضرات آخر اپنی جان و مال یا پھر بدعقیدہ و بے عمل اکثریت کے قومی مفاد کی مصلحت سے زیادہ دلیل رکھتے ہیں؟ بتائیے یہ مصلحت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی والدہ رضی اللہ عنہا کی خاک پاک کے سامنے کیا حیثیت رکھی ہے جنہیں دو اونٹوں سے باندھ کر مخالف سمت میں چڑھا کر قول کر لینا ہی محبت جنت کے ہاں مصلحت تھی؟ آخر کفار کا آپ ﷺ سے ذرا مزنی اختیار کر لینے کے سوا اور کیا مطالبہ تھا۔ جس کے بدلے سیدہ یاسر رضی اللہ عنہما کی جان و مال ایسی مصلحتیں تو کیا بادشاہت بھی ترقوں میں ڈھیر ہوتی تھی و دہشت دے کر بڑے کلر کار راستہ روکنے والے اور ایک سیٹ کی ذخا طرزات کی خاک چھانٹنے والے اس حقیقت کو کیسے قبول کرتے ہوں گے کہ خاتم الرسلین ذرا نرم رویہ اختیار کرنے کے عوض جان بخشی یا طعشیں نہیں پوری بادشاہت کی پیشکش ٹھکرانے پر بعد میں؟ ایک ایک دودھ بیٹوں کے بل پر دین کے پرچم گانے والے کیا نہیں سوچتے کہ کیوں ہلاک رہی اللہ عز و صیب رضی اللہ عنہ نے ماریں کا کھاتے

ہوئے رسول اکرم ﷺ کو مشہور دیا کہ یہ قومی مفاد بھی ہے اور اسلامائزیشن کا راستہ بھی آپ کیوں نہیں مراء لے کر ہی تھے ہوئے ہیں؟ مصباح ہمدانی کا فقہ کوئی مال رضی اللہ عنہ نے لے جو تھوڑی دیت پر پانچتے ہوئے نکارے کر باہر نہیں جلائے تھانے کے لئے کچھ کہی اس سے بھی حلف آتی ہوتی میں دو کہنے سے بھی گریز نہ کر دیا "ایمانی عزت اور احساس برتری دینے کی لازمی جاہلیت کی خاک چھانٹنے سے کہاں نصیب ہوا کرتی ہے۔

(۲) مصلحت کے لئے دوسری شرط یہ ہے کہ اوصالح مرحلہ میں آتی جانیے

یعنی مذکورہ ظاہر شریعت کی کسی نص سے متصادم ہو۔ اور اللہ عز و جل کی اور رسول کا بھی مطلب ہے مثلاً سوہ کے مال کو صدقہ کرنے میں بظاہر مصلحت ہے مگر شریعت اسے مصلحت نہیں مانتی یہ مصلحت کا تقاضا مفدت (فساد) ہے، اب اگر کوئی جاہل انھیں سے متعارض چیز کو مصلحت مانتا ہے تو انھیں کا مصلحت (فساد) ہوا خود بخود لازم آجائے گا۔ حاز اللہ۔ دیکھ لیجئے ایسا اعتقاد کتنی بڑی گمراہی کا موجب ہے۔ پھر جب انھیں سے متعارض چیز کو مصلحت جانتا ہوں ہم ہے تو عقیدہ ہی سے متصادم امر کو مصلحت قرار دینے کے بارے میں کیا خیال ہے؟ یہ نظام اگر باطل ہے اور پارینٹ اس کا سب سے بڑا طاغوت تو اس کی رکیت اختیار کر کے اللہ کی ہسری کرنا یا انوں کے ذریعے اللہ کے ہسیر بھرتی کرنا مصلحت کب سے ہو گی؟

مصلحت کی بات اور اصولی امر بھی جان لیجئے کہ اہل ایمان کے نزدیک انھیں کی مطابقت ہی مصلحت ہوتی ہے، جبکہ خلاف انھیں مصالح سے حجت پکڑنا منافقین کا مسلک ہے۔ چنانچہ یہود و نصاریٰ سے دوسری رکھنے کی حرمت کے قائل ہیں منافقین کی دلیل قرآن نے یہی نقل کی ہے۔

﴿فمن عثر علی الذین فی ہلویہم مروض یسار عون فہیم بغفلون أن یصنبا دآؤہ﴾

[المائدہ: ۵۲]

”تم دیکھتے ہو کہ جن کے دلوں میں خفا کی بیماری ہے وہ آدمی (یہود و نصاریٰ کی دوستی میں) دوزخ و چوب کر جتے ہوئے ہیں۔ کہتے ہیں میں دوزخ ہے کہ نہیں ہم مصیبت کے پتھر میں نہ بیٹھ جائیں“

یہ غلط فہمی منافقین کا ہے کہ مقصد صالح ہو تو اس کے لئے جو کام بھی کیا جائے گا وہ صالح ہو گا لے دہ کہا کرتے تھے کہ

”فإنما نحن مصلحون“

اور یہ بھی کہ چنان اودھا الا الحسنی

”ہمارا مقصد تو نیک ہی تھا“

اس بنا پر اہل ایمان کے صرف نیک نیتی معتبر نہیں ہوتی، کیونکہ اس سے اہل فلاح اور اہل بدعت کے لئے جو دروازہ کھلا ہے وہ پھر بے دین پرستی لانے کے لئے کافی ہے، بلکہ حتیٰ سے مطابقت اور عقیدہ و ایمان کی استقامت بھی مکمل صالح کے لئے شرط ہے۔ اعمال صالح کی ان دو شرطوں پر پوری امت کا اجناس بے باب مصلحت اگر عمل صالح کے علاوہ کوئی چیز ہوتی ہے تو پھر اس پر کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔

### دوست کی شرعی حیثیت

جو حضرات پاکستان کے نظام میں مجلس پارلیمنٹ کی رکنیت پر ہی مصر ہیں ان کے ساتھ تو دوست کے سلسلے پر بات کرنا ایک لائسنسی امر ہے۔ ری ان لوگوں کی بات جواس نظام کو داخل اور اس کے قانون سازوں کو طاغوت تسلیم کرتے ہیں مگر ان طاغوتوں کو منتخب کرنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے، بشرطیکہ نسبت انتخاب طاغوت کے بجائے کچھ اور کر لی جائے، تو اس باب میں ہم ان حضرات ہی کے موقف پر گفتگو کریں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں میں ”اچھے لوگ“ یا ”اکثر برائی“ سمجھتی کرنے کا اصول جہاں دوست دینے کے لئے جہد جواز بنتا ہے وہاں دوست لینے کے لئے اور لکائن لانے کے لئے بھی میں سکتا ہے مگر کچھ لوگ مصر ہیں کہ اسے دوست دینے تک ہی محدود رکھا جائے چنانچہ ضرورت اور ”مجبوری“ کو دیکھ کر بنا کر جب یہ حضرات مصلحت کا دروازہ کھولتے ہیں تو دوسرا فرق بھی اسی میں گزر جاتا ہے۔ پھر جس طرح دوست دے کر کٹر کا زور دہڑانے والے حضرات اپنے دوست کا ”ذاتی مطلب“ لیتے ہیں اسی طرح

دوست لے کر اسلام کی خدمت کرنے والا فرق بھی ایسا ہی ہے کی ”ذاتی تشریح“ کرنے کا حجاز ہوتا چاہئے مگر ملے جانے ان دونوں فرقوں میں اختلاف کیوں ہو گا؟ ہے جبکہ ان دونوں کے دلائل میں اصولی اور جوہری طور پر کوئی فرق نہیں۔

تاہم یہاں دوست کا انکم جانے سے پہلے دوست کا مطلب جانا نا ضروری ہے ایک تجربی نظام میں دوست کی حیثیت اور اہمیت نہ سمجھنے سے ہی دوست کا ”ذاتی مطلب“ لینے کی فہم آتی ہے۔

دوست کی تعریف:

نمائندگان جمہور کی حاکمیت کے نظام جب قانون آتی ہے نہیں آتا تو دوست کی تعریف قرآن و حدیث سے تو نہیں ملے گی۔ اب ایک پارلیمانی نظام میں، جبکہ پاکستان میں رائج ہے، دوست کی حیثیت و اہمیت اور جمہوری عمل میں دو درجہ کے دارے تعین کے لئے وہی معیار مستند ہو سکتے ہیں جس اس نظام کو بنانے اور چلانے والوں کے پاس صرف ہیں۔

انسائیکلو پیڈیا آف سوشل سائنسز کے مطابق

Voting is the process whereby an individual member of a group registers his opinion and thus participates in the determination of the consensus among the group with the regard to either the choice of an official or the decision upon a proposal. as such it is the procedure impiedn all elections as well as in all parlimentry of direct legislation, under a dictatorial form of goerment, the individual may be called upon to expres his opinion as to the choices already made by the dictar, various devises, however, render this procedure an empty formality, finds its principal

thera and its predominant importance under democratic governments under conditions of minimum freedom of choice and suffrage.

ووت کے بارے میں ذرا مبہلا نامہ وادی کی رائے بھی ملاحظہ فرمائیں:

"ووت دینے کے معنی یہ ہیں کہ ہم اپنی رائے سے کسی ایسے شخص کو منتخب کرتے ہیں جس کا کام ہو جو بدھ بدھ کے تحت، قانون سازی کرتا ہے جو عقیدہ وہی ہے کہ ہمارا معانی۔ اگر نالمانے کرام میں سے کوئی صاحب اس چیز کو طویل اور چار بجھتے ہیں تو ان سے اسل در یافت کیجئے" (تحریر آزاری ہند اور مسلمان حصہ ۱، ص 234)

اگر کوئی صاحب ووت کا مطلب سمجھنے کی بات مغرب کی فکری کے روادار نہیں تو بھی یہ ایک قابل ترمیم حقیقت ہے کہ اس نظام باطل میں کوئی انسان یا انسانوں کا گروہ و فطرتی عناصر پر اثر نہ پڑتا ہے۔ تقریباً ۱۰ سال پہلے کہ وہاں سائل نے یہ ایک انسان کو کام و طبیعت سے بلند کر کے خدائی کے مرتبہ پر فائز کر دیا ہے؟ وہ کوئی فاعل نہیں ہے جو مذہبوں کی خالی آسامیاں پر کر دیا کرتی ہے؟ وہ کیا پیڑ سے بنو طاغوت کو زندہ گی اور وجود بخشی ہے؟ یہ نہ ہو تو طاغوت کی اپنی الٰہیت کے لئے کوئی اور "ہوتا ہے" طریقہ اپنا پنا پکا؟ وہ کوئی سائل ہے، اور اسے کہ کچھ کچھ نفس آسان سے اس کے پانچ سال کے لئے زمین پر ایوان پارلیمنٹ میں بٹھوں کر دے؟ کس بل اوتے پر کچھ انسانوں میں مالک الملک کے حق حاکمیت کو پانچ سال تک منصب کے رکھنے کی آئینی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے؟

ان سوالات کا جواب تو کچھ بھی مشکل نہیں مسند ان سے بارے میں سوچنے کی رحمت کا ہے کہ کسے اللہ کی عظمت و وقار اور اس کی جیت و جلال نے ان سوالات میں پریشان کیا ہے؟ کس کی جبین نیاز کے عہد میں ایسی نسیب ہے کہ وہ اپنے مالک کی اس بات پر تکلیف محسوس کرتا ہے کچھ بھی نہیں دیا کو الٹ دینے کے لئے تیار ہو جائے؟ کس کے دل میں اپنے عہد پر اور یا شیعوں کے یکتا دہما مالک کے لئے اتنی غیرت موجود ہے کہ ان سوالوں پر اس کا خون کنبل آئے؟ کسے جنم کا اتنا خوف لاحق ہے کہ وہ

مشارعے میں رائج اس شرک اور بلاکٹ کے رائے کو ذرا اس نظر سے بھی لے لے؟ عقیدہ وہی "حق" کی شعور رکھنے والے جانتے ہیں کہ انبیاء کے بیچ میں صرف سوال اٹھاتا اور زندہ زمین سوالوں کے سامنے انسانی حق پر کوئی اثر کرنا کراہی وقت طلب مسئلہ رہا ہے پھر بلاکٹ سے نہایت کی تلاش شروع ہو جائے تو جواب انسان کے اندر ہی موجود ہوتا ہے بل انسان علی نفس و بصرہ و لاقی حجاز پر ایک شیطانی ماحول ہے کہ وہ ان میں ایسے سوالات کو ہمیشہ سلاتا ہے اسے کہتے ہوں کہ قبر سے پہلے اپنے آگزیسٹنٹ کو تو تہ نہ دے سکیں گے؟

وہ لوگ جو طاغوت دینی وادی جنگ ان کے ایمان کا حصہ اور زندگی کا سرمایہ ہے اور پاکستان میں بسنے ہوئے ان سے یہ بات بھی اوجھل نہیں کہ طاغوت نہ تو کوئی خدائی مخلوق ہے اور نہ ہر دن ملک پائی جانے والی سمات، بلکہ ان کے سر دلوں پر چھائی ایک زندہ او، ویکٹ حقیقت ہے وہ ان بھی سوا الٰہ کا جواب اس ملک کے بالغ انسانوں کے "حق رائے دہی" کے کا اور داریا دے سکتے ہیں؟ اس اہم ترین مسئلہ کے بارے میں اگر سوال بھی واضح ہو جائے اور جواب بھی تو اس سے تنگ کے بارے میں ذیسی ہی کچھ کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

**ووت کا حکم، طاغوت سے قربت کا ہر راستہ جنہم کو جاتا ہے**

عوام اس نظام کے طاغوت کو ہٹانے کا مقدمہ دائر تو بڑی آسانی سے مان لیا جاتا ہے مگر جب اس سے لازم آئے والے امور اور احکام یہ بات ہوتی ہے تو پھر یہ کہ ہر سرے سے پہلے مقدمہ کوئی ملکہ کو کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ ایک ہی طاغوت تو ہے، یہاں بھی نہیں کج کج کی ٹھن جائے۔ اس بنا پر ہماری گزارش ہے کہ اس سے پہلے اس ملک کے دربار اب کوئی طرح پڑھایا جائے پھر اگر آپ اس بات پر حقیقی ہو جائیں کہ اس ملک پر جمہوریت کا طاغوت اور ہوسٹن ملکہ داریا ہے جیسا ہمارا کرتا ہے تو ہماری گزارشات انشا اللہ فائدہ مند ہو سکیں گی۔

طاغوت کو جان لینے اور پھر اسے ووت اور مینڈیٹ دینے کا مطلب سمجھ لینے کے بعد اس کا شریعت میں حکم پوچھنا کوئی معنی ہی نہیں رکھتا۔ اگر آپ یہ علم نہیں لگا۔ ایمان رکھتے ہیں کہ یہ نظام باطل

ہے اور اس کے کارمندانہ کے شریک، جو کہ کچھ غلوں اور طوائف کے گھروں سے ہزار ہا گنا بڑھ کے اللہ کے غضب اور اس کے عذاب کو دعوت دینے والا ہے تو پھر ایسے طاغوت کو پانچ سالہ ترقیب و لادیت میں شرکت جرم کیوں نہ ہوگی؟ جنہم اور بلاکٹ کی تعلیم و روزانہ ہے اس کے لئے کے زور مارتی طاقت کا ساتھ دینا اور جب وہ مکمل جائے تو گزرنے والوں کے جرم سے باقی کا حق پرانہ لکھ دیا۔ تہن کیس میں نہ بھی کہو تو وہ کیوں عیا جاتا تو یہی ایمانی مشفق ہے؟ آئندہ فحاشت میں ہم اس غلط فہمیت کے دلائل ذکر کریں گے۔ شدہ یہ اختصار کی وجہ سے تفصیل کسی اور موقع پر افشاء کئے ہیں

### باطل کی ہمہ گیری

عموماً یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ اوت اشیعہ یا ربہ نظام کا اختیار ہوتا ہے۔ حالانکہ کبھی امید و اراسی ایک نظام کے تحت اراسی کے دائرے میں انتخاب نہ کرتے ہیں کہ سیلاب ہونے کے بعد اسی نظام کی متعین کی ہوئی عدو سے سرانگہا کر سکتے۔ اس نظام کا متعین کیا ہو کر ان کو واضح ترین مقدمہ ہوتا ہے۔ اسٹیبلشمنٹ کے بعد اسی آئین اور قانون کے تحت ہی قسم کھاتے ہیں اور اللہ کے دین کو قانون کا درجہ بھی عطا کر دیں پھر بھی طاغوت ہی ہیں گے۔ غرض پچھلے ابواب میں ان کا جو کفر مزہ نے بیان کیا ہے وہ سارا کفر پانچ سال تک رہنے کے لئے یہ نظام ملک کے ہر بالغ انسان کی ایک پر پٹی کھینچا ہوا ہے۔ کہنے کو تو ایک پر پٹی ہے مگر کسی کو اس کے بارے میں اختلاف نہیں کہ رائج نظام کا کچھ سال تک چلانے کے لئے اصول یا ایک اختیار کی ضرورت ہوتی ہے۔

قرآن مجید نے صرف طاغوت ہی نہیں ”اولیاء السطاعت“ کا بھی ذکر کیا ہے کیونکہ طاغوت کو جب تک طاغوتی منصب پر فائز نہ کیا جائے وہ رب بن نہیں سکتا۔ چنانچہ طاغوت اپنے تقرر کے لئے اولیاء السطاعت کو کھینچتا ہوتا ہے۔ اب بتائیے اگر اس ملک کے طاغوت کو چناؤ لوگوں کے دوت نہیں کرتے تو اور کیا چیز ہے جو طاغوت کے تقرر کی رسی پوری کرتی ہے؟

طاغوت کے انتخاب کی صورت میں باطل کی یہ بدولتی تو بہت بڑی بات ہے اللہ نے ظالمین کی جانب تھوڑے سے جھکاؤ درمیان ہی کی وجہ سے جنہم کی روایت ہی ہے چوں کہ تو کھو الی الذہین

ظلعو افتمکم النار ذرا شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نے اس جھکاؤ کی تفسیر بھی کی ہے۔

”ابن عباس فرماتے ہیں: بولا تو کتا سے مراد مسلمان بھی نہ رکھو۔ مگر مدبر مانتے ہیں مرا، ہے تم ان کی بات نہ مانو، ان سے محبت اور لگاؤ نہ رکھو، نہ مانیں (مسلمانوں کے) اور سو نہ بٹلنا کسی فاسق فاجر کو کوئی عہد سو نہ دیا جائے، امام سفیان ثوری فرماتے ہیں: جو فحاشوں کے ظلم کے لئے دوات جانے یا قہم تراش، بے بائیں کا ٹھکانہ پڑاوت وہ بھی اس آیت کی دیکھ سکتا ہے۔“ (مجموعہ اربعہ ۱۱۶)

حضرت برہہ رضی اللہ عنہ سے مراد عامر وی ہے کہ:

”منا فیہ وصاحبہ، جناب تک بھی نہ کیونکہ اگر وہ تمہارا صاحب ہے تو تم نے اپنے رب کو

ناراض کر لیا۔“ (مجموعہ اربعہ از محمد عبدالوہاب ص ۱۱۸-۱۱۹)

شرک میں معاونت تو غیر بڑی بات ہے سو جو صرف ایک گناہ ہے اسلام نے اس کے لئے جو راستہ بند کئے ہیں ذرا ان پر ایک نظر ڈال لیجئے۔ جو خیال کیا جاتا ہے کہ صرف سو کھانا حرام مگر رسول اللہ ﷺ کا فرمان سنئے:

”عن جابر قال لعن رسول اللہ ﷺ اکل الربا و موكله و کتابه و شاهده و ذل الهم سواء“ (صحیح مسلم)۔

”حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی سو کھانے والے پر، کھلانے والے پر، سودی کھانے کھینے والے پر اور سودی معاملہ میں دونوں گواہوں پر اور فرمایا یہ سب ایک برابر ہیں۔“

آج کے فقہروں کی نظر خود بین کیوں نہیں دیکھتی کہ کبھی ایسا ہے جو سود کی جلی بھرے والا ”جھوٹا نہ ہو اور بخوشی پیٹ کاٹنے کے لئے تیار ہو جاتا ہو۔ پھر کھاتے کھنے والے اور دہا چلے گواہ بن جانے والے کسی طرح سود سے پیٹ بھرے والے کے برابر کے جرم ہو سکتے ہیں؟ اور کیا گواہ نہ سوچ لیتے ہیں گمے کو گواہی بھی نہ دی تو دوسرے ذمہ دے دیں گے مگر یہ تو کیا اس کے علاوہ کسی اور طریقہ سے بھی اگر اللہ کے اس ایک حکم کی نافرمانی میں کیا بڑا ہوا صافوت کی جائے اسی حرام اور پند باری مستحق

ہوگی۔ چنانچہ امام نووی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

"یہ حدیث باطل کی مدد و اعانت کے حرام ہونے کی دلیل ہے"

اسی طرح شراب ایسے صرف ایک گناہ کے ضمن میں رسول اللہ ﷺ نے اس کے پیچڑنے، بنانے، خریدنے، بیچنے اور پینے پالنے، اولیٰ سمیت، آدھیاں پر پھنکار بھیجی ہے۔

"عن انس بن مالک و رضی اللہ عنہ، قال لعن رسول اللہ ﷺ فی الخمر عسرة عاصرها و معصرها و المصورة له و حاملها و المجمولة له و بانعها و المبروعة له و ساقبها و المسفلة حتى عد عشرة من هذا الضرب" (صحیح سنن ابن ماجہ ۲۴۳، ۲۴۴)

اگر گناہ کی اس ایک بات میں مددگار بننے پر ایسی وعید ہے تو پھر شرک کے ظلام کو بٹانے یا جانے میں جو معاونت ہوئی ہے اس پر کس قدر لعنت برقی ہوگی؟ یہ جان لینے کے بعد اگر کسی میں اللہ کے سامنے ایسی جرأت کرنے کا بہتہ ہو تو وہ بڑے شوق سے "چھوڑ کر" کا انتخاب کر سکتا ہے۔ مزید جرأت ہو تو اللہ کی تلوخ کو بھی لڑی، اسے کے ساتھ چل سکتا ہے۔

وہ تو کفر باطاغوت کے عقیدہ کے منافی ہے

غیر اللہ کے انکار کے لئے طاغوت کی مہر کی ترک کرو یا تو ضروری ہے، جیسا کہ پچھلے نکتے میں واضح کیا گیا ہے، مگر یہ غیر اللہ کے انکار کی صرف ایک ہی شق ہے۔ اب اس کی دوسری شق ہے کہ اس سے بڑھ کر طاغوت سے کفر اور عصارت بھی کی جائے۔

﴿وَفَدَّ عُرْوَانًا يَكْفُرُ بِهِ﴾ (النساء: 60) .

"جبکہ ان کو طاغوت سے لڑ کر نہ کا حکم دیا گیا تھا"

سو یہ کہ انتہائی مستحکم خیر ہے کہ زبان سے تو طاغوت کے ساتھ کفر ہو مگر لٹلا اسے مغرب تک کر لیا جائے تو اس میں کوئی حرج واقع نہیں ہوتا۔ اہل سنت کے ہاں ایمان قول اور عمل کا نام ہے اور ایمان سے عمل کو خارج کر، بنا کر جو کا عقیدہ ہے، لہذا کفر باطاغوت ولیٰ، زبان اور عمل پر لیا نا سے فرض

ہوگا۔ یہ ایک جاسی، دلیل ہے کہ رسول اہل سنت سے واقف انسان اس انکاری نہیں کر سکتا،

اب آثار طاغوت سے کفر کا ذکر وہ بالا مطلب سمجھتے ہیں تاکہ کفر باطاغوت اور انتخاب طاغوت ایک وقت تک کیوں کر جمع ہو سکتے ہیں؟

"عن فضیہ بن قوم قبیو منہم"

اتفاقات کے اس جاسی تا تک میں شریعت اس حدیث کی رو سے دو دنیاؤں پر ناجائز قرار پاتی ہے۔ ایک یہ کہ یہ جاسی تسلیم انسانوں میں نہ تھا کہ ان کا اور پیرو و نصاریٰ سے نہ صرف آیا بلکہ انہی تک ان کی تقلید میں یہاں چلتا ہے اس حد سے یہ پیرو و نصاریٰ کی مشابہت ہے۔ مگر یہاں کے جاسیل اس کام کو پرستی، وطن اور جاسی اہتمام سے ہوا کرتے ہیں اس وجہ سے یہاں کے اہل باطل اور فساق میں مشابہت بہت سی ہے۔

ربا مسئلہ کہ جب صرف نیت کرنے سے بہت بڑا عرصہ ہے کہ نیت سے کفر کا گناہ دو چند ضرور ہو جاتا ہے مگر صرف عمل سے بھی اس حد تک کی رو سے منہ رخ ہے جبکہ امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ صبرا پر اس رضوان اللہ علیہم اجمعین ایسے مسلمانوں کو پیرو و نصاریٰ کے جیسی کفر سے روکا گیا تھا وہ عملی ہی تھا ورنہ امام اور نیت کے ساتھ کفر کرنے کی تو، یہ صبرا پر رضوان اللہ علیہم اجمعین سے توقع تھی۔

اہل جاہلیت کی مخالفت کرتا واجب ہے

اسلام نے صرف انتہائی نہیں کہا کہ پیرو و نصاریٰ اور فساق و فجار کی مشابہت ترک کر دی جائے بلکہ اس سے بڑھ کر یہ بھی واجب قرار دیا ہے کہ قصداً ان کی مخالفت کی جائے اور جیسے دکر تے ہوں وہ اس کے برعکس کیا جائے۔ یہ مسئلہ بہت معروف ہے اور مجاہدین نے نوے کی سبب اس کی تفصیل یہاں لکھیں ہیں۔

مسلمان ہر لڑائی میں حرکت میں انبیاء و صلحین اور محدثین و شہداء کا راستہ پانے کی دعا کرتا ہے اور مغضوب علیہم (پیرو) اور صالحین (نصاریٰ) کے راستے سے پناہ مانگتا ہے۔ اہل جاہلیت کے راستے سے یہ نفرت و پناہ جوئی اعتقاد ہے تو یہ عملی بھی ہوتی ہے۔ امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں

”ظاہری عمل میں (غیر مسلموں کے) خلاف کرنا (دشمنوں کو خدایاں کرتا ہے جو انسان کو اللہ کے غضب اور عذاب سے محفوظ رکھتا ہے اور اہل بدایت و رضوان سے نفی و بڑھاتا ہے پھر اللہ نے کوئی ایسی چیز اپنی جماعت اور اپنے بد بخت دشمنوں کے باطن و حالات پر جو درست کی ادبی گیر پتھر دینی ہے اسے زندہ نہ کرے۔“ (انتقاء الصراط المستقیم ص ۱۶)

معصیت اور عذاب کی جگہوں سے دور رہنا فرض ہے

امام ابن قیم رحمہ اللہ کے واقعہ سے استنباط کرتے ہوئے فرماتے ہیں

”انہی احکام میں سے بھی شامل ہے کہ معصیت کی ان جگہوں کو اجاڑ دیا جائے جہاں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی ہوتی ہو اس میں گناہ بھی آتا ہے، جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے مسجد ضرار کو جلا یا تھا یہ مسجد تھی، اس میں باقاعدہ نماز ادا کی جاتی تھی، اللہ کا نام لیا جاتا تھا لیکن وہ یہ سمجھی کہ اس کا مقصد تیس تیس مسلمانوں کو ضرر پہنچانا اور تفرقہ و انتشار پیدا کرنا تھا، پھر وہ منافقین کی پناہ گاہ بھی بنی، اب جو چیز بھی اس طرح کی ہوگی طیبہ کا فرض بنتا ہے کہ وہ اس قسم کے گناہ سے بچے تو مسلمانوں کے یا نہ راقش نہ دے اور چاہئے تو اس کی ہیبت بگاڑ کے یا تبدیل کر کے، جس سے اس کا مقصد فوت ہو جائے، باقی رکھ لے۔ اب مسجد ضرار کا یہ حکم ہے کہ شرک کے وہ اڈے تو اسرار کے شکرے جانے کے لئے یاد دہانی ہیں جس کے بخار دہانے میں جو اڈوں کی رہا بہت کم ہی دیکھی دیتے ہیں۔“ (زاوا العاد: 57413)

اللہ اور کون کچھ سے اڈوں کی یہ بات امام ابن قیم رحمہ اللہ کے دور کی ہے آج شرک کے اڈے جو چار سو پچھلے ہوئے ہیں اور حاکمیت میں اللہ کے ساتھ شرک کے ہمارے اڈے کو ایک نظر پر ادراست کرنا کیونکر روا ہو سکتا ہے؟ ایسے معصیت کے کام اور سنگین جہاں اللہ کا عذاب آسکتا ہو وہ ایک صاحب عقیدہ مسلمان کے لئے نیک نشئی سے بھی کیوں نہ ہو، وہاں جہاں بدعت نہیں۔

امام ابو ذریبی رحمہ اللہ کی اس حد سے بڑھ کر کرنے بعد جس میں کچھ پر چڑھائی کرنے والے لشکر کی تباہی کی پیش گوئی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہ اس میں دو آگ بھی ہمارے کانچیں گے جو ان کے جرم میں کسی شرٹ بھی شریک نہ ہوں گے بلکہ اس وقت ان کے سامنے اس جہاں جو جوں کے فرماتے ہیں:

من کنس سواد قوم جرى عليه حكمه في ظاهر عقوبات الدنيا. (شرح النووی لمصحيح مسلم 7/18)

”جو شخص کسی قوم کی کثرت اور ریش بڑھاتا ہے دنیا کی ظاہری عقوبات میں اس پر انہی کے حکم کا اطلاق ہوتا ہے“

”اس میں اہل ظلم کے کوں دور رہنے اور دیگر بائیسوں کی ہم نشینی سے خبردار رہنے کا حکم دیا ہے کہ جب ان پر عذاب آئے تو آجی محفوظ ہے“

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

”اہل حق میں اللہ تعالیٰ کا اپنے رسول کو مسجد ضرار کے بارے میں دو حکم آتا ہے، اولاً تقسم فیہ ابداناً، کہ اسے نبی، ائمہ اس میں شکرے نہ کرنا، کیونکہ وہ عذاب کی جگہوں میں آتی تھی۔ اس پر کہ علی علیہ السلام حروف ہار فانیہا رخی مار جہم کے لئے لفظ اہل کرتے ہیں۔

اب جب شریعت نے ایسی جگہ تک جانے میں انکار کے ساتھ شرکت سے منع فرمایا ہے جہاں ان پر عذاب نازل ہو چکا ہو تو ان کے ان اعمال ہی میں شرکت کے بارے میں کیا خیال ہے جن کے کرنے کی تائید و تائید و عذاب کے مستحق ہیں؟ اگر یہ کہا جائے کہ یہ عمل جہاد کرتے ہیں اس میں ان کی مشابہت مطلوب نہ ہو تو وہ حرام نہ ہوگا اور ہمارا مقصد ان سے شبہ نہیں، مگر اس طرف ان کے پیچھے چلنا مقصود نہ ہو تو صرف اس جگہ چلے جانے میں کوئی معصیت نہیں جبکہ ہمارا مقصد اس میں بھی ان کی مشابہت کرنا نہیں تو (بات یہ ہے کہ) ان جگہوں پر چلے جانے کی نہایت ان جگہوں پر ہر روز ہونے والے کام میں شرکت عذاب کی زیادہ قوت ہے کیونکہ ان کے وہ تمام کام جو فرد اولیٰ کے مسلمانوں کے کام نہیں یا تو کفر ہیں یا معصیت یا شمار معصیت یا کفر و معصیت کا پیش قدمہ یا ہر یا معصیت تک پہنچانے والے ہوں گے۔ یہ انہیں خیال کرنا تمام باتوں میں کسی کو اختلاف ہو سکتا ہے، پھر اگر اس میں کوئی اختلاف کر لے تو بھی اس بارے میں تو اختلاف ممکن ہی نہیں کہ ان امور میں کفار کی مخالفت (برعکس کام) کرنا فحش اور کفر و معصیت کے کاموں میں ان کی مخالفت ایسے فرض سے قریب تر ہے۔ (انتقاء الصراط المستقیم ص 80:79)



## سدا الذرائع

اسلام نے ہر اکام میں منع قرار دیا اس کی طرف جانے والے سب راستے اور دروازے بھی بند کر دیے ہیں۔ جس طرح نماز میں کسی جگہ کے کام کے لئے اسلامی معاشرہ میں دوسرے والے تمام انتظامات و اجازت اور سختی میں شمار ہوتے ہیں اسی طرح ہر ایک راہ و بہار کرنے والے تمام مقدمات اور انتظامات بھی ممنوع ہیں۔ چنانچہ جہاں یہ تعلیمی قاعدہ ہے کہ مخالفہ بدعہ الواجب الا یہ فیہو واجب و اگر جس سے بغیر فرض کی ادائیگی ناممکن ہو تو وہ بھی فرض ہوتی ہے۔ وہاں یہ بھی ہے۔ مصادی الحی الحرام فیہو حرام۔ جو چیز حرام کا سبب بنی ہو وہ بھی حرام ہوتی ہے اس بنا پر یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ طاغوت کو منتخب کرنا صحیح اس کا منتخب ہونا غلط ہے جبکہ یہ ایک سکے کے دو رخ ہیں۔

طاغوت کا انتخاب تو بہت بڑی بات ہے۔ فقہائے اسلام نے تو اس اصول (سدا الذرائع) کی رو سے انگوڑ، جو کھو، بھی حلال ہے اور اس کی خرید و فروخت بھی، ایسے شخص کو فروخت تک کر حرام قرار دیا ہے جو اس سے شراب بناتا ہو۔ اسی طرح ایک درکار انسان کو اس کی فروخت بھی ممنوع ہے۔ پھر چند سکے وقت بھی اسلامی کی فروخت ممنوع ہو جاتی ہے جبکہ نفع اس کو دینا یا بیچنا حلال ہے۔ اس باب میں علماء اسلام کی تعلیمات کھل کر لہجے کہیں ایسی عجیب سی تعلیمیں ملیں کہ جب یہ کہہ کر شراب بنانے والا ہزار بچوں سے انگوڑ خریدے لے سکے۔ میں فروخت بھی نہ کر دو دوسرے کو میں سمجھے۔ یہ سوچ کر اسے سچ دیا جائے کہ شراب بننے سے تو اب دیکھ سکتی ہیں کہ ان سوسے کے نتائج کو اسے حق میں کر لیا جائے؟ دوسرے کو صرف ایک پرچا سمجھنے والے لیا نہیں دیکھتے کہ کدوہرہ والا بھی چیزیں حلال تھیں مگر حرام مقصد کی وجہ سے خود بھی ممنوع ہو گئیں؟ جبکہ حرام مقصد بھی دینے والے کا نہیں صرف لینے والے کا تھا۔

﴿وَالَّذِينَ لَا يَشْعُرُونَ الزَّوْرَ وَافْعَا حُرُوبًا بِاللُّعُوبِ﴾ (الفورقان: 72)۔

”رضن کے بندے وہ ہیں جو باطل اور فریب کے آزمائش میں جیتنے اور کسی بے ہودہ واقعہ چیز پر

ان کا گزارہ (بھی) ہو جائے تو (اک معزادہ شان سے نیاز ہی سے گزار جاتے ہیں)“

اس آیت کی تفسیر میں حضرت انس فرماتے ہیں: ”یہ شرکت کے جشن اور عیدوں کے بارے میں

میں ہے۔“ مگر مفراتے ہیں: یہ ایک کھیل بھی جو جاہلیت کے زمانے میں مکمل جاتی تھی۔“ شاک کہتے ہیں: ”مراد ہے شرکت کی بات“ امام ابن تیمیہ کہتے ہیں: ”جب اللہ تعالیٰ نے اس (زور و بازی) کا نہ دیکھا ہی تھا اسے متاثر نہ کیا، یہ جو کہ صرف اتنا ہے کہ اگر ہر جا کے بچوں یا کچھ بچوں کے بچہ رانی دیکھنے کی بات تو یہ ایک طرف اس بارے میں کچھ خیال ہے کہ اس سے بڑھ کر ایسا عمل ہی کر لیا جائے تو کہہ دیا جائے تو کھیل ضرور میں آتا ہے؟“ (اختصار الصراط المستقیم: 178)

## روم اور ایران کی جنگ

کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے روم اور ایران کی جنگ میں روم کی حمایت کی تھی اس لئے ہم بھی اس انتظامات میں چھوٹے کفر کی حمایت کرنے کے مجاز ہیں۔ یہ شبہ دو غلط فہمیں پہنچی ہے۔

(1) اول تو یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ رسول اللہ ﷺ نے رومیوں کی کسی طرح کی حمایت کی تھی، حد تک حد تک اس کی روایت میں آیا ہو کہ آپ ﷺ نے رومیوں کی کسی طرح کی مدد فرمائی تھی یا نہ ان کی حد تک حد تک حد تک اس کا اعلان فرمایا تھا؟ ایسی کبھی کبھی بات کا دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ نبوت فراہم ہو سکتا ہے۔ واقعہ صرف اتنا ہے کہ ایرانیوں کی فتح قریش خوش ہوتے تھے اور رومیوں کی فتح پر مسلمان مسلمان مسلمان مسلمان کے کام لیا جاتا تو اس سے بڑے کافر کی شکست پر خوش ہونے کا ہوا ہے۔ یہ اس کی کفر کا پتہ ملتا، اساتذہ و نیازانِ ایران کی حد تک نئی تاریخ کر رہا تو یہ کسی بھی واقعہ کا اگر اللہ کے رسول ﷺ پر دعویٰ کیا جاتا ہے تو وہ آپ ﷺ پر بہتان ہے اور اگر ایسا دعویٰ نہیں کیا جاتا تو پھر جس سے مسئلہ ہی نہیں ہوتا۔

(2) دوسری غلط فہمی وہ ہے اور منہ بحث کا مطلب نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ یہ فرض کر لینے کے بعد کہ رسول اللہ ﷺ نے رومیوں کی حمایت کی تھی دوسرے دیکھیں اس کی تائید کچھ کے جائز کر لیا جاتا ہے۔ سو نہ پہلا مقدمہ درست ہوتا ہے اور نہ دوسرا۔ جبکہ دوسرے ایک باطل نظام میں اس کے شریکوں کی شرکت اور خوراک و خاتونوں کی کا انتخاب ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں اس بات کی ابتدا میں دوسرے مطلب دوبارہ دیکھ لیا جائے۔

## چھوٹا کفر اور کٹر برائی

کفر چھوٹا ہو یا بڑا جب اس کا مطلب معبود برحق کی عبادت ہے تو اسے اپنی فسادنگی کا حق تقویٰ نہیں کر سکتا۔ تو بہت ہی بڑی بات ہے۔ ہمارے دین کی تعلیم یہ ہے کہ نہ صرف اس سے براہ راست کی جائے بلکہ اس پر تیشے چلانے کے لئے بھی تیار رہا جائے۔ کفر بالظنوت کے شخص میں ہم نے وسعت کی ہے کہ چونکہ ایمان سے عمل خارج نہیں اس لئے جڑ سے کاٹ دینا عقوت سے اعتقاد اور عملاً کفر کا فرض ہے۔ چھوٹے کفر کا انتخاب جائز قرار دینے والا سادہ کرام سے حد و ہوا احترام سے درخواست ہے کہ اس سلسلے میں چھن بھارت یا چھہ کے کی لڑائی کی بجائے شرعی دلیل سے مستفید فرمائیں۔

یہ مسئلہ تو سرے سے زیر بحث ہی نہیں کہ ایک کفر یہ نسبت دوسرا جڑ ہو سکتا ہے یا یہ کہ جائز طریقے سے ایک کفر سے دوسرے کو سر دایا جا سکتا ہے یا نہیں۔ دلیل تو صرف اس بات کی چاہئے کہ ایسے کسی مقصد کے لئے جس نظام کے تحت کفر کو مثبت کر دیا جائے فسادنگی کا حق تقویٰ نہیں کر دیا اور اللہ کے ساتھ شرکت کے معصوب پر تفرار کے لئے سند بنا بھی جائز ہو جاتا ہے۔ اسی سطر الذکر مسئلہ پر کوئی جواز کی دلیل پیش کی جائے تو بحث فائدہ مند ہو سکتی ہے۔ ورنہ بالذکر تو اس پر بحث ہی کس نے کی ہے تا آنکہ جواب یا دلیل دینے کی نوبت آئے؟ جہاں تک اخف الضررین (کٹر برائی) کے مسئلہ کا تعلق ہے تو دراصل یہ مصالح اور مفاسد کی ترجیح کی جانا پڑی ہوتا ہے اس بارے میں درخواست ہے کہ گزشتہ باب میں مصلحت پر جاری تفتیشی طرح پڑھ لی جائے۔

دینی بات کو کفر کو تشبیہ نام ذوق بے اللہ کا نشو و نما ہے کہ ہم بڑے کفر کی راہ ہموار کر دے ہیں تو سوال یہ ہے کہ دنیا کی کتب چھوٹے اور بڑے کفروں سے خالی دینی ہے؟ پھر یہ اصول کس فقیر نے استنباط کیا ہے کہ جب کسی بھی اور دو معاشی کی طبیعت جنگ و جدل کے لئے کسسا ہے تو دارائین نبوت پر فرض ہو جاتا ہے کہ اپنا چار اور ان کفر بعد معاش کے ہلنے میں ذوال دین؟ دار اس اصول کو دنیا کے فسادات میں "اسلامی کردار" ادا کرنے کے لئے کوٹ کھینچے آپ کا اندازہ ہو جائے گا کہ آپ کس دلدل میں پھنس گئے ہیں۔ باطل کا باکیہ انکار اور طاغوت سے کفر جو اللہ نے فرض کیا ہے اس عہد و مہر میں ہونے

کے لئے ایسے وقت کے انتظام کی آخر کار دلیل ہے، جب جہاں ہمارے پھرنے بڑے کفر ساز میں ایک سے ہو جائی گے۔ اور تا وقتیکہ ایمان سے باطل اور کفر کا بالکل انکار منقطع ہے گا؟

## جھوٹے دین کی پیروی یا چھوٹا کفر

ایک "نفسی" نکتہ اٹھایا جاتا ہے کہ دوت کو باقی نظام سے الگ کر کے دیکھنا چاہئے کیونکہ جب اس میں اصل برائی کا قانون سازی ایسا شرک ہے تو صرف اسی کو برا اور تھکا دینا چاہئے جبکہ دوت بہر حال اس میں شریک نہیں آتا۔

کسی ملک کے کسٹمر تو نہیں سے کھینچنے کیلئے مونا شیٹن کو الگ دھب پڑوں کی صورت میں مسئلہ کر لیا جاتا ہے۔ جو جمہوریت کو بھی داخل اسلام کرنے کے لئے یہ تہہ کی جاتی ہے آپ نے دوت حلال کر دیا۔ سرے سے امید واری اور بربری جائز کر دی تیسرا دار اس سے زیادہ بے لطف ہو گیا تو وزارت ایک بد عنوان آدمی سے بھا کر اپنے پاس رکھ لی۔ دلیل سب ہی کے ہاتھ میں نہ لکھیں سے لگ جائے گی، یا تو جمہوریت کے جو کھول دیئے تو اب اس کی ہر چیز الگ الگ حیثیت میں دیکھی جائے گی۔ حرام یہ تب ہوگی جب پوری ہوا اور پوری جمہوریت کو کھینچنے سے منافعت کر دی جائے گی۔

(۶) جہاں تک دوت کو معمولی سمجھنے کا تعلق ہے اور تا اس طور پر یہ کہنا کہ ایک اہل دوت سے تو اسلی کا نہیں ہوتی تو عرض ہے کہ کوئی سب کے لئے ہوتا ہے اور سب کے دونوں سے ہی اسلی و جد میں آتی ہے۔ اگر برائی کے لئے اس بنا پر دوت حلال کیا جائے کہ اس کے دوت سے کوئی فرق نہیں پڑے گا تو ایسے فقیر کی داد دی جانی چاہئے کہ سبھی بھی تکلیف پاؤ گی اور ایک فرقہ کا گناہ سبھی لازم نہ آیا۔ آخر افراد کے مجموعہ کے فیض سے ہی تو اسلی و جد میں آتی ہے۔ یہ تھامت بالکل ایسی ہے کہ شراب چوکنڈا دوری کی بنا پر پیچھے ہے اس میں صرف دوت و احترام ہوگی جڑ سے کر دے دینی اس سے کہ مقدار تو اس پر کوئی حد نہیں۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق ماسکر کثیرہ عقاید حرام (مسیح بن مسلمان و غیرہ) (۲)

(۲) اسی سے بات کہ اللہ کی شریک اسلی بنا لکھا ہے اسے دوت دینے میں کوئی حرج نہیں تو



ذوہدہ سے دین میں خیر، اخلاقی، معاشی اور تمدنی طور پر ایک انقلاب برپا کرنے کی کوشش کریں۔  
(تحریک آزادی ہندو مسلمین، حصہ سوم، 230-231)

اگرچہ پاکستان نہ ہو ہے کہ عام لوگوں پر ہماری حکومت کا نکتہ اثر ہو سکتا ہے تاہم اگر ہمیں جانیں  
کی ہیئت کے جاننے کی اپنی قدر ہو جائے جو احکامات کے جاننے کی پس منظر کا ذکر ہو سکے کہوں  
کہ: دلت نہ دینے سے اسکی ساخت پر پانی ہو تو وہ اس معاشرے کی خوش فہمی کا پوچھا کر لے دین کے  
لئے تو چشم خفا بھی کرتی ہے حال تو حد کا حدیہ صرف دلت نہ دینے کا نہیں ہے بلکہ انہماک کی سنت  
میں معاشرے کے مذوق و طریقی کی بخشش کی تو کفری کرنا ہے اس منتقلی کے لئے باطل سے پیرو  
سے اسلامی ملک کو کی گئی گھر چٹا خالص طور پر ضروری ہے۔

جہاں تک اسکی میں "اچھا" آدمی نہ رہنے کا سوال ہے تو ایک بات تو یہ ہے کہ اسکی میں  
جانو اور اچھا ہونا کہیں ہے؟ پھر اگر اس پر بات کی جائے تو بھی اسکی میں حسن و جمال کی فکر تو اسے  
ہوتی ہے جو اس پر ایمان ہو سکا ہو اس کی زیبائش کی خاطر اس میں بیحد و پیر اور خوش باطنی رہا ضروری خیال  
کرنا ہو اسلام کے لئے سب سے زیادہ ناقابل رسد امر تو یہی ہے کہ باطل کی علامت پر حق کا نیند  
کروا جائے ناقص وقت کے گھر پر اسلام کا درق سمایا جائے۔ اگر اس ناقابل رسد امر کی ضرورت ہے  
میں کوئی کر اور اور کرنے کی پوزیشن میں ہیں تو یہ کس بات کا؟

ہمارے دوٹ نہ دینے سے کیا ہو جائے گا

اس مختصر جواب اگرچہ یہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ آپ کے وہ ڈالنے سے بھی کیا ہو جائے گا۔  
مگر ایسے سوچ پر ہوتا ہے کہ یہ بات تو یہی کہ ناقص ہے۔

اسلام کو جس سے تزلزل ہونے والا بار کدہ باز عزت دین اور اس کی عقلی ہے۔ یہی عقلیت  
مقدسہ حضرت کیلئے آلودہ الماعت ہو جائے یا انسانی پر اس جانے اسلام کی عزت پر اس کا کیا اثر ہوگا  
اس کا اصولی سے معمولی حکم بھی دیکھ کر سے نہیں بچا جا سکتا اس کے لئے یا خود باجائز کا تھیں تو میں پر  
لئے دالے کر ہی نہیں کہتے۔ یہ تو انسانوں کی اپنی آرائش کے لئے آیا ہے۔ سو جاہلیت کے ساتھ رہے۔

ذوہدہ سے دین میں خیر، اخلاقی، معاشی اور تمدنی طور پر ایک انقلاب برپا کرنے کی کوشش کریں۔

(تحریک آزادی ہندو مسلمین، حصہ سوم، 230-231)

اگرچہ پاکستان نہ ہو ہے کہ عام لوگوں پر ہماری حکومت کا نکتہ اثر ہو سکتا ہے تاہم اگر ہمیں جانیں  
کی ہیئت کے جاننے کی اپنی قدر ہو جائے جو احکامات کے جاننے کی پس منظر کا ذکر ہو سکے کہوں  
کہ: دلت نہ دینے سے اسکی ساخت پر پانی ہو تو وہ اس معاشرے کی خوش فہمی کا پوچھا کر لے دین کے  
لئے تو چشم خفا بھی کرتی ہے حال تو حد کا حدیہ صرف دلت نہ دینے کا نہیں ہے بلکہ انہماک کی سنت  
میں معاشرے کے مذوق و طریقی کی بخشش کی تو کفری کرنا ہے اس منتقلی کے لئے باطل سے پیرو  
سے اسلامی ملک کو کی گئی گھر چٹا خالص طور پر ضروری ہے۔

پہلے تبادلہ کیجئے

اگر آپ اس نظام کو باطل تسلیم نہیں کرتے تو ضروریات کے لئے باطل تسلیم کرنے کے تبادلہ لانے  
کا شیخ و پیغمبر بھی تھا۔ یہ کہ کفر کو باطل کا تبادلہ نہیں ہوا کرتا۔ تبادلہ کا شیخ تھا کہ ایسے ہی ہے  
کہ آئینہ کی پیش کیا جائے "ہم ایمان لانے نہیں" دین پر حق کو پاتے کے لئے باطل کو چھوڑ دینا  
یہ تو باطل کا تبادلہ ہے آپ جو عمل دوسروں سے طلب فرماتے ہیں وہ خود آپ کے پاس ہے۔  
وہ دوسرے حضرات کو جواب کہوے والے ایاز میں جھوٹ کا تبادلہ طلب فرماتے  
ہیں خود انہیں سے سوچا اس سے بے شمار فائدہ کہ "تبادلہ" قبول کروا دیا ہے جو انہیں غم کرتے کے شیخ  
و نظام ملے کیا کرتے ہیں؟

اسلام سے مل چل کر کرنے کے معاملے کا مذاق نہیں تو شک بات یہ ہے کہ اس باطلی  
معاہدے میں دوسرے معمول لوگ شامل ہو جاتے ہیں۔ دین کا نظام ایک دوسرے کے تبادلہ



اب تو اس حقیقت ایمان سے واقف انسان زام کار کے مالک ہوں مگر جب ایسا نہیں تو ان کا فرض کیا ہے کہ باطل کے انکار اور اللہ پر اس اللہ ان کے ایمان پر جسے وہ ہیں، دوسروں کو بھی اس کی طرف دعوت دے دیں، اولوالعزم رسولوں کی پیروی میں پوری جہاد فرمائی جائے۔ سب کی بڑائی بیان کرتے رہیں، انتہائے سنی کا دشمن صرف آخرت کو جائیں اور اللہ کی رحمت پر یقین رکھیں جو صرف محسنین کا حق ہے۔

﴿اسْمِعُوا لِلَّهِ وَاصْبِرُوا إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّذِينَ يُبْنِئُونَ مِنْ بَنَاءٍ مِنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ

لِلْمُتَّقِينَ﴾

”اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو، زمین اللہ کی ہے، اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بنادیتا ہے اور خودی کا میراثی نہیں کے لئے ہے جس سے ذوق ہوئے کام کریں۔“

دوسرا حصہ

دستورِ اسلامی کا نمونہ

اب میں اپنی کتب اور سطور اسلامی کا اور ترجمہ کرنا چاہتا ہوں تاکہ اسلامی آئین کا ایک نمونہ بن سکے۔

برہم کی برہمن کی تمام تر قہر میں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔  
 یہاں بھی اس کی تعظیم کا دم دلا ہے۔ ہر دم کا آگاہ ہے۔ ہر دم کی توفیق اور حکم اسی کا ہے اور ہر شریعت اور  
 فیصلہ اسی ہی کا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی برکتیں ہر دم کو پہنچا رہی ہیں۔ اس کے محبوب پر ذات اور انبیاء اور رسول  
 محبوب سے آخری و خیر ہے۔ یہ جو عمل اور شریعت سب سے سیدھے رستے اور کامل ترین کا قانون  
 کے ساتھ پہنچا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آیت اور کلام و بات و توحید پر اللہ تعالیٰ نے اللہ تعالیٰ پر۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کہ یہ کتاب مسلمانوں کی بیشتر کوششوں کی اسلامی شریعت سے  
 مل کر دینی ماحول میں ان کی جڑیں سے مسلمانوں کو اپنے عقائد پر عمل کا حکم دینے کے لئے منظر تصنیف کی  
 گئی ہے کہ جو قوانین میں توبہ کی طور پر ان کے لئے پیش کی گئی ہیں اور ان سے ان کے عقائد اور دینی  
 تعلیمات سے مطاب رکھتے ہیں، یہی ہیں کہ مسلمان ایسے دستور زندگی گزارنے لگے جو ان کی  
 طور پر ان کے عقائد میں ان کی جڑیں سے سبب توبہ میں نے آزادی کا حاکم دیکھا اور یہ اس سنگین  
 آیت کا مطلب چاہئے کہ اور یہی وہی ہیں کہ تینوں نے اس آیت میں مسلمانوں کو توبہ سے مسلسل  
 چلو کیا ہے ان کے باوجود ان کے گناہوں اور ان کے طریقہ کے سبب اسلامی حکومت کے ذریعہ کے بعد  
 اسے توبہ کی آزادی دینا ضروری سمجھا۔

یہاں میں یہ کہیں کہ انسانی سائنس کے کفر پر قائم ہمارے اس ظلم و برہوت سے جہاں اسلامی حکومت قائم کرنے کی خاطر کیا جو وجود کے لئے مجبور ذہنی جوہر کو مرنے کے مجبور روح کے لئے سرفروشی کی شایں کے خلاف پر دستار پہنچنے کی بہت بات واقف لوگوں کا ہے جس نے تمام مضامین ذہنی کو اپنی لیٹ میں لایا۔ چنانچہ حیدر علیہ نے فریاد کیا کہ کفر و انانیت سے لوگوں میں سرت کر کہا جاتا ہے کہ یہ کفر و انانیت ہے جو کفر و انانیت کے لئے ہے۔

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	پہلا باب	۲۶۱
۲	الرد المحتور خلاصہ	۲۶۵
۳	فصل ۱۔ حکام کے حلقے	۲۶۵
۴	صوبہ کی مجلس انتظامیہ کے بیان میں	۲۶۴
۵	دوسرا باب۔ اس میں دو اور مقامات کی حکام کی تعینات اور مشرقی کے بیان میں	۲۸۲
۶	اسلامی اور دستور کا دوسری فصل	۲۸۳
۷	فصل ۳۔ اور غیر اہل اختیار	۲۸۵
۸	فصل ۴۔ سرکاری مروج کا استعمال	۲۸۶
۹	تیسرا باب۔ سیاست و اقتصادیات۔ پہلی فصل: اجناس و مہل و ذرائع آمدن و اس کی تحریکی	۲۹۰
۱۰	دوسری فصل: حکومت کی ساخت و ترتیب	۲۹۲
۱۱	تیسری فصل: بیت المال کے مصارف	۲۹۳
۱۲	چوتھا باب: تعلیم و تربیت۔ پہلی فصل: تعلیم کا وہابیت کی حقیقت۔ کیا مراکز و مدارس و اس کی تعلیم	۲۹۷
۱۳	دوسری فصل: عازمی تعلیم و اجرائی تعلیم	۲۹۸
۱۴	تیسری فصل: خوشنکی تعلیم	۳۰۱
۱۵	چاندھ باب: شہریت و باہر شہریت و دیگر	۳۰۵
۱۶	پنچواں باب: شہریت و غیر شہریت۔ پہلی فصل: عازمیت و غیر عازمیت و اس کی اسرار و اس	۳۰۷
۱۷	فصل ۲۔ عازمیت کا حکام	۳۰۸
۱۸	تیسری فصل: خوشنکی	۳۱۰
۱۹	چھٹا باب: خاندانی و نسلی اصول۔ خلافت اسلامیہ کے گھڑاؤ اور سناٹوں کے اس وقت	۳۱۲
۲۰	دوسری فصل: خلافت و دیگر حکام کے انتخاب و اس کے خاندان کا جملہ	۳۱۲
۲۱	آٹھواں باب: شہریت و باہر شہریت	۳۱۲





(میں جس شخص نے ہماری دعوت کی پیروی کی تو وہ میرا ہونگا اور نہ بدعت ہوگا)  
(الاقیہ 123/20) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اطاعت ہے جس کے تحقق اللہ تعالیٰ نے فرمایا (اور اگر تم اس (آپ علیہ السلام) کی اطاعت کرو گے تو ہدایت کو پاؤ گے) (الاقیہ 54/24)  
اور انعام اہل صالح ہے کہ جن سے اللہ و رسول و امرت کا وعدہ تحقق ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے  
پیش نظر (اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو تم میں سے ایمان لائے اور انہیں نے نیک کام  
کئے انہیں ضرور عطا فرمائے (سلطنت) کے گاؤں میں جیسے ان کے پیلوں کو عطا فرمادی، اور مالیت حق کے  
لئے ان کا دین ضرور قوت (احکام) ہو گا جو اس نے ان کے لئے پسند کیا اور مالیت ان کے لئے خوف  
کے بعد ضرور اہل دین (الاقیہ 24/55)

اور آخر میں عرض یہ ہے کہ یہ اسلامی دستور ہے جسے میں ہر مسلمان حاکم کے سامنے پیش  
کر رہا ہوں اور تمام مسلمان حاکم کو اپنے لئے اور اپنے عمل کی اہمیت دیتا ہوں اور میرا یہ وجود یہ اعجاز ہے  
کہ ہر راست جس کے خلاف کو اس کو قبول نہ ملے نہ وہ حق کے ساتھ نہیں ہے اور اسے اپنا نہیں کیے  
اس کے لئے دنیاوی عزت و سعادت ہی اور آخری عزت اور آخرت میں عیش و عشرت کی نعمتوں کے ساتھ  
کامیابی کو پیش کرتا ہوں۔

اور یہ دستور حق و اعلیٰ مقام پر مشتمل ہے

(۱) سیاسی قسم۔ (۲) تفسار اور دعوت سے متعلق احکام کی قسم۔ (۳) اسلامی حکمرانی  
قسم۔ (۴) شرعی دعوت کی قسم۔

اور میں اللہ شہید بنانے سے سوال کرتا ہوں کہ جو کچھ اس دستور میں درج ہے تمام مسلمان  
حکمرانوں کو اس پر عمل کی تلقین عطا فرمائے اور ان کے لئے وہ عزت و شرافت عطا فرمائی اور پاکیزگی و اہل  
توحید کی وجہ فرمائے کہ جس پر ان کے فیکل و دلوں کی نگاہیں ہوتی ہیں تاکہ وہ دنیا میں دنیا و آخرت دونوں  
میں سعادت مند ہو جائیں۔ اسے اللہ تعالیٰ کی قسم تھی فرمایا شیخ و اطاعت و تہذیب و اہل ہے اور سلامتی ہو  
تمام رسولوں پر اور ہر قسم کی تباہی و فتنہ اللہ بے رحمت کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

### الدستور الاسلامی

دستور اسلامی کی تعریف: اللہ تعالیٰ کا اسلامی دستور اسے کہتے ہیں جو انسان کی تکمیل اور دنیاوی  
و اخروی منزل میں اسے سعادت مند بنانے کے لئے وضع کیا گیا۔

انسان کی تکمیل کا مطلب: انسان اپنے حاکم و مطلق میں ناقص اور اپنے ذاتی نقصان،  
انسانی قیمت اور انسانی آداب میں ناقص پیدا کیا جاتا ہے اور ان سب امور میں وہ تکمیل کو حاصل ہوتا ہے  
اور وہی عام پر اس پر رحم فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے اپنا بھی دستور مقرر فرمایا ہے جو اللہ رب  
و حضرت کی شریعت اور اس کا راستہ ہے تاکہ اس کی بدلت انسان کامل اور اپنے پروردگار کے پاس معزز  
بن جائے۔

سعادت کا معنی: اس زندگی کی سعادت انسانی جسم کو اس کے کھانے پینے اور ہر قسم کے  
جسمانی و نفسانی مشقت و تکلیف سے خالی رکھ کر جس ضروریات کے حصول کے ساتھ آسودہ حال بنانا ہے  
اور آخری زندگی کی سعادت یہ ہے کہ سلامتی والے گھر میں کامل نعمتوں کی لذت کے ساتھ انسانی جسم  
اور روح دونوں کو خوشحال بنایا جائے۔

(۱) سیاسی قسم اور اس میں آٹھ اہباب ہیں جو انہیں فضلوں اور جمہور و فضاہت پر مشتمل  
ہیں پہلا باب حکومت کے بیان میں اور اس میں چار فصلیں ہیں پہلی فصل حکومت بنانے سے متعلق ہے  
اور اس میں پانچ دفعات ہیں: دفعہ (۱) اس مقرر کو رکنہ کی بنیاد رکھنے کے متعلق ہے۔

اسلام نے اپنا اہتمام کرنے والوں پر اپنے لئے ایک نظام مقرر کر رکھا ہے تاکہ ایک ایسی حکومت قائم  
کر لائے جو شریعت قائم کرنے کے سلسلہ میں امام کی سعادت کرے اور لوگوں کو اس امر پر  
اعمال دے تاکہ وہ اس کی بدلت و دنیا و آخرت میں سعادت کو پالیں۔ اور اس اسلامی کا جواب کہ تین و تیس  
ہیں۔ سب سے پہلی دلیل: اللہ تعالیٰ کا رسول اپنے حضرت محمد ﷺ کو تمام مسلمانوں کا امام مقرر  
کرنے کا حکم دیا اور علیہ السلام کے پروردگار کا حکم آپ (علیہ السلام) کو لوگوں کے درمیان فیصلہ  
کرنے کا ہے اس واسطے کہ آپ کے تحت (یعنی ایک حکم) ہے آپ کی طرف کتاب نازل کی گئی تاکہ آپ

لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیں جو اللہ آپ کو نکالے (سورہ اے 105/4) نیز اپنے اس امر پر  
پاک کے تحت (اور یہ کہ ان کے درمیان فیصلہ کریں اس سے جو نازل کیا اللہ نے اور ان کی خواہشوں پر نہ  
چلو) (الحدیث: 49/5) اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے انہیں کے فیصلہ گراما اپنے اس قول سے واجب  
کر رہا (پس قسم ہے آپ کے رب کی وہ مومن نہ ہو گئے جب تک آپ کو ضعف نہ بنا میں اس بھٹوے  
میں جان کے درمیان اٹھے) (65/4) اور آپ علیہ السلام کی پہلی اس اپنے اس قول میں لازماً قرار دی  
(یقیناً تمہارے لئے ہے اللہ کے رسول ﷺ) میں ایک ہجرت سنو (21/33) اور آپ علیہ  
الصلوٰۃ والسلام امر اگو متعین فرماتے تھے اور گورنروں کے ساتھ حکام اور تاجروں کو مختلف صوبوں اور  
علاقوں میں بھیجا کرتے تھے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ سے علم اور اس کے حکم سے تھا لہذا اس سے اس امر پر  
رلائت ہوئی کہ مسلمانوں کا چنانچہ امر مقرر کرنا اور اپنی حکومت قائم کرنا واجب ہے۔

دوسری دلیل: آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ احادیث مبارکہ ہیں جو اس بات کا فیصلہ کرتی  
ہیں۔ جیسا کہ آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ "جب تم آدمی دشمنی نہیں تو اپنے آپ ایک شخص کو امیر مقرر  
کر لیا کریں" (ابوداؤد) اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ "ان تمہیں انھیں کے لئے جائز نہیں جو کسی بیابان  
زمین میں ہوں مگر یہ کہ وہ اپنے درمیان کسی ایک کا چنانچہ امیر مقرر کر لیں" (اسے احمد نے ابن عمر رضی اللہ عنہما  
سے روایت کیا)

تیسری دلیل: تمام مسلمانوں کا (جو مگر اپنی مرضی نہیں ہو سکتے) اس وجہ پر اجتماع اور ان کا  
اپنے نبی اور سب سے پہلا امام آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت اس وجہ کے قیام میں جلدی کرنا  
بسی طور پر انہوں نے آپ ﷺ کے خلیفہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی جو مسلمانوں کو  
ان کے رب کی شریعت اور ان کے نبی ﷺ کے طریقہ پر عمل کا بعد اسی طرح ہم دیتے تھے۔ جس طرح  
اللہ کے رسول ﷺ ہم دیا کرتے تھے۔

دفعہ (2) علیہ مقرر کرنے اور اس کی اطاعت واجب ہونے کے بیان میں مسلمانوں پر ان کا  
خلیفہ و امراء میں سے کسی ایک امر سے مقرر کیا جائے گا پہلا امر یا پہلا طریقہ: یہ ہے کہ خلیفہ کو امت

میں ہر ایک میں اور دور وراثت شہادت کے انتخاب واسطے طریقے سے مقرر کیا جائے۔ چنانچہ علماء و مفتیان  
اور صدیقان جہاد و اقتصاد سے وابستہ بڑے حضرات اس منتخب خلیفہ کے ہاتھ پر کتاب و سنت کے مطابق  
عدل و شریعت قائم کرنے پر بیعت کریں پھر اپنی امتیاز کتاب و سنت کے مطابق شریعت اور عدل  
انصاف قائم کرنے پر ان کی بیعت میں ان کے ہاتھ پر بیعت کرے اور "خیر خیر دینی کے کہ وہ  
میں اس کی اطاعت واجب ہو جائے گی اور اس کی بیعت ۱۶ ہوگی جب تک کہ وہ مسلمانوں سے  
درمیان ان سے سب کی شریعت اور ان کے نبی ﷺ کے طریقے سے مطابقت نہیں کرتا رہے اور عدل و  
شریعت قائم نہ کرے اور اپنی طریقہ کار پر سب سے پہلے خلیفہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مقرر کرے  
گئے۔

دوسرا طریقہ: یہ ہے کہ خلیفہ خود اپنے آپ کو اختیار کرے اور لوگوں کو اپنی  
بیعت کی وجہ سے وراثت میں سے دور اندیش اور ہر ایک میں علماء و صدیقان جہاد و مالکیت و اقتصاد  
سے وابستہ بڑے حضرات جلدی سے کتاب و سنت کے حکم کے مطابق شریعت اور عدل قائم کرنے پر اس  
کے ہاتھ پر بیعت کر لیں پھر ان کی دیکھا کہ ان میں باقی تمام مسلمان بھی اس کے ہاتھ پر اپنی امر پر بیعت  
کر لیں کہ جس امر پر دور اندیش و ہر ایک میں حضرات اس کے ہاتھ پر بیعت کی ہو وہی کتاب و سنت  
کے مطابق فیصلہ کرے اور عدل و شریعت کا قیام۔ اور اس بات مسلمانوں کے خلیفہ اور ان کے امام کی اطاعت  
کے لازم ہونے کی بات اللہ رب اعزت اور شرف دے رہا ہے (اسلامیاد: اور اطاعت کرو اللہ کی  
اور اطاعت کرو رسول ﷺ) کی اور ان کی جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں) (58/4) اور آپ  
علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد پاک ہے کہ "سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم ایک منشی غلام دھاک ہو جس کا سر  
سکینش کی مانند ہو" (اسے بخاری نے اور احمد نے روایت کیا) جیسا کہ مسلمانوں کے خلیفہ و امام کے  
خلافت سرکشی اور اس کے حکم کی بیعت آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فرمان سے ثابت ہے کہ "جو شخص  
اپنے امیر سے کوئی چیز مانگے کہ تو اسے مانگے کہ میرے کہ کوئی شخص بادشاہ کے خلاف ایک بات  
کے برابر نکلے گا (بیعت کرے گا) تو وہ بیعت کی موت مرے گا (مطلق علیہ) اور اچھے کاموں کے علاوہ

دیکر غیر شرعی امور میں مداخلت واجب ہے اور مذہبی بغاوت حرام ہے کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ  
 ”مسلمان شخص پر منشاء اور اطاعت کرنا لازم ہے اس کام میں جسے وہ پسند کرے اور اس کام میں بھی جسے وہ  
 ناپسند کرے جب تک اسے کسی اہمیت کا حکم نہ دیا جائے جو حسب اسے کسی اہمیت کا حکم دیا جائے تو نہ  
 منشاء جائے اور نہ اطاعت کرے۔“

### دفعہ (3) خلیفہ کی صفات کے بیان میں

خلافت یا امامت پر اہل شخص کے ہاتھ پر اختیار ہی بیعت کی جائے گی جس میں درج ذیل  
 صفات جمع ہوں:

(1) اسلام اس حیثیت سے کہ باقوی دار و مؤمن ہو اللہ رب العزت کے فرائض انجام داتا ہو  
 اور اس کے منہ کر دہ امور سے مکمل اجازت رکھتا ہو۔

(2) صحیح سلامت عقل۔

(3) اندھے، مجنوں اور بہرے پین سے صحیح سلامت ہوگا اور اسی طریقے پر پا قبول اور  
 ہیوں کا صحیح سلامت ہوگا۔

(4) کتاب و سنت اور شریعت کے اصول و فروع پر عمل اور یہ کہ ان امور کے اندر وہ اجتہاد کا  
 وہجہ رکھتا ہو۔

(5) مہرز اور پاکیزہ نسب کا ہونا۔

یہی بات اسلام کے شرط ہونے کی تو وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پاک کی بناء پر ہے (اور  
 اطاعت کر دان کی جہز میں سے حکومت والے ہیں) جس کے سیاق میں مہزین کو خطاب ہے چنانچہ اس  
 سے اس امر پر دلالت ہوئی کہ خلیفہ اور امام کے اندر ایمان کا ہونا شرط ہے۔ اور دینی عقل کی شرط تو وہ اس  
 وجہ سے ہے کہ مشفقین اور مددکارانہ عقل سے متعلق ہوا کرتی ہیں۔ اور اعضاء و حواس میں سلامتی کی  
 شرط اس بنا پر ہے کہ اہم منصب کا حق وہی شخص ادا کر سکا ہے جو صحیح سلامت اعضاء و حواس کا مالک  
 ہو۔ اور دینی بات شریعت کا حکم رکھنے کے شرط کی تو وہ اس لئے ہے کہ شریعت ہی دراصل اصل حکم اور

قانون ہے تو جو شخص شریعت کو نہیں جانتا تو نہ اس کے لئے شریعت کے مطابق فیصلہ کرنا ممکن ہے اور نہ  
 ہی وہ مطلوبہ بصیرت پر اس کا خیال کر سکتا ہے۔ اور وہی بات سب کے بڑا اور مہرز ہونے کی تو اس کی وجہ  
 یہ ہے کہ تمام انبیاء، مہرز اس میں سے نبوت کے جاتے تھے۔ اور طلبہ ہونگا۔ امت اور شریعت کے  
 معاملے میں اللہ کے رسول ﷺ کا طلبہ ہونا کہتا ہے تو طلبہ اس مناسب ہیں ہے کہ وہ انچے اور مہرز سب اور  
 ہونے کے لئے اور اگر سے پڑے سب والا ہو کیونکہ اس کی نفقت و احترام کے لوازمات میں سے ہے اور غیر  
 اس کی اطاعت بغیر بائبر داری کے ہی لازم ہے اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول اس بات کا  
 شاہد ہے کہ ”عرب دین اختیار نہیں کر سکا مگر اس قریشی قبیلہ کی بدلت اور یہ مقام عرب کے ہاں قریش  
 کے مہرز ہونے اور ادا کیے رہنے کا ہے۔“

دفعہ (4) مجلس خلافت تشکیل دینے اور اس کے اہم کام کے متعلق

مجلس خلافت کے نام سے مہزین ایک مجلس حکومت کی ذمہ داریوں اور کام کا جگہ کے بوجھ  
 کے سلسلہ میں خلیفہ کی معاون و مددگار ہوگی جو ان افراد سے مل کر بنے گی۔ (1) خلیفہ کا ایک ایسا نائب  
 جو علم، نیکی، کلمائیت اور خلافت کی ذمہ داریوں اور حکومت کے اہم کاموں کے عمل میں اس کا ہم مثل ہو  
 (2) علم، جنگ و قتال اور مال و چاندی اور دالے دو ایک تجربہ کار افراد کہ جن کا شمار ملک کے دور اندیش  
 اور باریک میں شخصیات میں ہوتا ہو۔ اور ہاں مجلس کا اہم ترین کام تو وہ ہے کہ باہمی رائے اور  
 مشورے کے ذریعے خلیفہ کی رہنمائی اور معاونت کو زیادہ سے زیادہ بڑھا جائے۔ اور یہ اللہ رب العزت  
 کے اس قول پر عمل کے پیش نظر ہے۔ (اور آپ ان سے مشورہ کر لیا کریں معاملے میں) (اور دوسری جگہ  
 ارشاد ہے: (اور ان کو اپنے درمیان (مداخلت میں) مشورے کا حکم ہے) اور رسول اللہ ﷺ کی خبر دی  
 اور آپ علیہ السلام کی سنت پر عمل کے سبب ہے اس طور پر کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے صحابہ رضی اللہ  
 عنہم سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہم بہت سے امور میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو  
 وہ اپنے مشورے سے جو وہ مناسب سمجھتے تھے چنانچہ آپ علیہ السلام ان کی رائے اور مشورے کو قبول  
 کر لیتے۔ یہاں تک کہ ان کی حیثیت آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذرا کم ہی تھی اور وہ آپ علیہ السلام





مسلم حکمرانوں کی توجہ دہن کیلئے یہ اہمیت کرتی ہوگی کہ یہ کہہ کر اہل دین پر تمام شکام کا اثر اسی وقت سے ختم ہو جائے گا۔ اور اس کا سبب آپ ﷺ کا قول ہے کہ بلاشبہ مسلمان لوگ مجھے بخشے اور اس کا نفاذ قرآن کی عزت کرنا اللہ جل جلالہ کی تعظیم میں داخل ہے جو عزت اسے (قرآن کریم کریم) ملنا مستطابہ میں استعمال کیا جاتا ہے اور اس خاص سے یہ دعویٰ کرتا ہے اور اس طریقے پر منصف بادشاہ کی عزت کرتا ہے۔

### (تیسری فصل)

حکومت کی کیفیت اور خلافت کے تابع صوبوں کا نظام چلانے کے بیان میں اور اس فصل میں دو دفعات ہیں۔ پہلا دفعہ طریقہ کا کوئی نائب متین کرنے سے متعلق ہے۔

غلیظاً پنا ایک نائب متین کرنا جو حکومت اور خلافت کے تابع تمام صوبوں کا نظام چلانے کا دلی ہوگا جو "والی الاموال" یعنی تمام صوبوں کا حاکم کہلا جائے گا۔ اس امر کو یاد رکھئے ہوئے کہ اس میں تقریباً دو تمام مطلوبہ شرائط پائی جائیں جو خلافت کے لئے منصب خلافت مستحق ہونے کے لئے مطلب ہو اگر کسی میں یعنی کہ شریعت کے تمام اصول و فروع کا علم رکھنا اور تقاضائی و مستحقانہ کی صفت سے منصف ہونا اور اس معاملہ میں دنیاوی امور رسول اللہ ﷺ اور آپ علیہ السلام کے بعد منالغائے راہدین کا عمل ہے کہ وہ حکام کو اپنی طرف سے متین فرماتے تھے کہ وہ دارالحکومت سے دور دراز واقع علاقوں پر تشریف لائیں۔

### دفعہ (2)

صوبہ کی مجلس انتظامیہ کے بیان میں

خلیفہ کا نائب جب صوبہ میں آکر مسلم ہو جائے تو اسے ازہم ازہم ہے کہ وہ اپنی زندگی کی ایک صوبہ جانی مجلس جو وہیں اسے اور اس مجلس کے لئے وہاں کے ارکان صوبہ اور ضرورت پڑنے پر صوبہ سے باہر کے علم و تقویٰ اور استقامت جیسی صفات کے حاملین حضرات میں سے منتخب کر لیا جائے گا کہ یہ مجلس مجلس خلافت (وزارہ کی مجلس) کی ایک چھوٹی سی شکل ہوگی پھر وہ علم و حرب و قتال و اقتصاد اور جماعت والوں میں سے نیرو و استطاعت رکھنے والے حضرات کو اس مجلس میں شامل کر لے گا۔ اور حکام اس مجلس میں

سے اپنا ایک سہارا اور جماعت تشکیل دینا جس کے ذریعے وہ صوبہ کا نظام چلائے گا اور اس پر حکمرانی کرے گا۔ اور جیسا کہ وہ اس مجلس کے ارکان میں سے ہرگز نہ تمام صوبوں میں ملک کے خلافت اور اس میں کسی ایک خلافت کا کام کا نظام سونپے گا تو ساتھ ہی ساتھ وہ ان مجلس کے تمام ارکان کی مشورہ لے گا اور ان میں سے اکثریت کی (دس رے کو پانچے گا۔ پانچوہ فقہاء کی جماعت میں سے تائیدوں کا ایک سربراہ مقرر کرے گا۔ ان کی جماعت میں سے تعلیم کا ایک سربراہ مقرر کرے گا اور میدان کا نواز سے داہست جماعت میں سے اسے دکان کا ایک سربراہ مقرر کرے گا اور اسی طریقے پر ہر خصوصاً خلافتی کام کا سربراہ اپنے شعبہ میں ایک عام سربراہ مقرر کرے گا اور اپنے تمام ضرورتوں کو اس کے حوالے کر دے گا چنانچہ ان حضرات میں سے کوئی بھی اپنے خلافتی کام سے متعلق کسی بھی امر کو اس وقت تک نافذ نہیں کرے گا جب تک کہ اسے مجلس کے دو ہر پیش نہ کر دے اور اس پر تبادلہ خیال کر کے اس پر موافقت نہ کر لے پھر اس کے بعد یہ امر تصدیق اور ثابت کرنے کے لئے اس مجلس خلافت کے سامنے رکھا جائے گا۔

### وضاحت:

مثال کے طور پر اگر کوئی وزارت تعلیم اپنی وزارت کے متعلق کوئی رائے دیکھے تو وہ اس میں غور و خوض اور اس کی تصدیق کے لئے اس کو مجلس خلافت کے تمام ارکان کے سامنے پیش کرے گا سو جب مجلس کی موافقت ثابت ہو جائے تو خلیفہ اس امر کو جاری کر دے گا اور وزیر کے حوالے کر کے اسے تمام صوبوں اور علاقوں میں اس امر کے نفاذ اور اس پر عمل کرنے کے لئے سارے تعلیمی سربراہان کی طرف روانہ کر دے گا اور وزراء کی مجلس میں ہر وزیر کی پستی میں یہ حال ہوگا۔

### چوتھی فصل

صوبہ کے اندر شہروں اور گاؤں دیہاتوں کا نظام چلانے کے بیان میں اور اس فصل میں نو دفعات ہیں پہلا دفعہ شہری مجلس کے قیام کے بیان میں شہری تاریخ میں تمام گاؤں دیہاتوں کی سربراہی شہری مجلس کے نام سے معلوم ایک مجلس کرے گی۔ اس مجلس کے ارکان ملک کے تمام علاقوں میں اپنی اپنی ماہر و تجربہ کار افراد میں سے ہونگے اس طرح ہر گاہ کہ اس میں ہرگز نہ حکومت کے نفاذ کا دلیں میں سے

کسی ایک کام کے سربراہ کا قائم مقام ہوگا۔ چنانچہ اس مجلس کا سربراہ دوسرے کے حاکم کا نائب ہوگا اور پولیس کا سربراہ دوسرے میں عام امن و امان کے سربراہ کا نائب ہوگا اور عدالت اور قاضیوں کا سربراہ دوسرے میں عدل و انصاف کے سربراہ کا قائم مقام ہوگا اور اسی طرح سے ہر شعبہ میں ہوگا یہاں تک کہ شہر کی مجلس اس صوبائی مجلس کی چھوٹی سی مجلس بن جائے گی جو خود پولیس، خلافت کی ایک شکل ہے۔

**دفعہ (2) شہری مجلس کے مقصد کے بیان میں:**

شہری مجلس کا مقصد ہوا اور میں مقرر ہے۔ پہلا ہر امر اس سبب کو تلاش کرنا ہے جو شہر کی شان کو اونچا کر دے اور اس کے لئے درستی اور بھلائی کو یقینی بنائے اور اسی طرح اس معاملے میں ہر طرح سے تعاون کرتا ہے۔ ایک تو یہ کہ ہر رکن ان تمام مسئلوں کو پیش کرے جو اس کی مصلحت یعنی خلائی کام میں پیش آئیں اور دوسرے یہ کہ مجلس کے تمام ارکان ان مسائل کے حل کے حوالے سے ایک دوسرے سے مشورہ لیں اور پھر ایک مشترکہ رائے کو اپنائیں۔ اور دوسرا یہ ہے کہ مجلس میں موجود ہر رکن شہر میں حکمت کے خلائی کاموں میں سے کسی ایک خلائی کام کی سربراہی انجام دے، دیکھ اور اسی بناء پر شہری مجلس سے ورژن اپیل مجلس وجود میں آئیں گی:

(1) پولیس کی مجلس۔ (2) قضا اور فیصلہ کی مجلس۔ (3) مالیات کی مجلس۔ (4) تعلیمی مجلس۔ (5) اجتماعی اصلاح کی مجلس۔

دفعہ (3) پولیس کی مجلس کے قیام اور اس کے مقصد کے بیان میں پولیس کا عملدان افراد سے مل کر بنے گا:

(1) پولیس کے ٹیبل کا سربراہ اور اس کے لئے یہ شرط لگا لی جائے گی کہ وہ خیریت کا علم رکھنے والا ہو اور صاحبِ تقویٰ راستہ پر ہو۔

(2) مجلس میں کام کرنے والے ارکان اور عملے کے کاموں کی آسانی کے سلسلہ میں ان کی مدد کریں گے۔ اور اس عملے کے تصرف کے تحت ان میں جیسے افراد کی کچھ تعداد مقرر کی جائے گی جو شہری کشادگی، اہم چکی کے حساب سے کم زیادہ ہوتے رہیں گے۔ یہ لوگ پولیس کے اصل مقصد کو جو ہوا میں

انہیں کے جان امور پر مشتمل ہے۔

(1) شہر کے اندر امن و امان اور درست نظام کی حفاظت۔

(2) شہر کے اندر عام چال چلن کی ترتیب اور اس کی سرچشی۔

(3) امن شہری کام کا نڈہ چھینیں حکومت تمام اہلیان وطن پر صادر کرتی ہے۔

(4) شہر کے اندر اہلیان وطن کے مابین امن کی قائم کرنا اور برائی سے منع کرنا چاہیے ہے ہر اس اچھائی کا ختم کریں گے جس کو یہ لوگوں کے درمیان چھٹا نہ دیکھیں گے اور ہر اس برائی سے منع کریں گے جس کا یہ لوگوں کے درمیان ارتکاب کرتا ہو دیکھیں گے اور یہ اللہ رب العزت کے ان ارشاد کے پیش نظر ہے (اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہوئی جائے جو خیر کی طرف بلائے اور اچھائی کا ختم کرے اور برائی سے منع کرے اور یہی لوگ کامیاب ہیں) (آل عمران 104)

**دفعہ (4) عدل و قضا کی مجلس کے بیان میں**

ایک شہریا قریب کے تمام گاؤں دیہاتوں میں عدل و قضا کی ایک عدالت قائم ہوگی جو ایک سربراہ اور چند قاضیوں پر مشتمل ہوگی۔ یہ قضا میں صاحبان اس سربراہ کی ان فیصلوں میں شری احکام صادر کرنے کے سلسلہ میں مدد کریں گے جنہیں اہلیان وطن خود و خود اور فیصلے کے لئے عدالت میں پیش کر رہے ہیں اور یہ اللہ رب العزت کے اس ارشاد کے پیش نظر ہے (تم نے اپنے پیغمبروں کو ملی ہوئی چیزیں دیکھ کر کہا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب کو اور انصاف کرنے کو نازل کیا تاکہ لوگ اعتدال پر قائم رہیں) اور نیز اس ارشاد پاک کے پیش نظر ہے (اور ہر لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو)۔

**دفعہ (5) مالیاتی مجلس کے بیان میں**

کسی ایک شہریا قریب تمام گاؤں دیہاتوں میں ایک مالیاتی مجلس قائم ہوگی جو صندوق کے ایک سربراہ، ایک کتاب، ایک حساب کتاب کے ماہر اور اور خراج جمع کرنے والے شخص پر مشتمل ہوگی۔ اس صندوق میں ملک کے اموال جمع کرنے اور تصرف کرنے کی خاطر رکھے جائیں گے۔ اس پر بیت المال

کے فرخ (اس کی ایک قسم) کا اخلاق ہو گا اور یہ مالیات کی وزارت اور خلافت کے بیت المال کے ساتھ

ط: یا ہوگا۔

دفعہ (6) تعلیمی مجلس کے بیان میں

ملاوٹ کسی ایک شہر میں ایک تعلیمی ادارہ جو، جس الیا جائے گا ایک سربراہ اور پندرہ  
 مقررین اور نوجوانانہ شاخیں پر مشتمل ہوگا اور اس کے متعدد تعلیمی معاملات کو قیام اور اسے میں تعلیم کے عام  
 ادارے کے قیام کو جو تعلیمی معاملات کے لئے گائز میں ہے اور یہ ادارہ ایسے امیر پر قائم ہوگا جن کا تعلق  
 تعلیم و تربیت سے پیدا ہو، متعدد کے ساتھ ہو۔

بعد (7) اجتماعی اصلاح کے عملے کی مجلس اور اس کے مقصد کے بیان میں اجتماعی اصلاح کے عملے کی مجلس ان افراد سے مل کر رہے گی:

(1) اسلامی شریعت کا علم رکھنے والا ایک جدید عالم جو سربراہ ہوگا۔ (2) ایک ماہر و تجربہ کار  
 ٹھیکہ دار۔ (3) ماہر و حاذق طبیب۔ (4) قیامت کا پرخص۔ اور اس عمل کا مقصد وہ تمام امور ہیں  
 جو شرع، مذہبی و فاضلی، دونوں پہلوؤں کے معاملات سے تعلق رکھتے ہیں اور جو درج ذیل ہیں:

(1) شہروں اور گاؤں میں تیسرات اور حدود مقررہ کرنے کی صدارت۔ (2) شہر اور گاؤں کو کھد میں برابر برابر عام صفائی۔

(3) یانی اور کلکی کے اختلافات کی حفاظت اور ان کی دیکھ بھال ۲۔ (4) شورو اور گرواں  
دیوتاؤں میں اشیاء کی مبتلی کی دیکھ بھال ۵۔ (5) آگ بھجوانے اور جان بھانے والے  
(اہرنسہ) آلات و ذرائع کی تیاری اور ضرورت پڑنے پر انہیں محل میں لانا ۶۔ (6) مہلی مٹانے کی  
سرپرستی اور ان کی گھڑائی کرنا اور اسی طریقے پر نہا مٹانے کی ۷۔ (7) شتا بھانے والے، مٹی، پتھر اور  
کھیل کھوکھو، کھیدانے اور حاصل سندھ و غیر ترغیہاں وغیرہ ۸۔ (7) بازاروں میں، تھتی مٹیاں اور  
رتارنہ سامانوں کی گھڑائی ۸۔ (8) اہلیان و خن سردوں اور دروتوں کے لباس کی گھڑائی اور اسی طریقے پر  
مردوں اور دروتوں کے انگ انگ لباس کے اعتبار سے بھی ان کے لباس کی گھڑائی کرنا ۹۔ چنانچہ

مصر: بیویا غوربت و ذلول کو معرّفہ اسلامی لباس کے آداب کے باخبر سے باہر آنے کی اجازت نہ ہوگی

(9) لباس فی ایب ذی ب قمر کرنا اور اسے مندرجہ ذیل جماعتوں کے لئے مخصوص کرنا

(1) ملا۔ (2) فوج۔ (3) پولیس۔ (4) خورقیں۔ (5) فیملی کے افراد اور عزیزان۔

والا۔ اور یہ سارا اللہ آپ خیر العباد، اللہ کے اس ارشاد کے سبب خوف، احتیاط کے پیش نظر ہے کہ "جو جس قوم کی مشابہت اختیار کرے تو وہ انہیں میں سے ہوگا" (یعنی اس کا مشرانہیں سے ساتھ ہوگا)

انفدہ (8) مجلس صحت کے بیان میں۔

[illegible]

وفہ (9) باہمی تعاون کی جماعتیں تشکیل دینے کے بیان میں

پیش نظر اس بات کے اللہ رب العزت نے نیکی اور تقویٰ پر تعاون کا حکم دیا ہے اور گناہ اور سرکش  
بر تہکان سے منع فرمایا ہے اپنے اس ارشاد پاک میں کہ: (اور نیکی اور تقویٰ میں) ایک دوسرے کی مدد کرتے ہو  
اور گناہ اور زنا یا قبیح ایک دوسرے کی مدد نہ کرو) اور اس عالمی معیار کو محقق اور ثابت کرنے کے لئے خلافت



کے شہر کے قلعوں اور رستے گاؤں و بہاؤں میں ایک دوسرے کی ممانعت کی تھی مانتے تھے کہ ہمیں کسی اس طرح پر کھینچے یا گاؤں کے افراد جنہیں شہر کی مجلس کی ممانعت حاصل ہوئے اپنے گاؤں میں ایک ایسی جامع مسجد تعمیر کریں گے جو کھینچے یا گاؤں کے تمام افراد کے لئے خواہ مردوں یا عورتوں کے لئے، اور وہ لوگ ملنا، جو ملنا حضرت اہل بیت میں سے اپنے امام تھے کریں گے اور اپنی نذر و نیاز اس طرح پہنچے جسے وہ مرتبہ قرآن کریم اور حدیث پاک کا درس دینے کی غرض سے اپنی جامع مسجد میں تمام افراد کا ذکر و رسموں یا عورتوں کے لئے کرنے کی ذمہ داری اے سوچیں گے تاکہ اس سے ان کی عبادت، تہذیب، دین کی تحریک اور ان کے اخلاق درست ہوں۔ اور مسجد اہل مسجد کی مجلس اور اس کا منصف کھینچے یا گاؤں کے افراد سے ماہانہ چندہ وصول کرتا اور اسے اجتماعی صندوق میں محفوظ کر دیتا ہے۔

(۲) کھینچے یا گاؤں کی دیکھ بھال کی مجلس اور اس کا منصف کھینچے یا گاؤں کے رہنے والوں کے احوال پر اطلاع دیتا ہے۔ تاکہ ان میں بیدار بختی، نظم و ضبط، ہمدردی اور خالصتہ کلمہ پتہ لگ سکے اور پھر ان احوال کو کھینچے یا گاؤں کے امام کے سامنے پیش کرتا ہے تاکہ اسلامائے بے پڑاں اور اسلامی بھائی چارگی کے واسطے جو ممانعت فرض قرار دی جاتی ہے فوراً طور پر پیش کیا جاسکے۔

(۳) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی مجلس اور یہ ان افراد میں سے ہے جن کی ایک مجلس اہلکار اور دوسرے وہ شخص جسے شہر میں موجود عوام پر ایس کا ادارہ متعین کرے اور ان کے ملاتہ و مکنتہ دالوں میں سے بطور کارکن دوسرے افراد۔ اور اس کا منصف کھینچے یا گاؤں کے افراد کے چال چلن کی نگرانی اور ہر اس شخص کی بے گمانی کرنا جسے کوئی نیک کام چھوڑا ہو حالانکہ وہ اس کے اور کتاب پر مجبور نہ کیا گیا ہو اور پھر اسے مسجد نہ پہنچنے میں طلب کرنا تاکہ وہ مجلس اپنے مخصوص حدودی طریقوں سے اس کا مواخذہ کرے۔

(۴) تاہم مجلس یا وہ یہ ان افراد میں سے ہے جسے مسجد کا امام یا ایک مجلس اہلکار اور کھینچے سے صندوق کا امامین مجلس اور اس کا منصف کھینچے یا گاؤں میں سے ایسے دالوں میں ہر شخص کی ذمہ داری اور مواضع

کرنا ہے جو کسی نیک یا بھڑکے یا کسی برائی کا ارتکاب کر کے اپنے واجب میں غفلت ڈالے اور آدمیوں کو اٹھا ہو، یا غفلت ڈالے۔ اور یہ مجلس ان افراد کی اصلاح کے سلسلہ میں درج ذیل ذمہ داریوں کو اٹھاتا ہے۔

(۱) عذر و وجہت۔ کیونکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی کسی بھی دینے والے کام میں عذر و وجہت انہیں عذر و وجہت کو ادب سمجھا یا کرتے تھے۔ تاکہ اگر اس سے کام نہ لیتے تو پھر روئے دین، دسرا اور تیسرا طریقہ کار اختیار کیا جاسکتا تھا۔

(۲) کھینچے یا تمام افراد کی جانب سے اس سے مکمل اتفاق یہاں تک کہ اس کے قریب ترین رشتہ دار کی طرف سے بھی جسے تک کہ وہ اس بھلائی کو اختیار کرے تو نہ کرے جس کا وہ ارتکاب کرتا ہے پھر اگر اس سے بھی کوئی فائدہ حاصل نہ ہو تو پھر تیسرا طریقہ اختیار کیا جائے گا اور وہ یہ کہ:

(۳) یہ معاملہ شہر میں موجود پولیس کے دائرہ کار کے سامنے پیش کیا جائے گا اور کھینچے یا گاؤں کے تمام افراد کا تمام نیکو اس شخص کی اصلاح یا پھر کھینچے یا گاؤں سے ملنے والی اطلاع لیا جائے گا کیونکہ وہ ایک ایسے فائدہ مند شخص یا شخص کی صورت میں ہے جو دانا و نادر ہے جسے کہ اس کا فساد اور بگاڑ پہلے کے تمام نیک افراد میں مراعات کر جائے گا۔ اور یہی حال اس شخص کا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی منع کردہ حدوں میں سے کسی حد کا ارتکاب کیا ہو تو پھر اس صورت میں یہ معاملات فی الفور پولیس کے دائرہ کار کے ہاں فیصلہ منانے اور پھر باصوبے کے خلیفہ کے حاکم کی اجازت سے اس شخص پر حد جاری کرنے کے لئے لیا جائے گا۔

## دوسرا باب

اسن، امان اور دفاعی نظام کی تقویت اور مضبوطی کے بیان میں

اور اس باب میں چار فصلیں ہیں۔

پہلی فصل: دفاعی عمل کو تفصیل دینے کے بیان میں ہے، اور اس فصل میں تین دفعات ہیں: پہلا دفعہ مسلمانوں کی جانوں، مالوں اور عتقاد کو غیر دکانہ دفاع کرنے سے متعلق ہے کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے مطابق مسلمانوں کی رگوں، انہماک، عزت اور ان کے عقائد کا دفاع کرنا واجب ہے ارشاد خداوندی ہے: (اللہ کے راستے میں قتال کرو یا دفاع کرو) نیز ارشاد فرمایا: (اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کا زور ایک دوسرے سے ٹکراتا رہتا تو نصاریٰ کی مخالفتیں اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے، منہدم ہو گئے ہوتے اور تحقیق اللہ اس کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کرے گا) ثلث اللہ طاعت والا زبردست ہے، اور ایک جگہ ارشاد فرمایا: (اور اللہ کی راہ میں لڑو ان لوگوں سے جو تم سے لڑتے ہیں، اور مدد سے باہر مت آؤ کہ اللہ مدد سے یا ہر گز جانے والوں کو پسند نہیں کرتا) اور آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ: جو شخص اپنے مال کے دفاع میں لڑا تو وہ شہید ہے (یعنی مال کے دفاع کے لئے حراست کی اور اس حراست میں مارا گیا تو وہ شہید ہے)، اور جو شخص اپنی جان کے دفاع کیلئے لڑا تو وہ بھی شہید ہے۔ اور جو شخص اپنے دین کے دفاع میں مارا گیا تو وہ بھی شہید ہے۔ اور جو اپنے گھر والوں کے دفاع میں مارا گیا تو وہ بھی شہید ہے۔ اسے اصحاب سنن اور احسن روایت کیا ہے۔

دفعہ (۲): دفاعی مجلس کے بیان میں، اعلیٰ دفاعی مجلس ان افراد سے مل کر بنے گی:

(۱) دوزیر دفاع جو مجلس خلافت کا ایک رکن ہوگا۔ (۲) مسیح قوتوں کا ایک عام تاجدار یہ بھی

مجلس خلافت کا ایک رکن ہوگا۔ (۳) حرب قتال کے ارکان۔ (۴) اس مجلس کے تینوں ارکان میں سے ہر ایک کا ایک نائب چھٹیں۔

دفعہ (۳): دفاعی عمل کو خلافت کے ساتھ جوڑنے کے بیان میں

چونکہ دوزیر دفاع اور عمومی قائد دونوں مجلس خلافت کے دو ارکان ہیں اس لئے کہ اور اس دفاع جو اعلیٰ دفاعی مجلس ہے کوئی بھی قیام اور اس جو حالت جنگ اسلامی میں دفاعی حالت ہے۔ یہاں اس وقت تک نہیں اپنا ہے گا جب تک اسے مجلس خلافت کے سامنے پیش نہ کرے اور اس پر تاحلہ خیال کر کے اسے ثابت نہ کر دے۔ چنانچہ یہی ذہنی تابع، مسیح قوتوں کے عام ایڈرجب قتال کے ارکان یا ان کے علاوہ دکانہ رکن اور دکانہ میں سے کسی کے لئے یہ درست نہیں ہوگا کہ دوزیر اعلیٰ بعض الامت اور کسی بھی قتال کے غریبی نظر میں کوئی بھی امر اس وقت تک صادر کرے جب تک کہ مجلس خلافت کی جانب سے اس کی منظوری ظاہر نہ ہوگی، ہو اور نہ ملے اسلین کی جانب سے اسے جاری نہ کر دیا گیا ہو ورنہ بصورت دیگر مسیح قوتوں کے افراد میں سے کسی بھی فرد کے لئے کسی حال میں اس کی اطاعت اور اس کے تعمیل بجا آوری صحیح نہ ہوگی۔

## اسلامی دستور

## دوسری فصل

فوج میں بھرتی ہونا یا فوجی ملازمت: فیصلہ تین اجزاء پر مشتمل ہے

جز (۱): اسلامی فوج میں ملازمت کا وجہ:

اللہ کا ارشاد ہے: ﴿وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ حَتَّى تَكُونُوا مِنَ الْمُهْجَرِينَ﴾ (الحج ۷۸) (اور اللہ کی

راہ) میں جہاد کرو یہاں جہاد کرنے کا حق ہے۔

دوسری جگہ ہے: ﴿لَا يَرْغِبُ فِي الْحَرْبِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسُهُمْ وَأَمْوَالُهُمْ بِأَنْ لَيْسَ

الْحَرْبُ جَاهِدًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَفْتَلُونَ وَيَقْتُلُونَ وَعِدَّةٌ عَلَيْهِمْ حَقٌّ فِي النُّوَاتِ وَالْإِسْمَاعِلِ

وَالْفِرْعَانِ﴾ (النبأ: ۱۱۱) (اللہ نے مؤمنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خیر کے لئے نہیں

(اور اس کے) عرض میں ان کے لئے بہشت (تیار کی) ہے۔ یہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں تو ارستہ

جنگی ہیں اور ار سے جنگی جانتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”مَنْ هَدَا وَلِهْ يَهْدِ وَلَمْ يَهْدِ لَفَسْهُ بِالْعَمَلِ وَهَاتِ مَبْنَعَهُ جَاهِلِيَّةٍ“ (رواہ احمد و مسلم و غیرہما) (جو شخص سرے اس حال میں کہ اس نے نہ جہاد کیا اور اس کے دل میں جہاد کا جذبہ پیدا ہوا وہ جاہلیت کی موت مرا)۔

مندرجہ بالا نص میں کے مطابق اسلامی فوج میں ملازمت، جدیدہ اسلامی اور دفاعی طور طریقوں میں غیر معمولی ترقی کے ان حالات میں ہر اس مسلمان جو جان پر واجب ہے، جس کی ہر اٹھارہ برس با اس سے زائد ہو، جسمانی اور ذہنی طور پر مکمل صحت مند ہو، وہ ہر دو مسلمان جو جان مطلوبہ بشر انکا پر پورا اترتا ہو، اس پر لازم ہے کہ وہ اس دفاعی لڑائی میں خود کو پورے مسلسل دو سال تک دن و رات جہاد و جنگ کی تکمیل کرے۔ (نرینگ) اور جہاد و دفاع کے جملہ وسائل کا استعمال کرنے کی قدرت حاصل کرے۔

جز (2) بھرتیاں کرتے والی کیمپیں اور اس کی ذمہ داریاں:

فوجی ملازمت کے لئے نوجوانوں کو بھرتی کرنے والے عملے کے ارکان:

(1) مسلح افواج کے سربراہ کا نائب۔ (2) میدان جنگ میں ملتا ہر سر پیکار رہنے والے ہر نیکوں میں سے ایک ماہر جرنیل۔ (3) کلکٹر محکمہ ایک مستند اکابر۔ (4) محکمہ عدل کا ایک تجربہ کار قاضی۔ یہ ادارہ فوجی بھرتی اور عسکری امور کا دفاعی ادارہ کہلائے گا۔

کیمپ کی ذمہ داریاں:

مسئلہ شرح پیداؤں کا جائزہ لینا، اور فوجی ملازمت کیلئے مطلوبہ بشر انکا پورا اترنے والے نوجوانوں کو ترجیحی مراکز (لڑینگ سینٹر) میں بلانا، جہاں انہیں جہاد کے بعد انہیں تربیت کے مختلف مراحل سے گزار کر فوجی ملازمت کے لئے منتخب کیا جائے گا۔

جز (3) تربیتی مراکز:

مرکزی اور صوبائی سطح پر ایسے تربیتی مراکز قائم کیے جائیں، جن میں ہر قسم فوجی ساز و سامان

آئین مقدس میں موجود ہو۔ جو سالانہ ایک بڑی تعداد میں (تک) اسلام میں شامل ہونے والے اس علاقے کے نوجوانوں کے لئے کافی ہو۔ یہ تربیتی مراکز اس قابل ہوں کہ ان کا تربیت یافتہ لوگ ان فریضہ جہاد کی اور تعلق پر نہ صرف قادر ہو، بلکہ آلات و حرب و ضرب کے استعمال میں مہارت حاصل بھی ہو۔ دو سالہ تربیت مکمل کرنے کے بعد ہر دو زبان کو باقاعدہ فوج کی عملوں میں شامل ہونے والا ہو جس آکر شہری زندگی اختیار کرنے کا اختیار ہو، اگر اس دوسری صورت میں ان کا اس وقت بھی فوج (نہ ہزارف) میں شامل رہے گا تا کہ ضرورت کے وقت کے لئے ایک دہائی پر ایک کھینا ہو، یہ ان جہاد میں حاضر ہو۔ اس عمل سے نہ صرف یہ کہ وہ اپنے فوجی بھتیجی سے سیکھ سیکھ کر ہوگا بلکہ آپ ﷺ کے ارشاد مبارک ”لکن جہاد و فہدہ“ (لیکن جہاد اور راہبھی یہ بات ہے) اور ”مسائل الشہادۃ صافہ اعطیہا و لو مات علیہ فہدہ“ (جس نے صدقہ دل سے شہادت کی تو نہا کی اسے اس کا اجر دیا جائیگا کہ جیسا کا انتقال اسے کے ہر پر ہو) کا صدقہ عین کر جائے جن کے اجر کا مستحق فرار پا جائیگا۔ کیونکہ یہ جہاد تربیت دینے والا حکام کے قسم میں ہے جب تک اس کا کام تمام جنگی بن کی سمت میں ہو۔

فصل (3) ادارہ فرائضی ہتھیار

یہ فصل تین اجزاء پر مشتمل ہے۔

جز (1) محکمہ فرائضی ہتھیار کا عمل:

محکمہ فرائضی ہتھیار کے محکمہ میں دو ذرائع، مسلح افواج کے سربراہ، میدان جنگ میں ملتا ہر سر پیکار رہنے والے جرنیل اور وزیر اعلیٰ و افسادیاں شامل ہوں۔ اس ادارے کی ذمہ داریاں، اسلامی لشکر کا اسلحہ، طاقت، ہیکنائوٹی اور تربیت کے لحاظ سے افواج عالم میں انہیں تاجزین مقام عطا کرنا ہے۔

جز (2) ہتھیار سازی

محکمہ فرائضی ہتھیار کی سب سے بڑی اور اہم ذمہ داری ہے کہ وہ اسلامی فوج کو ہر قسم کا جدیدہ اسلحہ جس میں ہائیڈروجن بم سے لیکر فیروزہ اور چار توپک ہوں، مہیا کرے تاکہ خلافت اسلامیہ کا فوج













(۱) ہر شہر میں کئے افرا و خان کا، جیسا ایک مذہبی اور عین بچوں والے شہری کو اس کے کام کا بحث ملانے سے دھوکہ دیا جائیگا، دلیہ یعنی والے کو کیا پہلے شہری سے دھوکے میں کر لیں والے کو نہیں دیا جائیگا۔

(2) اونچے یا، ہر منصب والے کو اسی طرح شکل کا کرتے والے کے معاوضہ دوسروں سے بہرہ حال زیادہ دیا جائیگا تاکہ یہ لوگ بہت اور خاص کے ساتھ اپنے کام کو مسلسل چاڑھ نہ سکیں۔ لیکن یہ زیادتی دو چار سے زیادہ نہ ہو۔

اس ساری تفصیل کا خلاصہ اور نچوڑ یہ ہے کہ ادارت اسامیہ کا یہ سرفہ کرنے کی صرف وہ ہی صورتیں ہیں۔

(1) تنخواہوں کی ادائیگی میں وجہ میں خلیفہ سے لے کر ادنیٰ کارکن تک کی تنخواہیں شامل ہیں۔ اس کا سبب محاسبات کا مطلب یہ ہے کہ قومی دولت قوم کے ہر فرد پر صرف ہوگا۔ اس لئے کہ کوئی بھی شہری ایسا نہیں ہوگا جس کے ذمہ حکومت کی کوئی خدمت نہ ہو۔ لہذا ہر شہری اپنے ذمہ کی خدمت سے سبکدوش ہونے کے بعد حکومت سے بہت اہمال سے اپنا مقرہ وظیفہ وصول کرے گا۔

(2) حکومت کی قائم کردہ فیکٹریوں، تجارتی اداروں اور ذریعہ تنصیب پر صرف کرنا، جن میں تمام ملازمین کرتے ہیں۔ اس طرح ملک کا تمام تر سرمایہ اپنے ہی ملک و قوم پر صرف ہوگا۔

## چوتھا باب

### تعلیم و تربیت

یہ باب چار فصلوں پر مشتمل ہے:

پہلی فصل تعلیم کے وجوب، تعلیم کی حقیقت، تعلیمی مراکز و مدارس اور مراحل تعلیم:

یہ فصل چار اجزاء پر مشتمل ہے

جز (1) وجوب تعلیم و تربیت

قرآن و سنت کی رو سے مسلمان بچوں کی تعلیم و تربیت واجب ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے: **اٰیہا الدین امنوا قوا انفسکم و اهلکم نارا و فیدھا الناس و الحجارۃ** [النحوسیم: 6] (اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر، اہل کا اخلاق اور لاد پر بھی ہوتا ہے۔ اولاد کو آگ سے بچانے کے لئے ضروری ہے کہ ان کی بہتر تعلیم و تربیت کی جائے۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: **”مروا اولادکم بالصلاۃ اذا بلغوا سبعاً، و اصبر بھم علیھا اذا بلغوا عشراً و قوروا بہنھم فی المصاحب“** (اپنی اولاد کو نماز کا حکم دو جب وہ سات برس کے ہو جائیں (اور نماز پڑھنے) پر ان کو مارو جب وہ دس برس کے ہو جائیں۔ اور ان کے لئے ستر دن کو تلخ رو کرہ۔) اس حدیث میں بھی کو نماز کا حکم، بچے اور ان کے لئے تلخ رو کرنے کے متعلق ارشاد فرما کر نہ صرف یہ کہ ان کی تعلیم و تربیت لازم کر دی گئی ہے بلکہ ان کی انفرادی و اجتماعی زندگی کی آداب و تربیت پر بھی توجہ دینا ضروری قرار دیا گیا ہے۔

جز (2) حقیقت تعلیم و تربیت

تربیت سے مراد بچے کی جسمانی و روحانی نشوونما کا ہر طرح سے خیال رکھنا، جسمانی لحاظ

سے بھی بچے سمجھتے سمجھتے دست بردار رہے اور روحانی لحاظ سے بھی وہ اپنی وکملہ اخلاق اور پاکیزہ روح کا مالک ہو۔ ابو الذکر یعنی حسانی تربیت، پاک صاف مناسب غذا اور مختلف قسم کی آسمان و راحت و سمان و رزقوں کے ذریعہ حاصل ہوگا جبکہ عالمی الذکر یعنی روحانی و اخلاقی تربیت، خالص، سچی عقائد، اسلامی اخلاق اور نماز جیسے دینی عبادات اور یا ضاعت سے حاصل ہوگا۔

### جز (3) مدارس و مراکز تعلیم

تعلیمی مدارس، مراکز حصول تعلیم کا ایک وسیلہ و ذریعہ ہیں۔ اور کسی بھی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے جو ذریعہ اور وسیلہ اختیار کیا جاتا ہے اس کا وہی نتیجہ ہوتا ہے جو اصل اور مقصد کا ہے۔ اس اصول سے تعلیمی مدارس، مراکز کا قیام واجب ہوا۔ لہذا اس باب پر غور کیا ہونے کے لئے اسلامی حکومت پر لازم ہے کہ، ملک کے تمام شہروں اور قصبوں میں ایسے تعلیمی مراکز و مدارس قائم کرے جن کی بنیاد اسلامی اخلاص اور تقویٰ پر ہو۔ ان مدارس میں مکمل کے میدان حوصلہ اور مضہر بھی ہوں۔ تاکہ مدارس سے علوم و فنون کی درس و تدریس، حوصلہ سے تیراکی کیجئے سکھانے اور صبر و تحمل سے نماز اور ذکر کا ثبات اور تھیل کے میدانوں سے انواع و اقسام کی جسمانی ورزشوں کا کام لیا جاسکے۔

### جز (4) اقسام تعلیم اور اس کی مختلف مراحل

تعلیمی کی پہلی قسم اور مرحلہ قرآن و سنت کا ضروری حصہ اور اہم سائنس ہیں جو عقائد، عبادات، فقہ اور اخلاق و ادب پر مشتمل ہوں۔ اسی طرح بعد ضروری دینی اور خط و کتابت سکھانا۔ جبکہ تعلیم کے بقیہ مراحل مشتمل ہیں ان علوم و فنون پر جن میں ملک و ملت کا، دھارم و سماجی، مکمل اور عزت و سعادت کا راز مضہر ہے۔

### دوسری فصل لازمی تعلیم و اختیاری تعلیم

#### یہ فصل پانچ اجزاء پر مشتمل ہے

### جز (1) لازمی و جبری تعلیم

لازمی و جبری تعلیم سے مراد وہ بنیادی تعلیم ہے جو ایک مسلمان کے لئے بحیثیت مسلمان سکھنا

کیا ہوتا ہے؟

اور حاصل کرنا ضروری ہے کیونکہ اسے حاصل کیے بغیر ایک مسلمان مکمل طور پر اپنے دین پر عمل نہیں کر سکتا۔ مثلاً اللہ کی معرفت و وحدانیت اور اس کے احکام و عبادات کا علم اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی معرفت اور سنتوں کا علم اور آپ ﷺ کی اطاعت اور اتباع کے جوہر کا علم۔ اسی طرح دین اسلام کی دیگر اہم اور بنیادی باتوں کا علم۔ تعلیم کے اس مرحلہ اور قسم کا حصول امت کے ہر فرد پر خواہ مرد ہو یا عورت لازمی اور ضروری ہے۔ اس لئے کہ عین وہ علم ہے جس کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا: "طلب العلم لویضۃ علی کل مسلم" (علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے) اور جس کا تیرا نذہ کے قول: "چھا فرواوا ما یفسر من القرآن" (الغزمل: 30)۔ (بخاری قرآن تمہارے لئے پڑھنا آسان ہوتا ہے) سے بھی ہوتی ہے۔

### جز (2) عام اختیاری تعلیم

عمومی اختیاری تعلیم سے مراد وہ تمام علوم و فنون ہیں جو مرحلہ اولیٰ کی لازمی و اجباری تعلیم کے علاوہ ہیں۔ عمومی اختیاری تعلیم کے لئے حکومت اسلامیہ یا قاعدہ ایک نظام ترتیب دے جس کے تحت مسلمان طلبہ کو مختلف علوم و فنون کی تعلیم کا بندوبست کیا جائے۔ تعلیم کی یہ قسم چونکہ اختیاری ہے لہذا اس کے حصول اور عدم حصول میں عام کو اختیار ہے۔ یعنی اس علم کا حصول ان کے حواہیہ پر ہے جو چاہئے حاصل کرے اور جو نہ چاہئے اس پر کوئی زور نہ ہوگی نہیں۔ اسی طرح فنون اس بات کا بھی اختیار ہے کہ وہ اپنی پسند اور طبیعت کے مطابق کوئی بھی فن اپنائیں۔ ہاں اس اختیار سے وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جنہیں کسی خاص قسم کی تعلیم حاصل کرنے کیلئے (جو ملکی مفاد میں ہو) مختص کیا گیا ہو جس کی مکمل تفصیل اس فصل کے چوتھے جز میں آ رہی ہے۔

### جز (3) خاص اختیاری تعلیم

خاص اختیاری تعلیم سے مراد مختلف چنے چنانے کے متعلق حصول تعلیم ہے۔ لہذا اسلامی حکومت پر ملک کے ہر شعبہ میں ایسے تکنیکی مدارس کا قیام لازم ہے۔ جس میں باشندگان مملکت اپنی پسند کے مطابق مختلف چنے پانے کی تعلیم اور ان میں مہارت حاصل کریں۔ اور پھر انہی پیشوں اور انہی

مہارتوں کو مستعمل کر سکتے ہوئے وہ اپنے اپنے گھر یا ادارہ اپنے ملک و قوم کی حقیقی خدمت کریں۔ جنہیں ان جیسے تکنیکل ماہرین کی ضرورت ہے۔ مزید برآں ان تکنیکل مدارس و مراکز میں ان علوم کے ساتھ ساتھ دینی، اخلاقی اور اصلاحی پروگرامات بھی مستفاد کئے جائیں۔ جو طلبہ میں دینی روح اور پاکیزہ اسلامی روایات پر وہ ان چڑھانے کا ذریعہ بنیں۔

### جز (4) خاص لازمی تعلیم

اسلامی مملکت پر لازم ہے کہ وہ اعلیٰ تعلیم کیلئے ایسے مدارس کا قیام یقینی بنائے جن میں طب، انجینئرنگ اور ان جیسے دیگر اہم اور ضروری علوم و فنون کی تعلیم ہو۔ ان مدارس میں صرف ایسے قائل، فہم، بخشنے، دیندار اور باصلاحیت طلبہ کو داخلہ دیا جائے جو انتہائی محنت، ہوا نیت اور لگن کے ساتھ ان علوم کو حاصل کر کے اعلیٰ قابلیتوں، صلاحیتوں کو حاصل کریں۔ یہ مدارس اس قدر کثیر تعداد میں ہوں جو ماہرین اور تجربہ کار لوگوں کو اتنی وافر مقدار میں تیار کریں جتنی کی حکومت کو مضبوط، طاقتور اور خود کفیل بنانے کے لئے درکار ہوں، گویا یہ علم فرض کفایہ کے درجے میں ہے کہ اس کے ترک کرنے سے پوری قوم گھٹھکا ہو جاتی ہے۔ اور امت اس سے اس وقت تک بری الذمہ نہیں رہ سکتی جب تک ان علوم و فنون کے ماہرین ان میں نہ ہوں۔

### جز (5) بیرون ملک تعلیمی فوٹو بھیجنا

اگر بعض علوم و فنون ایسے ہوں جو ملک کے اندر نہ ہوں اور نہ ان کے ماہرین اور مدارس و مراکز ہوں، اور ان علوم و فنون کی ملک و ملت کو اشد ضرورت ہو تو انہیں حاصل کرنے اور اپنے ملک اور اس کے کام میں منتقل کرنے کے لئے حسب ضرورت طلبہ کی ایک جماعت یا کمیٹی بنائیں تاکہ بیرون ملک بھیجتا صرف درست ہی نہیں بلکہ ضروری بھی ہے۔ جس میں روح ذیل شرائط کی رعایت رکھنا ضروری ہے۔

(1) یہ فوٹو صرف ان علوم و فنون کے حصول کے لئے بھیجے جائیں جو ملک کے اندر موجود نہ

ہوں۔

(2) ان فوٹو میں شامل طلبہ کو اسلامی طور طریقے اختیار کرنے کا پابند کیا جائے اور یہ وہ ملک انہیں تمام شہانہ ریشہ کے قیام کا تقاضا سے کار بند کیا جائے۔ تاکہ وہ اپنے عقائد و شعائر و ذہنی اسلامی آداب و اخلاق کی حفاظت کر سکیں۔

(3) ہر فوٹو اور جماعت پر ایک گران مقرر کیا جائے جو اپنے گروپ اور جماعت کے تمام اخراجات کی پامال چلن اور اعمال و افعال کی مکمل نگرانی کرے۔ نیز ان گرانوں کو اپنے اختیارات دئے جائیں کہ ہر گران اپنی جماعت کے ہر اس رکن کی اصلاح کر سکے، جو اسلامی آداب سے نکلنے کی کوشش کرے یا فرائض و واجبات کی ادائیگی میں کوتاہی کا مرتکب ہو۔ ان پابندیوں اور شرائط کا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ ان تعلیمی فوٹو کے ذریعے ملک کے عوام میں وہ تمام اخلاقی خرابیاں سرایت نہ کر جائیں جو کہ اسلامی ملک اور معاشرہ میں ان جیسے تعلیمی فوٹو کے ذریعے پھیل کر اپنی جڑیں مضبوط کر چکی ہیں۔

(4) حکومت فوری طور پر ان تمام علوم و فنون اور ان کے مدارس کا قیام یقینی بنائے جو ملک کے اندر معدوم ہیں اور ملک و قوم کو ان کی ضرورت ہے۔ ایسے مدارس کے قیام سے ملک کی ایک بڑی مشکل حل ہو جائیگی۔ اس طرح ملک اور مسلم معاشرہ و دیگر بیرونی معاشرہ کی اخلاقی و دینی خرابیوں کی اثرات سے محفوظ و امون ہو جائیگا۔

### تیسری فصل خواتین کی تعلیم

#### یہ فصل چار اجزاء پر مشتمل ہے

### جز (1) مردوں کی عورتوں پر برتری

اس بات میں شک و شبہ نہیں کہ شرعی، عقلی اور نظری طور پر ہر اعتبار سے مرد کا مرتبہ عورت کے مرتبہ سے اونچا اور بڑیا ہے۔ فرق مراتب کا یہ ذکر قرآن کریم نے یوں بیان کیا ہے: ﴿وَالسَّوْجَالِ وَامْرُؤٌ عَلَى النِّسَاءِ فَاصْطَلِ اللَّهَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ﴾ [النساء: 34]۔ (مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے) ﴿وَاللرِّجَالُ جَسَالٌ عَلَیْھِمْ

وجہ: البصرہ: [228]۔ (مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے) اس فرق کی بنا پر مردوں کے لئے حصول علم کی ضرورت اور موافق زیادہ اور کار کا دشمن کم ہوتی ہیں جبکہ اس کے برعکس عورتوں کے لئے حصول علم کی راہ میں رکاوٹیں زیادہ اور موافق کم ہوتے ہیں۔ لہذا امتین اور بنات کے نظام تعلیم میں واضح فرق ہونا چاہئے۔

## بز (2) خواتین کا نظام تعلیم اور اس کی مدت

جیسا کہ اس فصل کے جزو اول میں بیان ہو چکا کہ نظری طور پر لڑکے اور لڑکی میں ایک واضح فرق موجود ہے۔ اگر اسی فرق کی بنا پر لڑکے کے برعکس لڑکی کے لئے حصول علم کے موافق کم اور موافق زیادہ ہوتے ہیں اور یہی چیز لڑکیوں کے نظام تعلیم اور مدت تعلیم کے اختصار کا تقاضا کرتا ہے۔ سولڑکیوں کا تعلیمی کورس مختصر، محاذات، ادواب، معاشرت اور اسلامی اخلاق پر مشتمل ہونا چاہئے اور اس کے ساتھ ساتھ قرآن کریم کے چند پارہیں یا سورتیں اور خواتین ہی کے مسائل کے متعلق چند مخصوص دستین احادیث کا حفظ بھی ان کے کورس میں شامل ہونا چاہئے۔

### مدت تعلیم

جہاں تک خواتین کے مدت تعلیم کا مسئلہ ہے۔ سولڑکیوں کا تعلیمی مدت صرف اور صرف پانچ سال پر مشتمل ہونا چاہئے۔ اس طور پر کہ عمر پچھنے سال کی ابتداء میں بچی کو مدرسہ میں داخل کیا جائے اور دسویں سال کے آخر میں اسے مدرسے سے فارغ کیا جائے۔ تعلیمی اثاثیں اس سے امتحان لیا جائے اور نہ ہی اسے سند دی جائے بلکہ اس کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے تعلیمی کورس کو اچھی طرح چھ کر اسے عملی زندگی میں لائے تاکہ کسی مسلمان لڑکی کی تعلیم کی ابتداء اور انتہائی ہی اصل مقصد ہی اس کی دینی و اخلاقی تربیت ہے۔

## بز (3) خواتین کے لئے تکنیکل تعلیم

اسلامی حکومت پر ملک کے تمام شہروں میں بنات کے لئے ایسے تکنیکل مدارس کا قیام لازم

ہے، جن میں مسلمان لڑکیاں اپنی پسند اور طبی سیاق کے مطابق گھریلو و شکاری وغیرہ کے متعلق تعلیم حاصل کر سکیں۔ مگر ان مدارس میں درج ذیل شرائط کی رعایت رکھنا ضروری ہے۔

(1) ان مدارس میں گیارہ سال کی عمر کی بچیوں کو داخلہ دے کر چودھویں سال کی عمر میں فارغ کیا جائے۔

(2) ملک کی دیگر مسلمان عورتوں کی طرح ان مدارس کی طالبات، مدرسے میں آتے اور جاتے وقت اسلامی اصولوں کے مطابق مکمل شرعی پردے کا اہتمام کر سکیں۔

(3) ان مدارس میں تکنیکل تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی و اخلاقی اسباق پڑھانے کا اہتمام بھی ہو۔ تاکہ یہاں سے نکلنے والی طالبات ہر مند ہونے علاوہ نیک و بندہ اور پاک و امن بھی ہوں۔

## بز (4) خواتین کے دو اہم ہنر ”زرسنگ اور دیہ گری“

اسلامی حکومت پر ملک کے ہر حصہ میں خواتین کے لئے ایک ایسے بڑے مدرسے کا قیام لازم ہے جس میں مسلمان لڑکیاں دیہ گری اور زرسنگ کی تعلیم حاصل کریں۔ ان مدارس میں صرف ان لڑکیوں کو داخلہ دیا جائے جنہوں نے خواتین کی تعلیم کا پہلا مرحلہ مکمل کیا ہو۔ ان مدارس میں درج ذیل شرائط کی رعایت رکھنا ضروری ہے۔

(1) ان مدارس میں داخلوں کی درخواستیں ”پیلہ آئیں پیلہ پائیں“ کی بنیاد پر قبول کی جائیں اور جب مطلوبہ تعداد مکمل ہو جائے تو داخلہ بند کر دئے جائیں۔

(2) چونکہ یہ بھی مسلمان عورت کے لئے ضرورت ہے کہ اسے کپڑے کی غیر عزم کی تہاداری جائز نہیں ہے اس لئے زرسنگ کی تعلیم مکمل کرنے کے فارغ ہونے والی نسلیں ہر کاری ہتھکڑوں کے صرف ان وارڈوں میں خدمات انجام دینی جو خواتین کے لئے مختص ہوں۔ جبکہ دیہ گری کی تعلیم مکمل کرنے کے فارغ ہونے والی راہ طالبات کو سرکاری ہتھکڑیوں اور قیمتی طور پر گھروں میں مسلمان خواتین کی خدمت کرنے کا اختیار ہے۔ وہ جہاں چاہیں اپنی خدمات انجام دیں

(3) یہ فاضل طالبات خواہ زمیں ہوں یا دیہ گری مسلمان خواتین کی طرح مکمل شرعی پردے کا

اہتمام کر سکتی۔ یعنی نرسنگ اور واپگری کا پیشہ اختیار کرنا ان طالبات کو ادب اور اصلاح کے دائرہ سے نکالنے کا جوڑ نہیں بن سکتا۔

(4) ان میڈیکل مدارس میں ملکیت کے دیگر مدارس کی طرح دینی و اصلاحی اسباق پڑھنا۔  
کا اہتمام بھی ہو۔

### پانچواں باب

شعبہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر

اس باب میں ایک فصل ہے جو دو اجزاء پر مشتمل ہے

جز (1) امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا علم:

خلافت اسلامیہ میں ایک ادارہ ایسا ہونا چاہیے جو لوگوں کو نیکی اور بھلائی کی طرف بلائے اور برائی سے منع کرے۔ اللہ کا ارشاد ہے: ﴿وَلْيُكْسِرْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَالْيَمْرُورِ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (آل عمران 104)۔ (تم میں سے ایک جماعت ایسی ہوئی چاہئے جو بھلائی کی طرف بلائے اور نیک کاموں کا تقاضا کرے اور برے کاموں سے روکے اور یہی لوگ نجات پانے والے ہیں) یہ شعبہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور مسائل پر مشتمل ہونا چاہئے جنہیں ریڈیو، ٹی وی اور صحافت سمیت نشر و اشاعت کے دیگر تمام وسائل استعمال کرنے سے مکمل اختیارات حاصل ہوں۔

جز (2) شعبہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ذمہ داریاں

شعبہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر درج ذیل ذمہ داریاں نبھائیگا

(1) ملک میں نشر ہونے والے ہر پروگرام کی نگہبانی کرنا، جو ہرگز پروگرام اور دعوت کو نشر نہیں ہونے دے گا جو خلافت اسلامیہ میں رائج اسلامی قوانین سے متصادم ہو اور جو پروگرام یا وعظ و شریعت اسلامیہ سے متصادم نہ ہو اسے نشر کرے گا۔

(2) امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لئے ریڈیو، ٹیلی ویژن اور صحافت سمیت تمام ہاتھ و وسائل استعمال کرنا تاکہ یہ چیزیں شرا و رساء کے بجائے خیر اور بھلائی کے ذرائع بن جائیں نہ کہ شر و فساد

کا۔ جیسا کہ دیکھنے کے لئے ہر ممالک میں شہر و نساوانی چیزوں کی وجہ سے ہے۔

(3) ایسے اعلیٰ علم و اعلیٰ اور دینی رہنما منتخب کر کے مختلف شہروں اور قصبوں میں تعینات

کر دئے جائیں۔ جو لوگوں کی دینی و روحانی، اخلاقی، اور فکری تربیت کریں۔

### پہلا باب

شعبہ محنت و افرادی قوت

اس بات میں تین فصلیں ہیں

پہلی فصل وزارت محنت و افرادی قوت اور اس کی ذمہ داریاں

یہ فصل دو اجزاء پر مشتمل ہے

جز (1) تشکیل عملہ

وزارت محنت و افرادی قوت بانچہ ارکان پر مشتمل ہو۔ جن میں ایک وفاقی ڈپٹی مینسٹر اور اس کا سربراہ ہو اور اس کے ساتھ ساتھ ایک مسٹر ڈائریکٹر، ایک ایگزیکٹو، ایک ایگزیکٹو ایڈیٹر اور ایک مینیجنگ ڈائریکٹر ہو۔ ملک کے تمام صوبوں کے ہر شہر اور ہر قصبہ میں اس وزارت کے ذیلی دفاتر اور کمیشناں ہوں۔ اس ادارہ کی تشکیل آپ کے لئے اس فرمان کو سامنے رکھ کر کی گئی ہے۔ "تسلطہ انتظامیہ ہم یوم الفیاضہ..... و ذکر من بینہم رجل اسماء جو افسر فاضل و علم ہوفہ" (قیامت کے دن تین آدمی ایسے ہونگے جن کی طرف سے میں غصہ ہوں..... اور ان میں آدمیوں میں سے ایک مذکر کیا جیسے کسی نے ہجرت کر کہاں اس نے اپنا کام پورا کیا۔ لیکن اسے ہجرت پوری نہیں دی گئی) اور "اعطوا الاجر حقه قبل ان یجف عرفہ" (مزدور کو اس کا مہینہ تنگ ہونے سے پہلے اس کا حق دو)

جز (2) وزارت محنت و افرادی قوت کی ذمہ داریاں

وزارت محنت و افرادی قوت ملازمین اور ان کے حقوق تمام امور کی نگرانی کرے گا۔ جن میں سر

فہرست چند امور ہیں۔

(۱) کام اور کام کرنے والے ملازمین کی مہارت و قابلیت کو مد نظر رکھتے ہوئے کم سے کم اجرت مقرر کرنا تاکہ کسی ملازم کی مجبوری سے ناگاہدہ افکار اسے کم اجرت ندی جائے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

«لَا يَبْخُسُ الْبَخْسُ الْبَخْسُ» [الاعراف: ۱۵]۔ (اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے مت دو)

اور کسی بھی عامل کی قدرت، مہارت اور قابلیت بھی شی، ہے اور کسی بھی شی کو اس کے مرتبہ سے گھٹانا جائز نہیں۔

(۲) آجر اور اجیر کے مابین ہونے والے تنازعات کی تحقیق کو کے شریعت اسلامیہ کے مطابق ان کے فیصلے کرنا۔

(۳) آجر اور اجیر کے درمیان مختلف امور پر ہونے والے اختلافات کو ختم کرتے کے لئے مداخلت کرنا اور ہر ممکن طریقے سے ان میں صلح پائی کرنا۔ جس کا حکم اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے دیا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:

«وَالصَّلَاحُ حَرَامٌ» [النساء: ۱۲۸]۔ (اور صلح حرام ہے) اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

«الصلح بين المسلمين جائز ولا صلح اهل حرام او حرم حلال» (مسلمانوں کے مابین صلح جائز ہے لیکن اہل حرام اور حراموں کے مابین صلح حرام ہے)۔

(۴) صنعت کاروں اور حکومت کے مابین ثالثی کا کردار ادا کرنا اس طرح کہ صنعت کاروں کے مسائل اور حاجات و ضروریات کی طرف حکومت کی توجہ دلا اور مستحق کو مدد اور ترقی دینے میں ان کی مدد کرنا۔

## فصل (۲) رینٹ منٹ کا نظام

### فیصل چار اجزاء پر مشتمل ہے

#### جز (۱) حق رینٹ منٹ کن کو حاصل ہے؟

رینٹ منٹ یا پیشین لینا سہ کار یا اور غیر کاری صنعتوں اور اداروں کے ملازمین کا حق ہے اس طرح یہ حق کسانوں اور چھوٹے بڑے تمام تاجروں کے ملازمین کو بھی حاصل ہے جو ان کے ہاں

مشغول اور دائمی ملازمت کرتے ہیں۔ اور مابعد اجرت حاصل کرنے ہیں۔ نظام رینٹ منٹ کا یہ حصہ پیشہ والے تمام ملازمین سے ان کی تنخواہ میں سے مابعد ایک مخصوص رقم حق منہ کے حساب سے لیا جائے جس کی جائیگی۔ رینٹ منٹ کے نظام کی تائید قرآن کریم کی آیت «لَا تَبْخُسُوا الْبَخْسُ الْبَخْسُ» [النساء: ۱۵] (لیکن بخل کو ایمان لائے اور (بخل) بیک الصالحات فلیهم اجر غیر ممنون) [النہل: ۱۶]۔ (لیکن بخل کو ایمان لائے اور (بخل) بیک فلیہم اجر کے لئے ان کے لئے ایسا اجر ہے جو بھی قسم نہ دگا) اور نبی کریم ﷺ کے فرمان: «إذا مرض العبد أو سافر كتب الله تعالى له من الأجر مثل ما كان يعمل صحيحاً مفعلاً» (رواہ البخاری) (جب کوئی بندہ بیمار ہو جائے یا سفر پر جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے (نامہ اعمال میں) اس اجر کے مثل لکھے گا۔)۔

بے جوا اس کے لئے صحت اور حالت اقامت میں لکھا جاتا ہے) (مکمل کرنے کی وجہ سے)

#### جز (۲) نظام رینٹ منٹ میں شرکت اختیاری ہے

کسی ملازم کے لئے اس نظام میں شمولیت اختیار کرنا اور اس نظام کا حصہ بننا انہیں ہے یا نہیں۔ ایک اختیار کی عمل ہے۔ پس اس کو فائدہ مند اور فائدہ مند ہے۔ اس لئے تمام ملازمین کے سامنے نظام کے تمام فوائد اور شرائط بیان کی جانی چاہئیں اور ان کی تنخواہوں سے لیا جائے والی رقم اور رینٹ منٹ کے بعد انہیں یکشت یا پیشین کی صورت میں ملنی والی رقم کے متعلق تمام تفصیلات انہیں بتانی چاہئیں۔ ان ساری معلومات کو جاننے کے بعد اب ہر ملازم پر اس نظام میں شرکت یا عدم شرکت کا اختیار ہے۔ اگر وہ شرکت پر آمادہ ہو جائے تو اس کا نام رینٹ منٹ کے لئے مخصوص رجسٹر میں درج کر کے اس کی تنخواہوں سے مابعد کوئی شروع کی جائے۔ اعلیٰ سے وہ اس نظام کا قاعدہ ایک رکن بن جائیگا۔ اب جب وہ رینٹ منٹ کی حرکت پہنچ جائے تو اسے رینٹ منٹ کے اس حق شدہ سے ایک شت دی جائے یا پادہ پیشین کی صورت میں اسے ملے۔ اور اگر وہ مر جائے تو اس کی پیش اس کے رجسٹر میں اس کی بیوہ، والد یا بچوں کو ملتا رہے۔ اور اگر اس کی بیوہ نہیں اور شادی کر لے تو وہ اس حق سے محروم ہو جائیگی۔ اس طرح اگر اس کا بیابالغ ہو جائے یا بیٹی کی شادی ہو جائے تو انہیں اس کے فائدہ شدہ والد کا پیش نہیں ملے گا۔

جز (۳) رینٹ منٹ کے لئے عمر کی خدہ اور ملازم کی تنخواہ سے تنصفا کی جانے والی مابعد رقم کی





قطعاً ضرورت نہیں رہتی۔ جب مسلمانوں کے برعکس کفار کا آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارہ کا وہ نطق نہیں ہوتا جو مسلمانوں کا ایک دوسرے کے ساتھ ہوتا ہے بلکہ انہیں ان جیسے اداروں کی بہر حال ضرورت ہے جو مختلف حادثات، واقعات اور مصائب میں ان کی مدد کرنے اور ان کی تکالیف دور کریں۔

البتہ انٹورنس کی ایسی کوئی خاص قسم جس میں کوئی شرعی تقاضہ نہ ہو اور اس کی مخصوص شرائط ہوں تو اس قسم کے انشورس کو اسلام میں نہیں کرنا سکتا اس کی اجازت دیتا ہے۔ کیونکہ اسلامی اصول ہے کہ "المسلمون علیٰ سنو و طہیم الا شرطا اھل حواما و اھل حلالہ" (مسلمانوں کو شراب کی آزادی ہے مگر ایسی شراب (سج) جو حرام کو حلال یا حلال کو حرام نہ کرے) سو وہ عمل جس سے مسلمانوں میں اخوت اور بھائی چارہ کا تعلق مضبوط تر ہو مسلمانوں کے وقار میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہو۔ اس کے متعلق ایک دوسرے کے ساتھ ملکی اور بھائی میں تعاون جیسے ہوں اور اس میں کوئی شرعی تقاضہ بھی نہ ہو تو ایسا عمل صرف جائز بلکہ مستحسن ہے۔

### جز (2) جائز انشورنس کی حقیقت اور اس کی شرائط

انشورنس کی جس قسم کی اسلام جائز دیتا ہے یہ ہے کہ ایک ہی پیشہ یا کاروبار سے منسلک افراد مثلاً اور نیوٹنگ کے پیشے سے وابستہ تمام ڈرائیور اس بات پر متفق ہو جائیں کہ ہرگز اس صندوق میں مال نہ اتنی رقم جمع کریں گے۔ اور سب کی نیت یہ ہو کہ شرکاء میں سے جس کی کوئی حادثہ پیش آئے جس کی وجہ سے اس کا جانی یا مالی نقصان ہو جائے تو جمع شدہ رقم سے اس کی مدد کی جائیگی۔ تاکہ وہ اپنے علاج اور گازی کے ٹھیکہ کرنے پر تے والے اخراجات پوری کر سکے۔ یا گاڑی کی گھر سے سرنے والے کی دیت ادا کر سکے۔ اس قسم کی انشورنس میں جب مندرجہ ذیل شرائط پائی جائیں تو اسلام اس سے منع نہیں کرتا۔

### جائز انشورنس کے شرائط:

(1) نیت کی برائی۔ یعنی جس اعلیٰ میں شرکت کو تعاون اعلیٰ الیہ کہہ دیے ہوئے اسے ایجاد یعنی "وہ معیت زدہ نفس" کے ساتھ ہمدردی سمجھیں۔ جس کا ہم اللہ نے ان آیات میں دیا ہے:

﴿وَنَعَاوَنُوْا عَلٰی الْبِرِّ وَالْفَوْنِیِّ﴾ (العنابدہ 2)۔ (نیک اور پرہیزگار میں سے ایک دوسرے کی مدد

کرتے رہو) ﴿وَنُوْا صَوَابًا وَالْبَصِیْرَ وَنُوْا صَوَابًا مِّنْ حُجَّةٍ﴾ (البطلہ 7)۔ (اور ایک دوسرے کو شہر کی اور رقم کرنے کی وصیت کرتے رہیں)۔

(2) مقررہ رقم اپنی خوشی اور اختیار سے دے۔

(3) تمام امکان ان رقم جمع کرنے میں سادی ہوں۔ ہاں جو اپنی مرضی و فحش سے مقررہ رقم

سے زائد دیتا ہے تو اس کے لئے کوئی ممانعت نہیں ہے۔

(4) جن لوگوں کو حادثہ پیش آئے انہیں ملتی دہلی رقم بھی سادی ہو۔

(5) اگر کوئی رکن مراض ہو کر یا بلائہ رقم جمع کرانے سے عاجز ہو کر اپنی رکنیت ختم کر دے تو وہ اپنی جمع شدہ رقم کی واپسی کا مطالبہ نہیں کر سکتا اس لئے کہ جو کہ گھاس نے جمع کیا ہے وہ قبل اور بعد کی نیت سے کیا ہے اور صدق کرنے کے بعد واپس لینا جائز نہیں۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے، "المعاند فی ہبہ کالعائد فی فیہ" (زواہ البھاری) (بہرہ کر کے واپس لینے والا ایسا ہے جیسا کہ اپنے لئے ہونے لگا چاہئے والا)۔

(6) تنظیم جمع شدہ رقم کو بڑھانے یا کسی اور غرض سے سووی۔ معاملات میں نہیں لگا سکتا۔ ایسا ایسے غیر سودی معاملات جیسے تجارت اور صنعت و حرفت وغیرہ میں لگا سکتا ہے جس سے وہ مسلسل بڑھتا رہے۔

(7) حقیقی امور چلانے والے ملے جیسے کا تب، محاسب اور حافظہ وغیرہ اپنی خدمات اور کام کے عوض جمع شدہ رقم سے تنخواہ کی صورت میں لے سکتے ہیں۔

### تنبیہ

حکومت اور دیگر خیراتی و دعوامی اداروں پر لازم ہے کہ اس جیسی تنظیموں اور کمیٹیوں کے ساتھ مالی تعاون کر کے ان کا حوصلہ بڑھائیں۔ تاکہ یہ لوگ ایسے مزید ایسے اور منظم طریقے سے مصیبت زدہ اور حادثات کے شکار لوگوں کی مدد کر سکیں۔





نہ تو اس کا کسی کی وجہ سے ہو، جس ملک پر داعی نہ ہو اور خلافت اسلامیہ کا سفر ارتقا نہ پوری آج تک اب کے ساتھ اپنے مقاصد کے حصول میں مصروف کار ہے۔

جز (3) دار فہر میں اسلام کی نشر و اشاعت کا مرکز - سفر ارتقا ہے:

خلافت اسلامیہ کا سفر ارتقا نہ خواہ کسی بھی ملک میں ہو اس ملک کے اندر اسلام کی نشر و اشاعت کا مرکز ہوتا ہے اس لئے مسلمانوں کی قیادت میں ایک بڑی بڑی سرگرمیوں کے لئے نقشہ بنایا جائے۔ جس کی حقیقت پر کھڑے ہو کر پانچویں نمازوں کے لئے آواز اٹھانے اور آواز اٹھانے کے بعد - غار فی ملہ اور ان کے علاوہ ہاں - جو وہ مسلمان پانچویں نمازوں کی تہذیب، عزت اور اگر جس کی امامت مسلمانوں میں موجود اسلامی ائمہ گرامت رکھتا ہے یہ چھوٹی سی مسجد اسلام کی نشر و اشاعت اور اس کی تبلیغ کا مرکز بن جائے۔

وقت پر مہر و غلامی مسجد میں اسلام کے متعلق دلچسپی لینے والوں کو جمع کر کے ان دینی اسلام کے متعلق معلومات فراہم کریں - مسلمانوں کو دین و شریعت کے سہولیات سکھائیں - انہیں اسلامی کتب و رسائل دیں - وہ خط و نصیحت اور درس و تدریس کے ذریعہ لوگوں کو دین اسلام کے متعلق تہذیبی مسائل بتائیں - انہیں یہ مسلمانوں کا ہر اعتبار سے ایک دینی و اسلامی مرکز کا منظر پیش کرے - تاکہ اسلام فی وقت ہر مسلمان اور دینہ ہوا خلافت اسلامیہ کا اہم مرکز بنے اور اس طریقہ سے آواہو۔

## آٹھواں باب

شعبہ افتاء یا مجلس تشریعی:

اس میں ایک فصل ہے جو تین اجزاء پر مشتمل ہے

جز (1) شعبہ افتاء یا مجلس تشریعی کی ضرورت و اہمیت

کسی بھی مسلمان ملک میں ایک ایسے ادارے کا قیام دینی و اخلاقی ضرورت کے دینی امور اور معاملات و مسائل قرآن و حدیث کی روشنی میں حل کرنا ہے۔ ایسے مجلس تشریعی یا مفتی کہتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **فاسئلوا اهل الذکر ان کم لا یعلمون** (الحج 43) (پس آئیے تمہیں جاننے تو اہل علم سے دریافت کرو) اور ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: **فاسئلوا الذکر** (احزاب 43) (پس اسوۃ مالاہل النساء 59) (پھر اگر کسی چیز میں اختلاف ہو تو اس سے پوچھنا کہ وہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف اگر نہیں اللہ پر اور قیامت کے دن براہین ہیں۔ یہیت ہنر سے اور بہتیا انجام کے مستحق ہے)

جز (2) مجلس تشریعی یا شعبہ افتاء کے ارکان

مجلس تشریعی یا شعبہ افتاء کا عمل پانچ ارکان پر مشتمل ہونا چاہئے جن میں سے مراکب عالم اسلام کے ان چند علمی شخصیات میں سے اہل دین و علم و عمل اور تقویٰ الدین میں اعلیٰ مقام رکھتا ہو۔

جز (3) مجلس یا شعبہ افتاء کی ذمہ داریاں

مجلس تشریعی یا شعبہ افتاء کی اہم ذمہ داریاں یہ ہیں کہ خلافت کی جانب سے پیرہ گئے ہر مسئلہ کی قرآن و حدیث کی روشنی میں مکمل تحقیق کر کے جواز یا عدم جواز کا حکم صادر کرے اور اس کو مدد کر کے قابل عمل بنائے۔ جس سے کوئی بھی شخص کسی بھی صورت میں مستحق نہ ہو کہ کسی کو ہمارا ہمارا



انکار نہیں کیا جاسکتا کہ فقیر، سلف الصالحین کی عقیدہ ہے جو اس سے قبل بنی کریم متبع تھا۔ کرام  
الاعمال، تبع تابعین، ان کے بعد اس عقیدہ کا پیروں۔ جس میں کسی شخص کے شک، شک کی شہادت نہیں۔ اس  
لئے اگر کوئی شخص یا قوم، ان عقیدہ کے خلاف نہ ہو، جو اپنے ماننے والوں کی نجات دہن ہے،  
اور ایسے عقیدہ کا اثبات جو اس کے خلاف نہ ہو، اور ان کے ماننے کو انکار کر کے مسلمانوں کے ماننے سے پیہ کرنے  
والے ہیں، اور جس سے اس کے خلاف نہ ہو، جس سے کسی شخص کے شک و شبہ کی نفی نہ ہو، جو غلط اسلامیہ  
پر لازم ہے کہ ایسے شخص، قوم، سرگرم، اور جس مرتبہ اسے اس میں حق نہ ہو، اسے اور  
درست، معتقد، عقیدہ، اعتقاد، کہنے کی بات نہ ہو، اس لئے کہ ان کے ماننے کو ان کے خلاف نہ ہو، اور  
راست نہ ہو، اس لئے کہ ان کے ماننے کو ان کے خلاف نہ ہو، اور ان کے ماننے کو ان کے خلاف نہ ہو۔

اسی طرح خلافت اسلامیہ میں جو حد، اس کے لئے کسی بھی شخص کے اس بات کی اجازت نہ ہو کہ وہ  
کسی بھی حالت میں خلافت اسلامیہ کے معتقد عقیدہ کے خلاف نہ ہو، اس لئے کہ اس کے ماننے کو ان کے خلاف نہ ہو،  
ہائے خواہ خطیہ طور پر، یا اعلانیہ جگہ، یا خفیہ جگہ، یا اسلام کے معتقد عقیدہ، جو کہ سلف الصالحین کے معتقدات سے  
بارے میں زبان یا قلم سے نہ ہو، اس لئے کہ ان کے ماننے کو ان کے خلاف نہ ہو، اور ان کے ماننے کو ان کے خلاف نہ ہو۔

اور ایسا شخص جو اس شخص کے مرتکب ہو، اسے خلافت اسلامیہ میں حد، اس لئے کہ اس کے ماننے کو ان کے خلاف نہ ہو،  
نہ ہونے دیا جائے، بلکہ اسے کمال مرتبہ پر رہا جائے، اور یہ وہ شخص جو عقیدہ اسلامیہ کے خلاف نہ ہو،  
جو اقرار کا مستحق نہ ہو۔ اس لئے کہ جو کوئی عقیدہ، اسلامیہ کے خلاف نہ ہو، اور اس کے ماننے کو ان کے خلاف نہ ہو،  
ہے اور جو مسلمانوں میں سے نہ ہو، اس لئے کہ اس کے ماننے کو ان کے خلاف نہ ہو، اور اس کے ماننے کو ان کے خلاف نہ ہو،  
ملک سے نکل کر جہاں چاہے جائے، اور جس کے پاس جانا چاہے جائے، اور اس کے ماننے کو ان کے خلاف نہ ہو،  
مسلمانوں کی وحدت اور اسلامی کھٹا کھٹ کا یہ ایک خادانہ، مضافانہ اور ہمدردانہ نظر آتا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، وَصَلَّى اللَّهُ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ  
الْجَمْعِينَ، اللَّهُمَّ نَعْلِمُ أَنَّكَ أَعْلَمُ الْعِلْمِ، وَأَحْمَلُ سَبِيلَهُ، وَبِكَ يَوْمَ لَا  
يُجْعَلُ صَالٍ وَلَا نَافٍ إِلَّا مَنْ أَمَى إِلَيْكَ، اللَّهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
خادم الحديث : جامعہ ربانیہ، کراچی